Rage.

DUE DATE

Cl. No 297.63 / 768 G84 Acc. No. 127016

Late Fine Ordinary Books 25 Paise per day. Text Book Re. 1/- per day. Over Night Book Re. 1/- per day.

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

حضرت مولانا الحاج حافظ احمد سعید صاحب

ناظم جمعیۃ علمائے ہند

کی پہلی

تقریریت

جسے

مجددینی بک ڈپو نے

کوچہ ناہر خاں - بیت السعید دہلی سے

شائع کیا

تیسرا اڈیشن محبوب المطابع چھلیوان دہلی قیمت صرف عہ

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

حضرت مولانا الحاج حافظ احمد سعید صاحب

ناظم جمعیۃ علمائے ہند

کی پہلی

تقریر سیرت

جسے

منیجر دینی بک ڈپو

کوچہ ناہر خاں بیت السعید دہلی نے

شائع کیا

تیسرا اڈیشن

قیمت صرف عمر

فہرست مضامین تقریر سیر حصہ اوّل

تمت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یٰاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَکُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّکُمْ فَاٰمِنُوْا خَیْرًا لَّکُمْ وَاِنْ تَکْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَکَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَکِیْمًا ۝

ترجمہ اے لوگو! تمہارے پاس خدا کا رسول حق لیکر آچکا ہے تم اس پر ایمان لے آؤ تا کہ تمہارے لئے بہتر ہو اور اگر تم ایمان نہ لائے اور حسب دستور کفر پر قائم رہے تو اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کا مالک ہے اسکو تو تمہارے کفر سے کوئی نقصان نہ پہنچے گا البتہ تمکو ہی نقصان پہنچ جائیگا۔ اور اللہ تعالےٰ علیم بھی ہے اور حکیم بھی۔

روحانی اور جسمانی تربیت

صدر محترم! اور معزز حاضرین!! آپ حضرات میں سے غالباً اس بات کا کوئی بھی منکر نہ ہوگا کہ اس عالم کائنات کی ہر ایک چیز انسان کے منافع اور انسان کی ضروریات کیلئے پیدا کیگئی ہے۔ انسان جو اشرف المخلوقات ہے اسکے علاوہ خواہ عالم حیوانات ہو یا نباتات یا عالم جمادات و معدنیات سب اسی اشرف المخلوقات کیلئے پیدا کیا گیا ہے۔ بلکہ میں تو عرض کرتا ہوں کہ عالم ارضی و سفلی کے علاوہ عالم علوی بھی انسانی اغراض کے ماتحت ہی پیدا کیا گیا ہے۔ اور حق جل مجدہٗ نے اس تمام کائنات کا ذرہ ذرہ انسان کیلئے ہی پیدا کیا ہے۔ عالم علوی ہو یا عالم سفلی جسکو دیکھئے انسان کے کام میں لگا ہوا ہے۔ علوی اور سفلی کا وہ مفہوم نہیں ہے جسکو آجکل جاہل لوگ جو گنڈے تعویذ کے بہت معتقد ہیں سفلی اور علمی کہا کرتے ہیں۔ یا آپکی نادان عورتیں جو صبح سے شام تک تعویذ گنڈوں کی مزاروں پر منتیں مانگتی پھرا کرتی ہیں وہ کہا کرتی ہیں میرے بچے پر کسی نے سفلی کردیا ہے یا میری سوکن نے مجھے

لونگیں کھلادی ہیں۔ یا ان غور تو انکا ایک مقولہ مشہور ہے سفلی کی کاٹ سفلی ہے اور علمی کی کاٹ علمی سے اس قسم کے توہمات پرست علمی سے مراد تو وہ تعویذ لیتے ہیں جو جادو یا سحر سے تعلق نہ رکھتے ہوں بلکہ انہیں اللہ تعالیٰ کا نام ہو یا کوئی نقش ہو اور سفلی سے انکی مراد جادو یا سحر ہوا کرتا ہے اسلئے انکے مقولہ کا مطلب یہ ہے کہ جادو کا اُتار تو جادو ہی سے ہوسکتا ہے اور علمی تعویذ گنڈے کا اثر تعویذ گنڈوں سے ہی زائل ہوسکتا ہے۔ آپنے دیکھا ہوگا اکثر لوگ مرگھٹ کی مٹی اور پرانی قبروں کی خاک تلاش کرتے ہوئے نظر آیا کرتے ہیں یہ سب سفلی والے اور جادو ٹونہ والے ہوتے ہیں جنکا کام یہ ہوتا ہے کہ کسی پر ہنڈیا پھنکوادی کسی کے نام کا پتلا بنا کر اسمیں سوئیاں گھسا دیں اس فن کا نام انکی اصطلاح میں سفلی ہے۔ میرا مطلب اس سفلی اور علمی سے نہیں ہے نہ میں اسوقت اس بحث میں مبتلا ہونا چاہتا ہوں کہ یہ سفلی اور علمی کا ڈھونگ کیوں رچایا گیا ہے اور یہ پیشہ ور سفلی اور پیشہ ور علمی جاہل غربا کو کس طرح لوٹتے اور تباہ کرتے ہیں۔ میرا مطلب تو عالم علوی سے عالم بالا ہے اور عالم سفلی سے مراد عالم ارضی و خاکی ہے اور میرا مقصد صرف اسقدر ہے کہ عالم بالا کے تمام کرے اور عالم خاکی کا ہر ذرہ انسان کے منافع اور انسانی اغراض کے لئے خلق کیا گیا ہے۔

عالم بالا کی خدمات

آپ میں سے کون انکار کرسکتا ہے کہ یہ چاند سورج آپکی خدمت میں مصروف نہیں ہیں کیا یہ چھوٹے چھوٹے تارے حضرت حق نے بیکار پیدا کئے ہیں کیا آپکے پھولوں اور پھلوں کے رنگ و خوشنمائی اور مہک خوشبو میں ان تاروں کی خدمت کا کوئی اثر نہیں ہے۔ آپنے گلستاں تو پڑھی ہوگی۔ آجکل تو فارسی کے مٹ جانے سے گلستاں کا نام ہی لوگ بھول گئے اور فارسی کیا بھائی اس ملک میں سے تو اردو ہی مٹائی جا رہی ہے اُردو ہی کی جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں تو بیچاری فارسی کس گنتی میں ہے کبھی پرانے مکتبوں میں فارسی پڑھائی جاتی تھی۔ لیکن ان مکتبوں کو یہ پرائمری سکول کھا گئے ان پرائمری سکولوں نے مکتبوں ہی کو نہیں کھا کر ہضم کرلیا بلکہ سچ تو یہ ہے کہ یہ سکول مسلمانوں کی اصلی تہذیب و تعلیم کے لئے دشمن جاں ثابت ہوئے اور بیچاری جان اگر یہ پرانے ٹائپ کے مولوی ملا دینی مدارس کو تمہاری دست برد سے

نہ بچا لیتے تو عربی کبھی رخصت ہو چکی ہوتی۔ وہ تو اللہ تعالیٰ ان مولویوں کا بھلا کرے بیچارے برا بھلا سنتے ہیں۔ لوگوں کے طعنے برداشت کرتے ہیں۔ چندہ طلب کرنے کے موقع پر کڑوی کسیلی باتیں بھی سن لیتے ہیں لیکن اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں اور بچا رہے علم دین پڑھا رہے ہیں۔ اگر یہ علما کمربستہ نہ ہو جاتے تو تم تو عربی کو دفن کرکے مٹی بھی دے چکے ہوتے۔ تمہارا طرز عمل تو یہ ہو گیا ہے۔

جہاں دیکھا توا پرات وہیں گزاری ساری رات

جو تہذیب دیکھی وہی اختیار کر لی۔ جہاں لگے وہیں کے ہوئے جس کو ذرا فیشن ایبل دیکھا اسکا فیشن اختیار کر لیا۔ غرض جس کی جو بات آپ کی نظر میں اچھی معلوم ہوئی وہی لے بھاگے حالانکہ آپ ایک مستقل تہذیب کے مالک ہیں۔ آپ کا ایک مستقل کلچر ہے۔ ایک مستقل تمدن کے آپ مالک ہیں۔ آپ دنیا کو اپنے پیچھے چلانے آئے ہیں یا دنیا کے پیچھے چلنے کو آئے ہیں۔ تم کو کچھ معلوم بھی ہے کہ تم کون ہو؟ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی مقدس تہذیب کے زندہ مرقعے اور چلتی پھرتی تصویریں تم ہی تو ہو۔ تم اور یورپ کی تقلید! تم اور ایشیا کی تہذیب! تم اور ایرانی و ہندوستانی تمدن! تم عالم میں ایک بالاترین تہذیب کے مالک بنا کر بھیجے گئے ہو۔ بالاترین تمدن کے مالک ہوتے ہوئے تم کو شرم نہیں آتی کہ تم بدترین تہذیب و تمدن کی اتباع کرتے ہو۔ یورپ کو ڈاڑھی منڈاتے دیکھا تم بھی ڈاڑھی منڈانے لگے۔ کرزن وائسرائے بن کر آیا تو اس کی دیکھا دیکھی مونچھیں بھی منڈوا بیٹھے۔ یہ کرزن فیشن اور انگریزی بال یہ الفاظ ہی اس بات کی دلیل ہیں کہ یہ وضع قطع اسلامی نہیں بلکہ غیر اسلامی ہے۔ حضرات انبیاء کرام کا یہ تمدن نہیں ہے بلکہ ان کے مخالفین کا یہ تمدن ہے اور اب تو ہمارے نوجوانوں کی یہ حالت ہو گئی ہے کہ ڈاڑھی کا ذکر کرو تو برا مانتے ہیں ایسے علما کو پرانے خیال کا مولوی بتاتے ہیں لیکن میں تو عرض کیا کرتا ہوں کہ جناب مجھے آپ کی مونچھوں یا ڈاڑھی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ بلکہ مجھے تو آپ کے وقت سے ہمدردی ہے۔ اس شیو کے قصے میں وقت بڑا خرچ ہوتا ہے۔

ڈاڑھی منڈانے کی مشین

اگر آپ یورپ سے کوئی ایسی مشین منگوالیں کہ اسمیں ٹھوڑی دیدی اور تھوڑی دیر میں گھٹ گھٹا کر نکل آئی تو میرے اعتراض کی حیثیت بدل جائیگی۔ آپکو معلوم ہے کہ آجکل وقت کی کسقدر قدر کیجاتی ہے۔ جو لوگ وقت کی قدر نہیں کرتے وہ بدترین سمجھے جاتے ہیں اگر آپ بھی وقت کی عزت کریں اور ایک مشین شیو کیلئے یورپ سے منگالیں اور زیادہ سے زیادہ دو منٹ اس کام میں خرچ کیا کریں تو آپکا وقت بہت بچ جائیگا۔ سُنتے ہیں ایکدفعہ میں سر مونڈنے کی مشین یورپ نے ایجاد کی تھی۔ اسمیں کھوپری گھسادی جاتی تھی جو منڈ کر نکل آتی تھی لیکن ایک دفعہ اُس کا پینچ زیادہ کس جانے سے کسی صاحب کی کھوپری کی کھال ہی اُٹھ گئی جبسے اس مشین کا رواج بند ہو گیا۔ اس قسم کی چیز ہو جایا کرتی ہے آخر تو مشین ہی ہے جب ہی تو ہم کہا کرتے ہیں کہ گراموفون میں قرآن شریف کا بھرنا یا سُننا دوسری چیزوں کے مقابلہ میں بدترین گناہ ہے کیونکہ بسا اوقات یہ مشین بجتے بجتے ایسی بھیانک آواز نکالتی ہے کہ لوگ بیساختہ ہنس پڑتے ہیں جب سوئی موٹی ہو جاتی ہے تو ایسی آواز نکلتی ہے کہ الفاظ بالکل مسخ ہو جاتے ہیں۔ ایکدفعہ مرزا داغ کی مشہور غزل گائی جارہی تھی ؎

دل لے ہی چکے ناز سے شوخی سے ہنسی سے ‎ ‎ اب ان کی بلا آنکھ ملاتی ہے کسی سے

بلا پر پہنچکر مشین خراب ہوئی تو لا۔ لا کو ایسا کھینچا کہ سب لوگ ہنس دئیے اب آپ خیال کیجئے کہ ریکارڈ میں قرآن شریف بھرا ہوا ہو اور فبای الاء ربکما پر مشین بگڑ جائے جیسا کہ ایکدفعہ ایسا ہی ہوا الاء پر مشین خراب ہوئی اور اس نے الاء کو اتنا کھینچا کہ لوگ ہنس پڑے میں جناب سے دریافت کرتا ہوں کہ جو لوگ قرآن شریف پر ہنستے ہیں انکا کیا حکم ہے۔ اور میں دریافت کرتا ہوں کہ کیوں صاحب اب قرآن کا یہ ادب واحترام رہ گیا ہے کہ وہ لہو ولعب اور مزامیر کی مشینوں میں بھرا جانے لگا جبکہ قرآن شریف کو بغیر وضو کے ہاتھ لگانا بھی جائز نہ ہو۔ اس کو کھیل تماشہ کی مشینوں میں بھرنا اور ہر فاسق وفاجر کے ہاتھوں میں اس کا استعمال کیا

یہ کلام الہٰی اور کلام مبین کی توہین نہیں ہے۔ ارے عقلمندو! اللہ تعالیٰ کی پاک کتاب پر استہزاء کرنا یا اس کی توہین کرنا تو کفر ہے۔ آخر تمہاری عقلوں کو کیا ہو گیا ہے۔ اور تمہاری فکر سلیم کو کس نے سلب کر لیا ہے۔

اَلَیْسَ مِنْکُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ کیا تم میں کوئی شخص بھی سمجھدار نہیں ہے۔

مسلمانوں کے تیوہار

میں نے ابھی آپ سے عرض کیا ہے کہ آپکی تہذیب اور آپکی تعلیم اور آپکا کلچر تمام دنیا کی قوموں سے جدا ہے آپ اور تمام باتوں کو جانے دیجئے میں آپ سے صرف اسوقت ایک بات عرض کرتا ہوں آپ نے دنیا کی قوموں کے تیوہار اور میلے تماشے دیکھے ہونگے۔ آپ نے ہولی دیوالی کی سیر کی ہوگی کرسمس ڈے بھی دیکھا ہوگا۔ یہاں پارسی نہیں ہیں ورنہ انکا نوروز بھی آپنے دیکھا ہوتا دنیا کی دوسری غیر مسلم قومیں جو ہندوستان سے باہر آباد ہیں انکے میلے تیوہار کا ذکر بھی آپ اخبارات میں پڑھتے ہونگے۔ تمام قوموں کے تیوہاروں میں کھیل ہے کود ہے گانا بجانا ہے اُچھلنا ہے ناچنا ہے۔ بالخصوص ہولی میں جو کچھ ہوتا ہے وہ تو کسی مسلمان پر مخفی نہیں ہے۔ ہولی کے دن میں تو وہ اودھم مچتا ہے کہ کسی بھلے آدمی کا بازاروں میں چلنا مشکل ہو جاتا ہے رنگ کیوجہ سے ہر شخص کا منہ ایسا خوفناک ہو جاتا ہے کہ دیکھنے سے طبیعت گھبراتی ہے پھر مختلف رنگ کی پچکاریاں جو استعمال کی جاتی ہیں انکا کپڑوں پر جو کچھ اثر ہو جاتا ہے وہ ظاہر ہے بازاروں میں جو کچھ ہوتا ہے وہ بھی آپ سے پوشیدہ نہیں۔

یہی حال دوسری قوموں کے تیوہاروں کا ہے۔ اب میں آپسے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ سال میں آپکے کتنے تیوہار ہیں؟ سال بھر میں مسلمانوں کے صرف دو ہی تو تیوہار ہیں ایک عیدالفطر اور ایک عیداضحیٰ۔ یوں منانے کو آپ پچاس تیوہار منائیں لیکن جب پڑھے لکھے لوگوں میں گفتگو ہوگی، اور آپ سے دریافت کیا جائیگا کہ اللہ اور اس کے رسول نے خوشی منانے کیلئے کتنے تیوہار مقرر کئے ہیں تو آپ کو یہی کہنا پڑے گا کہ صاحب صرف اصلی تیوہار تو دو ہی

ہیں۔ گفتگو تو مذہب کی جب کبھی ہوگی اللہ اور اس کے رسول کا ہی نام لیا جائیگا۔ یا آپکے واطا کا قول حجت میں پیش کیا جائیگا۔ آپ کا کیا ہے آپ تو شب برات کو بھی تیوہار کہتے ہیں۔ آپ تو محرم کو بھی تیوہار کہتے ہیں آپکے نزدیک تو بارہ وفات بھی تیوہار ہے۔ آپکے نزدیک تو آخری چہار شنبہ بھی تیوہار ہے۔ غرض آپکے تو آٹھ دن میں نو میلے ہوتے ہیں۔ آپکے تیوہاروں اور میلوں کا کون ذمہ دار ہو سکتا ہے۔ یاد رکھئے قیامت میں وہی چیز معتبر ہوگی جو اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوگی اور جو رسوم تمہاری خانہ ساز ہونگی وہ تمہارے ہی منہ پر ماردی جائیں گی۔ دنیا میں جب سکہ پر سرکاری مہر نہ ہو وہ بازاروں میں نہیں چلتا اگر میں آپکو ایک کاغذ دوں جو آپکے نوٹ کے کاغذ سے بہترین کاغذ ہو آجکل نوٹ میں تو گدی کا کاغذ استعمال کیا جارہا ہے مگر میں آپکو بہت دبیز اور چکنا کاغذ دیکر کہوں کہ اس کاغذ کے پانچ روپے لے آیئے تو کیا آپ کو کوئی روپے دیدیگا یا آپ کو گرفتار کرکے پولیس کے حوالے کردیا جائیگا؟ اگر بازار میں کوئی کاغذ خواہ کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو بدون گورنمنٹ کی مہر کے نہیں چل سکتا تو قیامت میں کوئی عمل خواہ کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو اگر صاحب شریعت کے اُس پر دستخط نہ ہوں تو کس طرح مقبول ہو سکتا ہے۔

عید اضحی اور عید الفطر

بہرحال جب کبھی شریعت اور صاحب شریعت کا نام آئیگا تو یہ امر تسلیم کرنا پڑیگا مسلمانوں کے مذہب میں خوشی منانیکے دو ہی دن ہیں۔ اچھا اب ذرا ان دونوں کی کیفیت ملاحظہ کیجئے۔ عام دنوں میں تو پانچ وقت کی نماز اور تیوہار کے دن چھ وقت کی نماز۔ یہ لیجئے تیوہار میں ایک دن کی نماز ہی اور بڑھ گئی۔ ابھی صبح کی نماز پڑھ کر آئے تھے کہ کسی نے کہا چلیئے حافظ جی! ارے بھئی کہاں چلیں اس نے کہا آپکو معلوم نہیں آج تیوہار کا دن ہے ایک نماز اور پڑھنی ہوگی۔ غرض غسل کیا کپڑے بدلے خوشبو لگائی اور مسلمان مکان سے تیوہار منانے نکلے۔ اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کسی کے گلے میں ڈھولکی ہے، گا ناہے، بجانا ہے، کسی کے ہاتھ میں پچکاری ہے؟

کسی نے کسی پر گوبر پھینکا؟ کیچڑ اچھالی یا گالی دی؟ رنگ پھینکا؟ بلکہ مسلمان تیوہار منانے نکلا تو اس شان سے نکلا کہ ہر شخص کی زبان پر ہے اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد عیدگاہ پہنچے امام کا انتظار کیا امام صاحب تشریف لائے صف بندی ہوئی اور دنوں کی نماز میں تو ایک ہی تکبیر اور تیوہار کے دن اللہ اکبر اللہ اکبر تین تین تکبیریں اور زائد۔ امام نے کہا اللہ اکبر تو ہزارہا انسانوں نے اپنی کمر اور اپنی پیٹھ خدا کے سامنے جھکا دی اور سبحان ربی العظیم کہنا شروع کیا اور جب اس نے سجدے کی تکبیر کہی تو ہزارہا پیشانیاں معبود برحق کے سامنے خاک پر رکھدی گئیں۔ اور سب نے کہا سبحان ربی الاعلیٰ۔ دیکھا مسلمانوں کا تیوہار اب انصاف سے بتاؤ یہ تیوہار کسی قوم سے ملتا ہے کوئی قوم دنیا کی اتنا مہذب تیوہار مناتی ہے۔ اس روشنی اور تمدن کے زمانے میں جب دنیا کی غیر مہذب قوموں نے اپنی بہت کچھ اصلاح کرلی ہے تب بھی یہ تہذیب کسی کو میسر نہیں ہوئی جب تم اتنی بلند اور عالی مرتبہ تہذیب کے مالک ہو تو تمہارا جوڑ دنیا کی کسی قوم سے کیسے لگ سکتا ہے تم کسی میں جذب ہو سکتے ہو؟ یا تم دنیا کی کسی قوم کے پیچھے چل سکتے ہو؟ یا تم کسی کی رسم اختیار کرسکتے ہو؟ مسلمان اور یورپین فیشن؟ مسلمان اور ہندو تہذیب؟ مسلمان اور ایرانی تہذیب؟ مسلمان اور مصری تہذیب؟ دنیا کو تہذیب سکھانیوالے انسان تجھے خبر ہے کہ تو آج کہاں ہے۔ مسلمان اور تھیٹر۔ مسلمان اور سینما۔ مسلمان اور تماشا۔

اے تماشا گاہ عالم روئے تو — تو کجا بہر تماشا میروی

تم تو دنیا کیلئے خود تماشہ ہو۔ تمہارا تاریخی انقلاب تو ایک ایسا دردانگیز تماشہ ہے کہ جس راہ میں تم بیٹھ جاؤ ہزاروں تماشائی تمہیں دیکھنے کھڑے ہوجائیں۔ اگر اپنی گزشتہ تاریخ تمہیں یاد ہو تو تم خود اس امر کا احساس کرسکتے ہو کہ تم خود ایک مستقل تماشہ گاہ عبرت ہو کیا جو قوم کبھی قیصر وکسریٰ کے خزانوں کی مالک تھی وہ آج روٹیوں سے محتاج نہیں ہے؟ کیا جو قوم کبھی ایشیا اور یورپ کے بہت بڑے رقبے پر حکمراں تھی وہ آج غلام نہیں ہے؟ کیا جو ہزاروں کا

پیٹ بھرا کرتے تھے وہ آج دانے دانے کو محتاج نہیں ہیں۔ کیا مغل بادشاہوں کا تاج آج دوسرے فرمانرواؤں کے سر پر نہیں ہے۔ کیا مسلمان قوم کا یہ شاندار انقلاب اہل عبرت اہل بصیرت اور اولی الالباب کی نظروں میں تماشا نہیں ہے۔ تم تو خود ایک بہت بڑے سینما کی متحرک مگر زندہ تصویریں ہو کاش خدا تم کو سمجھ دیتا اور تم سمجھتے کہ تم کون ہو؟

میرے عزیزو! جس قوم کے تیوہار اور میلے کی یہ شان ہو اور جس قوم کے تیوہاروں میں اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور بلندی کا یہ شاندار مظاہرہ کیا جاتا ہو بھلا اس قوم کی عبادت اور خدا پرستی کا کیا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ خیال کن ز گلستان من بہار مرا۔ غرض میں نے جناب سے دریافت کیا تھا کہ آپ نے گلستاں بھی پڑھی ہے گلستاں میں ایک بہت بڑے پیغامبر نے عالم علوی کی ان خدمات کی طرف اشارہ کیا ہے وہ فرماتے ہیں ؎

برہمہ عالم ہمی تابد سہیل ۔۔۔ جائے انباں میکند جائے ادیم

سہیل جو عالم علوی کا ایک مشہور کرہ ہے اسکے اثرات بتاتے ہیں کہ جب وہ طلوع ہوتا ہے تو یمن کے بعض علاقوں میں لوگ اپنے مکانوں کی چھتوں پر چمڑے کی کھالیں بچھا دیا کرتے ہیں جنہیں اس تارے کی روشنی کا یہ اثر ہوتا ہے کہ ایک قسم کی خوشبو پیدا ہو جاتی ہے اور وہ خوشبودار چمڑا رؤسا اور سرمایہ دار لوگ استعمال کرتے ہیں۔ سہیل تارے کا یہ اثر مشہور ہے ایک طرف اسکی روشنی کا یہ اثر ہے کہ دباغت دیئے ہوئے چمڑے میں خوشبو پیدا کر دیتا ہے اور دوسری طرف اسکا یہ اثر ہے کہ اگر اونٹ اس تارے کو دیکھ لیتا ہے تو مر جاتا ہے۔ حضرت سعدی علیہ الرحمۃ نے عالم علوی کی خدمات کا تذکرہ ایک اور مقام پر بھی کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں ؎

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند ۔۔۔ تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

حضرت سعدی نے کس خوبی کیسا تھ ایک ہی مصرع میں عالم علوی کی اکثر چیزوں کو گنوادیا ہے کیا آپکو معلوم نہیں ہے کہ چاند رطوبت مہیا کرنیکا اتنا ہی ذمہ دار ہے جتنا آفتاب خشکی اور گرمی پیدا کرنیکا ذمہ دار ہے۔ اجی! اتنا تو آپ بھی سمجھتے ہیں کہ دسمبر کے مہینے میں جو حالت تھی وہ آج

جولائی میں نہیں ہر۔ چھ مہینے میں اتنا زبردست انقلاب ہے کہ جب تک چار سیر روئی کا لحاف نہ سمجھیں نہ آئے اور اب یہ کیفیت ہے کہ باریک سے باریک کپڑے بھی جسم کو کھائے جاتے ہیں آخر یہ کس کا اثر ہے؟

عالم علوی اور عالم سفلی کی ان خدمات کا تذکرہ حضرت حق نے قرآن میں بھی فرمایا ہے لیکن تمکو قرآن سے مناسبت کہاں ہر جو میں تمکو قرآن سناؤں۔ چونکہ آجکل بات بات میں یفارمر اور فلاسفر آپکی زبان پر چڑھا رہتا ہے۔ اس لئے میں نے بھی ایک مشہور فلاسفر کی مشہور کتاب کے دو تین شعر آپکو سنا دئے ورنہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ قرآن کریم میں نہایت صراحت کیساتھ موجود ہے۔ عالم علوی کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وسخر لکم الشمس والقمر دائبین[1]	چاند اور سورج کو ایک خاص پروگرام کے
وسخر لکم الیل والنہار (دیکھئے	ماتحت تمہارے کام میں لگادیا ہر اور رات
سورۃ ابراہیم تیرہواں پارہ)	و دن کو تمہارے لئے مسخر کر رکھا ہے۔

جس طرح عالم سفلی کی بعض اشیاء کا اختیار تمہارے قبضے میں دیدیا گیا ہر اس طرح عالم علوی کا اختیار آپکے قبضے میں نہیں دیا ہے کیونکہ اگر سورج کا نکالنا یا غروب کرنا جناب کے قبضے میں دیدیا جاتا تو آپ کسی دن سات بجے کی بجائے آٹھ بجے سورج نکالتے آپ تو آٹھ بجے سوتے ہوئے اٹھتے ہیں۔ اگر خدانخواستہ کسی دن آنکھ لگ جاتی اور طلوع آفتاب میں آدھ گھنٹے کی دیر ہوجاتی تو دنیا میں اندھیر ہوجاتا اس لئے انتظام تو اپنے قبضہ میں رکھا ہر لیکن آفتاب و ماہتاب کام آپکا ہی کررہے ہیں۔ سورہ نحل میں فرماتے ہیں۔

وسخر لکم الیل والنہار والشمس[2]	رات دن اور چاند سورج اور تارے اللہ تعالیٰ
والقمر والنجوم مسخرات بامرہ	کے حکم سے تمہاری خدمات کے لئے مسخر ہیں۔

[1] اور کام میں لگائے تمہارے سورج اور چاند ایک دستور پر اور کام میں لگائے تمہارے رات اور دن

[2] اور کام میں لگائے تمہارے رات اور دن اور سورج اور چاند اور تارے کام میں لگے ہیں اسکے حکم سے

سورۂ یاسین میں ارشاد ہوتا ہے۔

لا الشمس ینبغی لہا ان تدرک القمر ولا الیل سابق النہار۔[1] عالم علوی کے تمام کروں کی تسخیر کا یہ عالم ہے کہ نہ تو سورج چاند کو پکڑ سکتا ہے اور نہ رات کی یہ مجال ہے کہ وہ دن سے آگے بڑھ جائے بلکہ عالم علوی کا ہر کرہ اپنے اپنے محور کے گرد گھومتا رہتا ہے۔

بادل اور ہوا۔ بارش اور اس کے اثرات کا تذکرہ اور ان کی تسخیر و خدمات کا جہاں ذکر کیا ہے اس کو عجیب انداز سے تعبیر فرمایا ہے۔ دوسرے پارے میں ارشاد فرماتے ہیں۔

وتصریف الریح والسحاب المسخر بین السماء والارض۔[2] ہواؤں کا چلنا اور آسمان و زمین کے درمیان بادلوں کا معلق رہنا۔

آٹھویں پارے میں فرماتے ہیں۔

وھو الذی یرسل الریح بشرا بین یدی رحمتہ حتی اذا اقلت سحابا ثقالا سقنٰہ لبلد میت فانزلنا بہ الماء فاخرجنا بہ من کل الثمرات۔[3] حضرت حق جل مجدہٗ کے حکم سے بارش کی بشارت دینے والی ہوائیں چلتی ہیں۔ جب وزنی اور بھاری بھاری بادلوں کو اٹھا لاتی ہیں تو ہم خشک زمینوں پر اس سے پانی برساتے ہیں اور اس پانی کی وجہ سے ہر قسم کے پھل اور کھانے کی چیزیں پیدا کرتے ہیں۔

---

[1] نہ سورج کو پہنچے کہ پکڑ لے چاند کو اور نہ رات آگے بڑھے دن سے۔

[2] اور پھرنا باؤں کا اور ابر جو حکم کا تابع ہے درمیان آسمان اور زمین کے۔

[3] ۔ اور وہی ہے کہ چلاتا ہے بادیں خوشخبری لاتیں آگے اس کی مہر سے یہاں تک کہ جب اٹھا لائیں بدلیاں بھاری ہانکا ہم نے اس کو شہر مردے کی طرف پھر اس میں سے اتارا پانی پھر اس سے نکالے سب طرح کے پھل۔

سورۂ واقعہ کے درمیانی رکوع میں ارشاد فرماتے ہیں۔

افرایتم الماء الذی تشربون ءانتم انزلتموہ من المزن ام نحن المنزلون۔[1]	تم جو پانی پیا کرتے ہو کبھی اسپر غور نہیں کرتے اس پانی کو بادلوں سے تم برساتے ہو یا ہمارے حکم سے برستے ہیں۔

عالم سفلی کے مسخرات

عزیزان ملت! ان آیتوں کے علاوہ قرآن میں بےشمار آیتیں ہیں جو عالم علوی کی تسخیر اور بنی نوع انسان کی خدمات پر دلالت کرتی ہیں کہیں عالم علوی اور عالم سفلی کو ملا کر بیان کیا ہے اور کہیں دونوں کو علیحدہ علیحدہ ذکر کیا ہے مثلاً ایک جگہ فرماتے ہیں۔

الم تروا ان اللہ سخر لکم ما فی السموات وما فی الارض و اسبغ علیکم نعمہ ظاہرۃ و باطنہ۔[2]	کیا تم اسپر توجہ نہیں کرتے کہ ہم نے زمین و آسمان کی تمام اشیاء کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے اور تم پر ظاہری اور باطنی انعامات کی تکمیل کر دی ہے۔ (دیکھئے سورۂ لقمان کا تیسرا رکوع)

ایک جگہ اسی صورت میں ارشاد فرماتے ہیں۔

الم تر ان الفلک تجری فی البحر بنعمت اللہ لیریکم من ایتہ[3]	اے مخاطب دیکھتا نہیں کہ دریاؤں کی تسخیر کے باعث کشتیاں کسطرح دریاؤں میں چلتی ہیں۔

حیوانات کی تسخیر و تذلیل کے لئے سورہ یسین کا آخری رکوع ملاحظہ کیجئے۔ فرماتے ہیں۔

---

[1] بھلا دیکھو تو پانی جو تم پیتے ہو کیا تم نے اتارا اس کو بادل سے یا ہم ہیں اتارنے والے۔

[2] کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کام لگائے تمہارے جو کچھ ہے آسمان و زمین میں اور بھریں تم کو اپنی نعمتیں کھلیں اور چھپیں۔

[3] تو نے نہ دیکھا کہ جہاز چلتے ہیں سمندر میں اللہ کی نعمتیں لیکر کہ دکھائے کچھ تم کو اپنی قدرتیں۔

اولم یروا انا خلقنا لهم مما عملت ایدینا انعاما فهم لها مالکون وذللنها لهم فمنها رکوبهم ومنها یاکلون ولهم فیها منافع ومشارب افلا یشکرون۔	کیا لوگ اس بات پر توجہ نہیں کرتے کہ وہ چوپائے جو ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنائے ہیں ہم نے ان کی ملک میں دیئے ہیں اور ان چوپایوں پر انکا قبضہ کرا دیا ہے اور یہ لوگ جس طرح چاہتے ہیں انکو استعمال کرتے ہیں۔ سواری لیتے ہیں بعض کا گوشت کھاتے ہیں انکا دودھ پیتے ہیں اور مختلف منافع حاصل کرتے ہیں اور باوجود ان احسانات کے ہمارا شکریہ نہیں ادا کرتے۔
سورہ نحل میں ارشاد فرماتے ہیں۔ والانعام خلقها لکم فیها دفء ومنها تاکلون ولکم فیها جمال حین تریحون وحین تسرحون وتحمل اثقالکم الی بلد لم تکونوا بالغیه الا بشق الانفس۔	حضرت حق نے ان چوپایوں کو تمہارے آرام کے لئے پیدا کیا ہے۔ تمہارے لئے عزت کا موجب ہیں تم انپر سامان اور بوجھ لاد کر ایسے ایسے مقامات پر لیجاتے ہو کہ اگر یہ چوپائے نہ ہوتے تو تم کو ان مقامات پر سامان پہنچانے میں سخت دشواری اور صعوبت کا سامنا ہوتا۔

[1] کیا اور نہیں دیکھتے وہ کہ ہم نے بنا دئے انکو اپنے ہاتھوں بنائے سے چوپائے پھر وہ انکے مالک ہیں اور عاجز کر دیا ان کو ان کے آگے پھر انہیں کوئی ہے انکی سواری اور کسی کو کھاتے ہیں اور ان کو ان میں فائدے ہیں اور پینے کے گھاٹ پھر کیوں شکر نہیں کرتے۔

[2] اور چوپائے بنا دئے تم کو ان میں جڑاول ہے اور کتنے فائدے اور بعضوں کو کھاتے ہو اور تم کو ان سے رونق ہے جب شام کو پھر لاتے ہو اور جب چراتے ہو اور اٹھا لے چلتے ہیں بوجھ تمہارے ان شہروں تک کہ تم نہ پہنچتے وہاں مگر جان توڑ کر۔

حضرات! میں دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ یہ گائے یہ بھینس۔ یہ بکری اور اونٹ آپکا کام نہیں کرتے؟ کیا یہ پرند اور چرند آپکی خدمات انجام نہیں دیتے۔ رات کو آپ جانتے ہیں لیکن آپکی بھینس آپ کیلئے رات بھر دودھ تیار کرتی رہتی ہے۔ جب صبح کو آپ اٹھتے ہیں تو اس کے دودھ بھرے ہوئے تھن آپ سے سفارش کرتے ہیں کہ تشریف لائیے اور اپنا لوٹا یا لٹیا ہم سے بھر لیجئے۔ اسی کو حضرت حق نے ارشاد فرمایا ہے۔

وان لکم فی الانعام لعبرۃ نسقیکم مما فی بطونها من بین فرث و دم لبنا خالصا سائغا للشاربین۔

کیا یہ امر کچھ کم تعجب خیز ہے کہ گوبر اور خون کے درمیان سے بہترین دودھ نکالتے ہیں جو پینے والوں کو انتہائی لطف دیتا ہے اور وہ مزے لے لیکر پیتے ہیں۔

پھر ان جانوروں کی تسخیر میں ایک عجیب چیز آپکو نظر آئے گی جسقدر زیادہ طاقت دار جانور ہے اسی قدر اسکی تسخیر سہل ہے۔ گھوڑے کے لئے آپکو لگام کی ضرورت ہے۔ راسوں کی ضرورت ہے۔ ایک طاقت دار کوچوان کی ضرورت ہے جو اس کی شرارت کا مقابلہ کر سکے لیکن اونٹ جو اس سے بڑا جانور ہے اسکی تسخیر کا یہ عالم ہے کہ صرف ایک نکیل کافی ہے۔ ایک بچے کے ہاتھ میں نکیل دیدیجئے وہ سو اونٹوں کی قطار کو بے تکلف لئے چلا جائیگا ہاتھی کو ملاحظہ کیجئے جو سب سے زیادہ طاقتور جانور ہے وہاں نہ نکیل ہے نہ لگام ہے بلکہ وہ با ایں ہمہ ڈیل ڈول کے صرف پاؤں کے اشارے سے چلتا ہے۔ دوڑتا ہے۔ اٹھتا اور بیٹھتا ہے۔ بھینسا اور بیل ایک ناتھ کے ساتھ مسخر کر دئے گئے ہیں۔ غرض کائنات کی جس شئے کی طرف نظر ڈالئے وہ آپکی مطیع و منقاد اور آپ کی ہی خدمت گذار ہے اور اگر جناب کو میری اس رائے سے اتفاق نہیں ہے تو کیا آپ اس کے لئے تیار ہیں کہ ان حیوانات میں سے کوئی

---

١ اور تم کو چوپایوں میں بوجھ کی جگہ ہے پلاتے ہیں ہم تم کو اسکے پیٹ کی چیزوں میں سے گوبر اور لہو کے بیچ میں سے دودھ ستھرا رچتا پینے والوں کو۔

جانور آپ سے واپس کر لیا جائے کیا آپ اس کیلئے آمادہ ہیں کہ گائے آپ چھین لیجائے یا بھینس کی پیدائش بند کر دی جائے۔ یا عالم علوی کا کوئی کرہ چاند یا سورج آپ سے سلب کر لیا جائے۔ لیکن اگر آپ اس کیلئے تیار نہیں ہیں اور یقیناً نہیں ہیں اور آپ تیار بھی کیسے ہو سکتے ہیں جب آپ کی حالت یہ ہے کہ بارش کو ذرا سی تاخیر ہو جاتی ہے تو آپ بلوں بلوں کرنے لگتے ہیں۔ اگر ایک چھوٹی سی چیز بھی آپ سے لے لیجائی تو آپ کو زندگی بسر کرنی مشکل ہو جائے۔

گذارش کا خلاصہ

میرے عزیزو! میری گذارش کا خلاصہ صرف اس قدر ہے کہ جس طرح پروردگار عالم نے یہ تمام اشیاء آپکی تربیت جسمانی کیلئے پیدا کی ہیں اسی طرح آپکی روحانی پرورش اور روحانی تربیت کا بھی سامان مہیا کیا ہے یہ کس طرح ممکن تھا کہ جسم انسانی جو ایک دن یقیناً فنا ہونے والا اور خاک میں ملجانے والا ہے اس کی تربیت کا سامان تو اتنے وسیع پیمانہ پر کیا جائے لیکن رُوح انسانی جو لطیفۂ ربانی ہے اور جملہ امور کی ذمہ دار اور جوابدہ ہے اس کی تربیت و اصلاح کیطرف سے بے اعتنائی برتی جائے۔ ایک موٹی سی عقل کا انسان بھی جانتا ہے کہ جسم کیا ہے' آنیوالی موت کا ایک لقمہ ہے جسم اُس تیر کا ایک ہدف اور نشانہ ہے جو موت کی خاموش کمان سے بلاتعیین وقت نکلتا ہے اور بے خطا ہو کر نکلتا ہے جب روح کا تعلق جسم سے منقطع ہو جاتا ہے تو کوئی اس جسم کو نذر آتش کر دیتا ہے۔ کوئی پیوند خاک بنا دیتا ہے۔ اور کوئی اس جسم کو چیلوں اور گدھوں کی خوراک بنا دیا کرتا ہے۔ بہرحال ایک عزیز سے عزیز اور محبوب سے محبوب انسان کو بھی مرنے کے بعد کوئی گلے سے لگا کر نہیں رکھتا۔ اگرچہ ہمارے ہاں کی بعض جاہل عورتیں کہا کرتی ہیں کہ ذرا دنیا کی ہوا کھا لینے دو۔ جب لوگ جلدی کرتے ہیں کہ لاؤ میت کو دو قبرستان لیجانے میں تاخیر ہو رہی ہے تو یہ کہا کرتی ہیں اَے ہے کیا جلدی پڑی ہے ذرا دنیا کی ہوا تو کھا لینے دو۔ لیکن

ان عورتوں کو اسلام کی تعلیم کا کیا پتہ ہے۔ عورتیں تو عورتیں ہیں تو عرض کرتا ہوں مردوں کو بھی اسلامی تعلیم کی خبر نہیں۔

دفن میں تعجیل

صاحبو! اس جہالت کا برا ہو۔ شریعت نے جہاں تعجیل کا حکم دیا ہے وہاں اتنی تاخیر کرتے ہیں کہ بعض مردوں کو چوبیس اور چھتیس گھنٹے کے بعد دفن کرتے ہیں۔ اول تو کسی کا دم نکلا اور رونا شروع ہوا۔ جو ڈولی آ کے اتری اماں عورتوں نے گلے لگ کر رونا اور بیان کرنا شروع کیا۔ ابھی آپا سے گلے لگ کر روئیں تھوڑی دیر میں اماں کی ڈولی آئی ان سے گلے لگ کر روئیں پھر بھابی آئیں ان سے گلے لگ کر روئیں تین چار گھنٹے تو رونے میں گذرے اور جو کسی کا مغرب کے وقت دم نکلا تو رات بھر کا رونا سمجھئے۔ چار پانچ گھنٹے گذرنے کے بعد تجہیز و تکفین کی فکر ہوئی۔ پانی گرم ہوا۔ کفن کا کپڑا آیا۔ نئے مٹکے اور نئی ٹھلیاں کوری بدھنیاں منگائی گئیں۔ گھر کے برتن بھلا مردے کے کام میں کس طرح استعمال ہو سکتے ہیں۔ تین چار گھنٹے اس میں لگ گئے۔ اب نہلانے والا یا نہلانے والی نہیں ملتی۔ کچھ تو خیر سے ایسے ہیں جنکو اپنا بھی غسل کرنا نہیں آتا وہ مردے کو کیا نہلائیں گے جو مہینہ مہینہ بھر جنبی ناپاک پھرتے ہوں وہ میت کے غسل سے کیا خاک واقف ہونگے۔ رہے نمازی مسلمان جنکو غسل آتا ہے اور جو پاک و صاف رہا کرتے ہیں ان سے کہو کہ میت کو غسل دیدیجئے تو وہ فرماتے ہیں بھائی میت کا معاملہ ہے کوئی اُنیس بیس ہو جائے اور ہم گناہ میں پکڑے جائیں اب غسال کا انتظار ہو رہا ہے خدا خدا کر کے نہلانے والا دستیاب ہوا، اور پورے آٹھ دس گھنٹے میں جنازہ تیار ہوا۔ اب جو حضرات جنازہ لیکر چلے ان کی سنیئے ذرا کسی نے قدم بڑھایا اور آوازیں آنی شروع ہوئیں بھائیوں آہستہ آہستہ۔ غرض آہستہ آہستہ قبرستان پہنچے اگر قبر کو پہلے سے کہلا بھیجا تھا تو خیر ورنہ تین چار گھنٹے گورکن نے لگا دیئے اور اس طرح کم از کم پندرہ گھنٹے میں آپ کا مردہ دفن ہوا۔ کاش تم کو معلوم ہوتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کی تعلیم اس معاملہ میں کس قدر صاف ہے۔ حضور فرماتے ہیں۔

اذا مات احد کم فلا تحبسوہ — جب کسی شخص کا انتقال ہو جائے تو اسکو روکا مت

واسرعوا بہ الی قبرہ۔ — کرو بلکہ اس کو اسکی قبر تک پہنچانے میں جلدی کیا کرو۔

بعض روایتوں میں ہے مُردوں کے دفن میں تعجیل کیا کرو۔ اگر مرنے والا نیک ہے تو اسکو اسکی نیکی سے فائدہ اُٹھانے کا موقع دو اور اگر مرنے والا بُرا ہے تو اسکو اپنے کندھوں سے اُتار کر پھینکو۔ شریعت کی اسپرٹ جہاں تعجیل کی ہے وہاں جناب کیضرورت سے زیادہ تاخیر کیا شریعت کی کُھلی ہوئی مخالفت نہیں ہے۔ ایک سنن کا کیا رونا ہے اور یہی جناب کا کونسا معاملہ درست ہے۔ اسی میت کے سلسلے میں جن بدعات و منہیات کا ارتکاب ہوتا ہے افسوس کہ ان کے بیان کا موقع نہیں ہے۔ بہرحال جسم ایک ایسی چیز ہے کہ اسکا خاک میں ملنا یقینی ہے، اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

کفار کا شبہ صاحبو! یہی تو وہ مسئلہ ہے جو شریعت اسلامی میں نہایت اہم ہے کفار نے ہمیشہ اس مسئلہ پر شبہات پیش کئے ہیں اور قرآن کریم نے انکا نہایت مسکت اور مدلل جواب دیا ہے۔ یہ جسم انسانی کا فنا ہو جانا اور خاک میں ملجانا اور قیامت میں دوبارہ انسان کا پیدا ہونا ایسا معرکتہ الآرا مسئلہ ہے کہ تمام دنیا کے کافر ایک طرف ہیں اور انبیاء علیہم السلام ایک جانب ہیں۔ انبیاء اس امر کا اعلان کرتے ہیں کہ انسان کو دوبارہ پھر زندہ ہونا ہے۔

کما بدأنا اول خلق — جس طرح پہلی مرتبہ انسان کو پیدا کیا ہے جیسے

نعیدہٗ۔ — اسی طرح اس کا اعادہ کریں گے۔

کفار مکہ جو کچھ کہتے تھے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب جسم زمین میں مل گیا اور ہڈیاں بدن کی ریزہ ریزہ ہو گئیں پھر ان کو کون زندہ کرے گا۔ اور انسان کیسے پیدا ہو جائے گا۔

من یحیی العظام وھی رمیم[5] — ہڈیوں کے ریزہ ریزہ ہوجانے کے بعد کون زندہ کرے گا۔
(دیکھئے سورہ یٰسین کا آخری رکوع)

ائذا کنا عظاما نخرۃ قالوا تلک اذا کرۃ خاسرۃ۔[6] (والنزعات کا پہلا رکوع) — ہڈیوں کے گل جانے اور کھوکھلی ہوجانے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ایک لغو بات ہے۔

ان کی سمجھ میں یہ نہیں آتا تھا کہ مرکر کس طرح زندہ ہو سکتے ہیں چنانچہ الم سجدہ میں ان کا اعتراض ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

ائذا ضللنا فی الارض ائنا لفی خلق جدید۔ — کیا جب ہم زمین میں رل مل گئے تو کیا پھر ہم کو کوئی نئی زندگی ملنے والی ہے۔

عرب کا محاورہ ضل الماء اللبن۔ پانی دودھ میں اس طرح رل گیا کہ اب اس کا تلاش کرکے علیحدہ کرنا مشکل ہے۔ اسی لئے عام طور سے یہ لفظ گمراہی کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ حق و باطل کا ایسا التباس کہ حق کو باطل سے جدا نہ کیا جا سکے تو یہی گمراہی ہے کفار کا شبہ آپ کی سمجھ میں آگیا کہ جب جسم فنا ہوگیا اور خاک کا جز بن گیا تو اب پیدا ہونے کی کیا صورت ہوگی؟ قرآن نے جواب دیا ہے۔

قل یتوفکم ملک الموت الذی وکل بکم ثم الی ربکم ترجعون۔ — آپ انسے کہدیجئے کہ تمکو تو موت کا فرشتہ قبض کرلیتا ہے جو اسی کام کے لئے مقرر کیا گیا ہے پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

بظاہر اس جواب میں کفار کے اعتراض کے ساتھ کوئی مناسبت معلوم نہیں ہوتی۔ لیکن حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس آیت پر حاشیہ لکھتے ہیں حضرت شاہ صاحب

---

[5] کون زندہ کریگا ہڈیوں کو جب کھوکھری ہوگئیں۔
[6] کیا جب ہم ہوچکیں ہڈیاں کھوکھری بولے تو تو یہ پھر آنا ہے ٹوٹے کا۔

کا ترجمہ اور حاشیہ در اصل دونوں الہامی ہیں۔ آجتک اتنے ترجمے بے محاورہ اور با محاورہ لکھے گئے لیکن واقعہ یہ ہے کہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے بہتر ابتک کوئی ترجمہ نہیں ہوسکا افسوس اسکا ہے کہ شاہ صاحب کے زمانے کی زبان اب باقی نہ رہی اور زبان کو قرار کہاں ہے اُردو زبان تو روز گردش میں بدلتی رہتی ہے۔

اُردو زبان کی تبدیلی

حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ کے زمانے کی اُردو دلی کے زمانہ میں نہ تھی، اور دلی کی اُردو ذوق کے زمانہ میں نہ رہی، اور ذوق کی اُردو اس زمانے میں کوسوں دور گئی۔ لوگ تو دلی کو اُردو کا پہلا شاعر سمجھتے ہیں لیکن میں حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ کو ہندوستان کا پہلا شخص سمجھتا ہوں کہ جنہوں نے بھاشا میں فارسی اور عربی کا پیوند لگا کر اُردو شاعری کی طرح ڈالی۔ ولی نے بیشک اس کو قدرے تہذیب کیا۔ لیکن اس ڈھنگ کی ابتدا حضرت خسرو نے کی۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اپنے موضوع سے دور چلا جاؤنگا ورنہ میں آپ کو بتاتا کہ حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ کا اُردو زبان پر کسقدر احسان ہے۔ میں نے گذشتہ ایجوکیشنل کانفرنس کے موقع پر اپنی تقریر میں اُردو کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا کہ زبان کی تبدیلی کا یہ عالم ہے کہ پچاس برس میں کہیں سے کہیں پہونچتی ہے۔ تخیل ایک ہی ہوتا ہے مگر زبان مختلف ہو جاتی ہے۔ مثلاً حضرت مسیح اور حضرت خضر کی زندگی کے متعلق استاد میر تقی فرماتے ہیں ؎

لذت سے نہیں خالی جانوں کا کھپا جانا
کب خضر و مسیحا نے مرنے کا مزہ جانا

دیکھئے استاد نے کس خوبی سے مرنے والوں کی طرف سے نہ مرنے والوں کو الزام دیا ہے اور حضرت مسیح و خضر کی زندگی کو بے لطف و بے مزہ بتایا ہے۔ اور کیسی پاکیزگی اور شستگی سے موت کو زندگی پر ترجیح دی ہے۔ اسی مضمون اور اسی تخیل کو پچاس سال کے بعد استاد ذوق اپنی زبان میں ادا کرتے ہیں اور میں نے استاد اس لئے کہا کہ سلطنت مغلیہ کے

آخری تاجدار اپنی غزل انھی ذوق سے درست کرایا کرتے تھے۔ وہ آخری تاجدار جنکی قبر بھی ہماری بزدلی اور نالائقی کے ہاتھوں ہندوستان میں نہ بن سکی جو کبھی فاتحہ ہی پڑھ لیا کرتے۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کو غالب مرحوم کے ساتھ دلچسپی ہے اور مجھے ذوق کے ساتھ یہ بات دوسری ہے۔ خدا کی شان ہے دنیا بھی کیسی مردہ پسند ہے غالب کی زندگی میں تو انہیں چیستان گو کہا کرتے تھے۔ لیکن ان کی وفات کے بعد ان کے کلام کو کس قدر مقبولیت حاصل ہوئی۔ مرزا صاحب کے دیوان کی کس قدر شرحیں لکھی گئی ہیں اور دیوان جرمنی میں کس قدر خوشنما چھاپا گیا۔ اس سلسلے میں عبدالرحمٰن مرحوم کا نام بار بار زبان پر آتا ہے۔ خدا اس کی مغفرت کرے اس نے کس قدر محنت اور جانفشانی سے اس خدمت کو انجام دیا۔ آپ کی مردہ پسندی کو داغ نے خوب لکھا ہے ؎

ہزار شکر کہ مردہ مرا پسند ہوا　　　ہزار شکر کہ دنیا نے قدردانی کی

بہرحال جس تخیل کو استاد ذوق نے اس زمانے کی زبان میں ادا کیا تھا اسی تخیل کو استاد ذوق یوں ادا کرتے ہیں ؎

مزے جو موت کے عاشق بیاں کبھو کرتے　　　مسیح و خضر بھی مرنے کی آرزو کرتے

دیکھئے خیال وہی ہے لیکن زبان کہاں پہنچی۔ وہ کھپا جانا اور مزہ جانا اس میں بالکل نہیں ہے لیکن کبھو موجود ہے۔ اور کبھو کا قافیہ آرزو کے ساتھ باندھا گیا ہے۔ اور پچاس برس آگے بڑھئے ڈاکٹر اقبال فرماتے ہیں ؎

تجھے کیا بتائیے ہمنشیں ہمیں مرتے ہیں جو مزہ ملا　　　نہ ملا مسیح و خضر کو بھی وہ نشاط عمر دراز میں

دیکھئے خیال وہی ہے موت کو زندگی پر ترجیح، مرنیوالوں کی تعریف، نہ مرنے والوں پر بے مزہ رہنے کا الزام مگر آپ نے دیکھا زبان کتنی بلند ہوگئی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ استاد میر کا شعر اردو کا نہیں ہے بلکہ کسی اور زبان کا ہے۔ یا یوں کہئے کہ ڈاکٹر اقبال کا شعر کسی اور زبان میں لکھا گیا ہے۔ جس طرح زبان کی تبدیلی کا اثر آپ نے نظم میں دیکھا یہی حال نثر کا آج

شاہ صاحب کا ترجمہ سمجھا نہیں جاتا لیکن اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس جیسا ترجمہ اب تک کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ یوں تو حضرت شاہ صاحب کے خاندان کا تمام ہندوستان پر اس قدر احسان ہے کہ اس کا شکریہ ادا نہیں ہو سکتا۔ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے علمی احسانات کا کون انکار کر سکتا ہے۔ لیکن قرآن شریف کے تراجم اور خاص موضح القرآن تو ایسی چیزیں ہیں کہ ان کو تو الہامی سمجھنا چاہیئے۔ مولانا شاہ رفیع الدین صاحب کا ترجمہ اگرچہ لفظی ہے اور مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا ترجمہ بامحاورہ ہے لیکن سچ یہ ہے کہ دونوں ترجمے لاجواب ہیں اگر یہ بزرگ قرآن کی خدمت نہ کرتے تو شاید آج مسلمان قرآن کا ترجمہ بھی نہ جانتے۔ بہرحال میں عرض کر رہا تھا بظاہر کفار کے اعتراض اور قرآن کے جواب میں کوئی مناسبت نہیں معلوم ہوتی۔ کفار کو اس میں شبہ ہے کہ جسم کے خاک ہو جانے کے بعد نشأۃ ثانیہ کیونکر ہوگی اور قرآن جواب دیتا ہے کہ تمکو ملک الموت قبض کر لیتا ہے۔ یہ قول اس اعتراض کا جواب کس طرح ہو سکتا ہے۔ حضرت شاہ صاحب اس آیت پر منہیہ لکھتے ہیں۔ فرماتے ہیں یعنی "تم آپ کو دھڑ سمجھتے ہو کہ خاک میں مل گئے تم جان ہو وہ فرشتہ لے جاتا ہے فنا نہیں ہو جاتے ہو"

دیکھا آپ نے حضرت شاہ صاحب نے چند الفاظ میں کس خوبی کیسا تھ اعتراض اور جواب میں مناسبت پیدا کر دی۔ اور یہ بتا دیا کہ تم جسم نہیں ہو تم تو جان ہو اور جان موجود ہے وہ جہاں بھی موجود ہو۔ اسی مضمون کو سلطان الاولیا خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے ایک شعر میں ظاہر کیا ہے فرماتے ہیں ؎

تن چو از خاک است او را خاک میباید شدن　　جاں ز افلاک است بر افلاک میباید شدن

برادران ملت! جب آپ حضرات کے جسم کی تربیت اور پرورش کیلئے خلاق عالم نے اس قدر سامان کیا ہے تو کیا وہ جان جو فنا نہیں ہوتی اور جس کی اصلاح پر عالم آخرت اور حیات ثانیہ کے اطمینان کا دارومدار ہے اس سے رب العالمین بے اعتنائی

فرما سکتے تھے؟

مرض کی دو قسمیں

دیکھئے ایک بیماری تو جسم کی ہے جس میں آپ روز مبتلا ہوتے ہیں۔ کبھی بخار ہے کبھی نزلہ کبھی نمونیہ ہے، کبھی دق اور سل ہے۔ غرض صدہا قسم کے امراض ہیں اور ان امراض میں روزبروز اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے۔ آجکل سنا جاتا ہے گردن توڑ بخار نکلا ہے۔ اگر یورپین تہذیب کا کچھ دنوں اور دنیا میں تسلط رہا تو نہ معلوم ابھی کتنے امراض پیدا ہونگے۔ جسقدر عقل انسانی ترقی کرتی جاتی ہے اسی قدر قدرت بھی اپنی قوت کا مظاہرہ کرتی رہتی ہے۔ بہرحال ان امراض جسمیہ سے تو آپ بخوبی واقف ہیں اور ان کا تدارک بھی بڑی کوشش سے آپ کیا کرتے ہیں۔ آپ جب کبھی کسی مرض میں مبتلا ہوجاتے ہیں تو بہترین ڈاکٹر اور اطباء کا مشورہ حاصل کرتے ہیں تاکہ آپ کو صحت میسر ہوجائے حالانکہ آپ جانتے ہیں جسم کو ایک دن ضرور موت آنی ہے لیکن پھر بھی جس قدر ممکن ہوتا ہے آپ اس کو بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جسم کے مرض کا علاج حکماء اور اطباء کے تجربات پر موقوف ہے۔ جس طرح یہ جسمانی امراض ہیں ٹھیک اسی طرح روحانی امراض بھی ہیں۔ جسمانی امراض کا انجام موت ہے اور روحانی امراض کا انجام عالم آخرت کے اطمینان سے محرومی اور نامرادی ہے۔

میں دریافت کرتا ہوں کہ جس قدرت نے جسمانی امراض کیلئے ہزارہا قسم کی دوائیں پیدا کی ہیں اور صدہا قسم کی جڑی بوٹیاں مہیا کی ہیں تو کیا اس قدرت نے آپکی روح کے علاج سے تغافل برتا ہوگا؟ کس طرح ممکن ہے کہ جسم خاکی کی صحت وتندرستی کا تو اس قدر اہتمام ہو اور لطیفہ ربانی کی اصلاح کا کوئی انتظام نہ کیا جائے۔

روحانی اطباء

حضرات! جس طرح جسمانی امراض کا علاج کرنے کیلئے سابقہ اور موجودہ اطباء ہیں اسی طرح روحانی امراض کا علاج کرنے

کے لئے جس گروہ یا جس شخص کا انتخاب ہوتا ہے اس کو نبی یا پیغمبر کہتے ہیں۔ آپ روحانی طبیب بھی کہہ سکتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ اپنی مخلوق میں سے کسی ایک بندے کا انتخاب کرلیتا ہے اور اس کو روحانی تربیت و اصلاح کا سامان دیکر خلق کی ہدایت کیلئے اس عالم میں بھیجتا ہے وہ خدا کا فرستادہ ہوتا ہے اور اس کا کام یہی ہوتا ہے کہ خدا کی مخلوق کو غلط راستے سے بچاکر سیدھی راہ پر لے چلے۔ وہ روحانی امراض سے محفوظ رکھنے کیلئے دوا بھی بتاتا ہے اور پرہیز بھی۔ وہ ایسی ہدایتیں دیتا ہے جس پر عمل کرنے سے خدا کی مخلوق روحانی امراض میں مبتلا ہونے سے محفوظ رہتی ہے۔ اور روحانی موت سے بچ جاتی ہے وہ تمام طب روحانی کا ماہر ہوتا ہے۔ اسکی تجویز و تشخیص خطا اور غلطی سے پاک ہوتی ہے وہ اپنے نسخہ میں تبدیلی نہیں کیا کرتا وہ اذعان و یقین کا مجسمہ ہوتا ہے وہ جو کچھ کہتا ہے اسکا کہا ظن اور تخمین پر مبنی نہیں ہوتا بلکہ حق و یقین پر قائم ہوتا ہے۔ اسکی رائے تجربات کی مرہون منت نہیں ہوتی۔ وہ پہلی دفعہ نسخہ لکھتا ہے اور اس پر اتنا یقین رکھتا ہے کہ زمین آسمان ٹل جانیکا امکان ہوسکتا ہے لیکن اس کے نزدیک اسکی رائے میں غلطی کا امکان نہیں ہوسکتا۔

رسول کا مفہوم

حضرات! میں آجکل دیکھتا ہوں کہ ہمارا تعلیم یافتہ طبقہ جو یورپ کی تقلید کو اپنے لئے مایہ ناز سمجھتا ہے ہر بات میں یورپ کے پیچھے جارہا ہے۔ جو مسلمان کبھی اقتدار پرست نہ تھے وہ بھی آج اقتدار پرستی کے دیوتا پر قربان ہوگئے۔ ہزار برس ہندوستان میں آئے ہوئے ہوگئے۔ آجتک تم نے ہندو تہذیب کو اختیار نہیں کیا کیونکہ سیاسی اقتدار تمہارے ہاتھ میں تھا۔ ہندو محکوم تھے لیکن انگریزوں نے سو برس کے اندر ہی اندر تمہاری تہذیب کو غارت کردیا۔ ہزارہا مسلمان ڈاڑھیاں منڈوانے لگے اور ہزاروں کوٹ پتلون کو اپنا لباس بنا بیٹھے۔ دیکھا تم نے اقتدار پرستی کا تماشا ہزار برس میں جو نقصان تمہارے کلچر کو نہ پہنچا تھا وہ انگریزوں کی بدولت سو برس میں پہنچ گیا۔ میں تو اسی لئے کہا کرتا ہوں کہ قیمت دنیا میں سیاسی

اقتدار کی ہے جس قوم کا سیاسی اقتدار نہیں اس کی کوئی قیمت نہیں۔ خدا کی شان دیکھیے جس قوم نے دنیا کی بدتہذیبیوں کو مٹا کر اسلامی تہذیب کی تعلیم دی تھی وہ قوم آج خود یورپین تہذیب کی نذر ہوگئی۔ اس سے بڑھ کر تمہاری بدقسمتی کیا ہوگی۔ تم نے تو ہمیشہ قوموں کے اقتدار کو ٹھکرایا ہے۔ تم کب سے اقتدار پرستی کی لعنت میں مبتلا ہوگئے آج تمہاری یہ حالت ہے کہ استعمار پسندوں کے دیئے ہوئے ٹکڑوں پر فخر کرتے ہو۔

پچیس فیصدی ملازمتیں

میں دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ گورنمنٹ کے ہوم ڈیپارٹمنٹ کا یہ اعلان کہ مسلمانوں کے لئے پچیس فیصدی ملازمتیں محفوظ کر دی جائیں گی کچھ بہت زیادہ خوش آیند ہے؟ کیا اس اعلان سے مسلمانوں کا فاقہ دُور ہو جائیگا۔ اور قومی مصیبت کا خاتمہ ہو جائے گا؟ اول تو مرکزی حکومت کے محکموں میں ملازمین کی نسبت ہی کیا ہے پھر اس نسبت میں جو غالباً ایک فی صدی سے کچھ زائد ہوگی جناب کا چوتھائی حصہ پھر یہ چوتھائی حصہ بھی اینگلو انڈین کے صدقہ میں جب نو فیصدی کے قریب اینگلو انڈین کو حق مل گیا تو جناب کو اپنی تعداد کے موافق دینے کا وعدہ کیا گیا۔ سبحان اللہ اس قناعت آمیز سخاوت پر رجعت پسندوں کا فخر و مباہات اور تنگ ظرف ہندوؤں کی چیخ و پکار۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

بنگال کونسل میں جب یورپین کو دس فیصدی نشستیں مل گئیں تو جناب کی بھی چالیس کی اڑتالیس ہوگئیں اور جب نو فیصدی ان کو ملازمتیں مل گئیں تو جناب کو بھی پچیس فی صدی یعنی روٹی کا چوتھائی ٹکڑا بخشدیا گیا۔ تم نے اپنی اوقات دیکھی اس مہربانی کے زمانے میں بھی انگریزوں نے جو کچھ دیا وہ اپنی برادری کے صدقہ میں دیا اور دلیل کیا معقول دی کہ اینگلو انڈین کو اس وقت بھی چونکہ

آٹھ فیصدی ملا ہوا ہے اس لئے یہی ان کا حق ہونا چاہئیے۔ اگر یہ ملا ہٹا یا مل جانا ہی کوئی غاصبانہ حق کی دلیل ہوسکتی ہے تو ہندوؤں کے حق میں یہ دلیل کیوں نہیں چلتی رجعت پسند مسلمانوں کی ذلیل ذہنیت کو ملاحظہ کیجئے کہ اس ذلت آمیز اعلان پر کس قدر خوش ہیں کہ پھولے نہیں سماتے۔

کوئی ان سے یہ نہیں پوچھتا کہ ارے گورنمنٹ نے کونسی حاتم کی قبر پر لات ماردی جو تم اس اعلان پر خوش ہو رہے ہو۔ تم اس نالائق گورنمنٹ سے اتنا نہیں دریافت کرسکتے کہ مائی باپ تم سو سال سے ہندوستان پر حکومت کر رہے ہو۔ کیا آجتک تم کو معلوم نہیں تھا کہ مسلمانوں کے حق کس طرح پامال کئے جارہے ہیں۔ تمہارے عہد حکومت میں ایک پوری قوم تباہ کی جارہی تھی اور تمہارے کان پر جوں نہیں چلتی تھی۔ سو برس سے وہ قوم جسکا تم نے ملک چھینا تھا برباد ہو رہی تھی ملازمتوں میں اسکا حق غصب کیا جارہا تھا زمینداریاں اسکی نیلام ہو رہی تھیں۔ جھوٹے مقدمات کا وہ شکار ہو رہی تھی۔ اِس قوم کے بچے فاقوں سے مر رہے تھے لیکن تمکو خبر تک نہ ہوئی تمہاری سو سالہ حکومت میں جب مسلمان قوم موت کے قریب پہنچ گئی اور اس کے مرنیکا زمانہ قریب آگیا تو تم دوا تجویز کرنے اُٹھے۔ تم سے کون زیادہ نالائق حکمراں ہوسکتا ہے کہ جس کے ملک کی مینارٹی میجارٹی کے ہاتھوں تباہ کی جارہی ہو اور وہ میجارٹی کے ہاتھوں میں کٹ پتلی بنا ہوا ہو۔ اور آج بھی انگریزوں کو ہمارے حق کا خیال اس لئے نہیں آیا کہ ہماری تباہی سے اس کے دل میں رحم آگیا ہے۔ بلکہ اسے وائٹ پیپر کی ہم سے حمایت کرانی ہے اس لئے وہ یہ ہڈیاں ہماری طرف پھینک رہے ہیں تاکہ بقول مسٹر جناح ہم اس سفید ہاتھی کے ہاتھوں اپنی ملک کی موت پر دستخط کردیں اور اسمبلی میں پوری طاقت کے ساتھ ہم انگریزوں کی حمایت کریں۔

تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو اگر تم کو غیرت ہو تو جاؤ جہنا قریب ہے

اس میں ڈوب مرو۔ تمکو شرم نہیں آتی آخر کہاں تک حکومت کے آلہ کار بنو گے۔ اگر ملک سے غداری ہی کرنی ہے تو کچھ لیکر تو کرو تاکہ آنے والی نسلیں اگر تم پر رحمت نہ بھیجیں تو لعنت بھی نہ بھیجیں یہ پچیس فیصدی کیا ہے۔ یہ تو پورا حق بھی نہیں ہے کیا اسیر ملک فروخت کرو گے۔ اور میں تم سے کہے دیتا ہوں کہ جس دن یہ پچیس فیصدی حاصل کر لو گے اس دن جو جرمانہ کہو گے وہ ادا کروں گا۔ ایسے سرکلر تو بہت سے ردی کی ٹوکری میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان میں ایک یہ بھی سہی۔ دو چار سال نقشوں کی خانہ پری کا تماشہ بھی دیکھ لو۔ اور اس پچیس کا جو نقصان لوکل باڈیز میں مسلمانوں کو پہنچے گا اس کا تم کو ابھی تصور نہیں ہے۔ ان مفروضہ اور رشوت آمیز اعلانات کا امتحان تو تم کو وائٹ پیپر کی تائید کے بعد معلوم ہوگا حکومت کا بہت سا کام تو تم کر چکے ہو تھوڑا سا کام اور باقی ہے۔ وائٹ پیپر کی تائید اور کروا اسکے بعد میں جناب سے آپ کی قیمت دریافت کرونگا۔ کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ انگریزوں کی تاریخ میں وفاداروں کے ساتھ کیا سلوک ہوتا رہا ہے؟ خیر صاحب میں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ ہمارے نوجوانوں کو یورپ کی تقلید اور اتباع کا ایسا شوق ہوا کہ وضع قطع تو بدلی ہی تھی اب پیغمبر کا مفہوم بھی بدل دیا۔ چونکہ یورپ ریفارمر۔ فلاسفر گائڈ وغیرہ کے الفاظ بولتا ہے تم بھی اپنے پیغمبر کو یہی سمجھ بیٹھے کہ وہ ایک قسم کے ریفارمر یا فلاسفر یا پرافٹ تھے۔ لیکن مجھے افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ انبیا علیہم السلام کی حیثیت اس سے بالکل جداگانہ ہے۔ نہ وہ گائڈ ہیں نہ وہ فلاسفر ہیں نہ وہ ریفارمر ہیں۔ نہ وہ پرافٹ ہیں نہ وہ اوتار اور لیڈر ہیں بلکہ وہ تو پیغمبر ہیں یعنی فرستادہ خدا۔ وہ تو اللہ تعالے کیطرف سے منتخب اور مقرر کر کے بھیجے جاتے ہیں تاکہ لوگوں کی ہدایت کریں اور قوم کو خدا کی مرضی سے آگاہ کریں۔ اگر کوئی لفظ کسی زبان کا اس مفہوم کو ادا کرتا ہو تو بتائیے دنیا کی تمام قومیں نبوت کے مفہوم سے ناآشنا ہیں وہ صرف ریفارمر اور فلاسفر وغیرہ

تو جانتی ہیں لیکن نبی اور رسول کا وہ مفہوم جو میں عرض کر رہا ہوں اس مفہوم سے تمام دنیا نا آشنا ہے۔

ریفارمر اور رسولؐ کا فرق

ریفارمر کی رائے غلط ہوسکتی ہے فلاسفر کی عقل غلط رہنمائی کرسکتی ہے۔ طبیب کا تجربہ غلط ہوسکتا ہے۔ لیکن نبی یا رسول جو کچھ کہتا ہے وہ اپنی آنکھ سے دیکھکر کہتا ہے۔ اسی وجہ سے اس کے کلام میں زور ہوتا ہے۔ اس کو اپنے قول پر پورا یقین ہوتا ہے، وہ کہتا ہے اور نہایت ہی اطمینان کے ساتھ کہتا ہے۔

هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ میری راہ یہ ہے کہ میں اللہ کی طرف سمجھ بوجھکر بلاتا ہوں۔

یہ علیٰ بصیرۃ سوائے پیغمبر کے دوسرا نہیں کہہ سکتا۔ فلاسفر کی رائے کا حال تو یہ ہے کہ شاید انکے کسی مسئلہ پر سو برس گذرتے ہوں ورنہ بہت سے مسئلے تو خود انکی زندگی میں غلط ہوجاتے ہیں اور نہیں تو مرنیکے بعد تو شاید ہی کسی کا خیال باقی رہتا ہو آپکو یاد ہوگا عرصہ سے یورپ کے سلسلے منسلک مریخ میں نہریں اور ریلیں دیکھ رہے تھے جو دوربین لگاتے تھے اس سے مریخ میں انکو آدمی چلتے پھرتے نظر آتے تھے اور یہ بھی نظر آتا تھا کہ وہ زمین کے رہنے والوں کو بات چیت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں پچاس ساٹھ برس تک دنیا کو یہی دھوکہ دیتے رہے اب کہتے ہیں وہ نشان تھے جنکو نہریں سمجھ لیا گیا۔ آپکے ڈارون نے بہت سی کھوپریاں دیکھکر یہ نظریہ قائم کیا کہ انسان پہلے بندر تھا ترقی کرتے کرتے آدمی بن گیا اور یہ بھی ممکن ہے کل کچھ اور بن جائے کیونکہ ارتقا کا دروازہ ابھی بند نہیں ہوا ہے۔ لیکن بہت سے لوگ اس نظریہ کے مخالف ہیں اور یہ ممکن ہے کہ خود ڈارون کے معتقد آگے چلکر اس نظریہ کے مخالف ہو جائیں اور بعض کھوپریاں ایسی دستیاب ہوجائیں جن سے یہ نظریہ بالکل غلط ہوجائے چند ہڈیوں کو ملا کر قیاس کر لینا اصل حقیقت کو مستلزم نہیں ہے پچھلے دنوں کا واقعہ ہے سکول

کے بعض لڑکوں نے شرارت کی تھی۔ ایک بکری کی ہڈی چاقو سے باریک چھیل کر ان لوگوں کی خدمت میں پیش کر دی جو پرانی ہڈیوں پر غور کیا کرتے ہیں اور یہ کہا کہ یہ ہڈی ہم کو فلاں جگہ سے ملی ہے چنانچہ اس ہڈی پر غور کیا گیا اور نتیجہ یہ نکالا گیا کہ اب سے پانچ ہزار برس پیشتر ایک جانور سائبیریا کے جنگل میں پایا جاتا تھا یہ اسکی ہڈی ہے۔ لڑکوں نے ہنس کر کہا اجی حضور یہ تو بکری کی ہڈی ہے جو ہم آپکو چھیل چھال کر دے گئے تھے۔ یہی حالت آپکے اطباء کی ہے۔ وہ سقراط ہوں یا افلاطون۔ بقراط ہوں یا جالینوس یا شیخ بوعلی سینا ان کا قول ہے کہ سقمونیا مسہل ہے۔

حکماء کا متفقہ مسئلہ

یہ ایک متفقہ مسئلہ ہے لیکن کیا کوئی حکیم صاحب قسم کھا کر فرما سکتے ہیں کہ سقمونیا ضرور دست لائیگا۔ حکیم صاحب یہ ضرور کہیں گے مولانا صاحب ہم نے ہزارہا مریضوں پر تجربہ کیا ہے اور یہ کلیہ درست پایا ہے۔ لیکن ممکن ہے کسی کا معدہ سقمونیا کو ہضم کر جائے۔ سونف اور کسوس سے سدہ نکل جاتا ہے۔ لیکن بعض حضرات کا معدہ ایسا ثقیل ہوتا ہے کہ وہ سونف اور کسوس کو پچا جاتے ہیں۔ میں دریافت کرنا چاہتا ہوں کیا یہ ڈارون زادے جو اپنے آپکو بندر کی اولاد کہتے ہیں۔ قسم کھا کر کہہ سکتے ہیں کہ ان کے باپ دادا بندر رہتے۔ کیا چند بوسیدہ اور پرانی ہڈیوں کے ڈھانچے ملجانے سے تھیوری بنا کرتی ہے آجتک ہزارہا مسئلوں سے آپ کے فلاسفروں نے رجوع کیا ہے۔ اور آجتک ان کی صدہا تھیوریاں غلط ثابت ہوئی ہیں۔

آسمان کا انکار زمین کی حرکت کا قول، مریخ کی نہروں اور مریخ کے چشموں کا انکار یہ تو کل کی بات ہے آپ کو یاد ہوگا انڈے کی زردی کے کسقدر فضائل بیان کئے جاتے تھے۔ اور سفیدی کے نقصانات کس قدر بیان کئے جاتے تھے۔ آج کہتے ہیں انڈے کی زردی اور سفیدی دونوں کو ملا کر کھاؤ۔ کل تک پھلوں کی تعریف میں

رطب اللسان تھے۔ اب کہتے ہیں پھل کیساتھ اس پھل کا چھلکا بھی کھاؤ اور کوئی دن جاتا ہے کہ یہ یورپ کے ڈاکٹر اعلان کرنے والے ہیں کہ فقط چھلکا کھاؤ اور پھل کا گودا چھوڑ دو۔ ابھی انجکشن کو تمام امراض کا علاج بتلایا جاتا تھا اب اس کے نقصانات گنوائے جا رہے ہیں یہی ہیں تمہارے حکماء اور فلاسفہ کی آراء۔ یہ ہیں تمہارے سائنسداں جو چوبیس گھنٹے میں چھتیس رائیں بدلتے ہیں۔ ان احمق اور گدھوں کی آراء و اقوال پر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اقوال کو جانچا کرتے ہو۔ تم کو شرم نہیں آتی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جو اپنی رائے ہیں کوہ استقلال ہوتے ہیں انکی رائے کو ان تعالی کے بھگنوں اور بندر کے بچوں کی رائے سے ٹکراتے ہو اور پھر اپنے آپکو مسلمان کہتے ہو دیکھو کان کھول کر سنو۔ تمہارے فلاسفہ حکماء۔ سائنسداں۔ ریفارمر۔ لیڈر۔ گاندان سب کے پاس ظن ہے۔ اٹکل ہے قیاس ہے خرص ہے، اندازہ ہے تجربہ ہے یہ سب کچھ ہے لیکن حق اور مشاہدہ نہیں ہے۔ اندازہ غلط ہوسکتا ہے۔ اٹکل اور جانچ میں غلطی ہوسکتی ہے۔ تجربہ کا غلط ہو جانا ممکن ہے۔ لیڈر کی رائے غلط ہوسکتی ہے۔ جیسے ابھی آپ نے دیکھا کہ گاندھی جی نے انفرادی سول نافرمانی واپس لے لی اور اپنی رائے کی غلطی کا اعتراف کیا۔

مالوی جی کی غلطی

جس طرح گاندھی جی جیسے تجربہ کار لیڈر نے غلطی کھائی اسی طرح آپکے مالوی جی جنکا دماغ کمیونل معاملات میں بہت دوڑتا ہی انہوں نے وزیراعظم کو پنچ بنانے میں غلطی کھائی وہ سمجھتے تھے کہ جس طرح سو سال انگریز اکثریت پرسے اس ملک کی اقلیت کو قربان کرتے رہے ہیں اس دفعہ بھی ایسا ہی کرینگے اس لئے انہوں نے وزیراعظم کو پنچ بنادیا اور کمیونل معاملہ میں خوشی خوشی کہہ دیا کہ حضور جو کچھ فیصلہ کریں وہ فیصلہ مائی باپ ہمیں منظور ہوگا مالوی جی کو چاہیے تھا کہ وہ نرم گرم مسلمانوں ہی سے فیصلہ کرتے لیکن انہوں نے اس نازک

دور میں بھی مسلمانوں پر انگریزوں کو ترجیح دی اور جب وزیر اعظم نے فیصلہ کر دیا تو اب مسلمانوں سے کہتے ہیں اس فیصلہ کو مسترد کر دو کیونکہ اس میں ہندوؤں کے ساتھ ناانصافی ہوئی ہے۔ کیا خوب! ناانصافی ہندوؤں کے ساتھ ہوئی اور مسترد مسلمان کر دیں مسلمان تو وزیراعظم کے اس فیصلے کو اپنی غداری اور ملک فروشی کی قیمت سمجھتے ہیں۔ وہ بھلا اس کو کس طرح مسترد کر سکتے ہیں۔ ہندوستان کے دو مشہور لیڈر اور دونوں کی رائے غلط ہوئی۔ یہی حال ہے فلاسفہ اور حکماء کا۔ ان میں سے ایک کو بھی اپنی رائے پر اتنا یقین و اذعان نہیں ہے کہ اس پر قسم کھا سکیں لیکن انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حالت ان سب سے بالکل علیحدہ ہے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے پاس حق ہے یقین ہے وہ اپنے خیال میں پختہ ہوتے ہیں وہ جو کچھ کہتے ہیں اس پر نہایت جرأت و دلیری کے ساتھ قسم کھا لیتے ہیں۔

دیکھئے یعتذرون گیارہواں پارہ

ویستنبؤنک احق ھو قل ای و ربی انہ لحق۔	آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا جو کچھ آپ بیان کرتے ہیں یہ صحیح اور حق ہے مرنے کے بعد جو کچھ پیش آنے والا ہے یا دوزخ اور جنت وغیرہ کے متعلق جو کچھ آپ بیان کرتے ہیں یہ سچی بات ہے اور کیا آپ کو اپنی بات پر یقین ہے آپ ان کو جواب دیدیجئے کہ بیشک مجھے اپنے رب کی قسم جو کچھ میں کہتا ہوں یہی حق ہے۔

دیکھا آپ نے کس طرح قسم کھا کر اپنی بات کو حق فرمایا ہے۔ اسی لئے حضرت حق نے فرمایا:۔

ان یتبعون الا الظن وان ھم الا یخرصون۔	یہ لوگ گمان اور اٹکل کی پیروی کرتے ہیں۔

لہ اور تجھ سے خبر پوچھتے ہیں کیا سچ ہے یہ بات تو کہہ البتہ قسم ہے میرے رب کی یہ سچ ہے۔

لہ سو یہ کچھ نہیں مگر پیچھے پڑے ہیں اپنے خیال کے اور کچھ نہیں مگر اٹکلیں دوڑاتے ہیں۔

اور فرمایا ہے،

ان یتبعون الا الظن وان الظن لا یغنی من الحق شیئا۔[۵۱]

یہ لوگ گمان اور شک کی پیروی کرتے ہیں اور بھلا کہیں گمان بھی حق کے مقابلہ میں کسی کو مطمئن کر سکتا ہے

انبیاء علیہم السلام کی یہی حالت ہے۔ یہ بات آپ کے فلاسفر اور حکماء کو کہاں نصیب ہے۔

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے جب ان سے مناظرہ شروع کیا تو انہوں نے نہایت استغناء اور بے پروائی کے ساتھ فرمایا۔

وحاجہ قومہ قال اتحاجونی فی اللہ وقد ھدٰن۔[۵۲]

تم لوگ ایک ہدایت یافتہ آدمی سے مناظرہ کرنا چاہتے ہو حالانکہ میرے پروردگار نے مجھے ہدایت دیدی ہے اور مجھے اپنی ہدایت پر ہر طرح اطمینان حاصل ہے۔

ایک ضروری مثال

دیکھئے یہ چمڑے کا بٹوا میرے ہاتھ میں ہے میں آپ سے دریافت کرتا ہوں کہ بتائیے اس میں کتنے روپے ہیں کتنے پیسے ہیں۔ اب آپ سب حضرات بتانا شروع کیجئے۔ کوئی کہے گا۔ صاحب اس بٹوے میں سو روپے ہیں۔ کوئی کہے گا اس میں پچاس روپے کے نوٹ ہیں کوئی صاحب فرمائیں گے۔ میاں یہ کانگریسی مولوی ہیں۔ ان کو کانگریس نے بڑی بڑی رقمیں دی ہیں۔ کم سے کم بھی ان کے بٹوے میں دس ہزار روپے ہونگے میں سب لوگوں کی باتیں

---

[۵۱] محض اٹکل پہ چلتے ہیں اور اٹکل کچھ کام نہ آئے ٹھیک بات میں۔

[۵۲] اور اس سے جھگڑا کیا اس کی قوم نے بولا کیا تم مجھ سے جھگڑا کرتے ہو اللہ کے ایک ہونے میں اور وہ مجھ کو سمجھا چکا۔ ۱۲

سنتا رہوں اور آخر میں کہوں بھائی اس بٹوے میں پانچ روپے ہیں، بارہ آنے کے پیسے ہیں اور ایک ٹکٹ باڑہ سے دہلی تک کا ہے۔ آپ میری بات سن کر مجھ سے مناظرہ کرنے لگیں تو آپ کی پوزیشن میری نظر میں کیا ہو گی۔ میں کہوں گا ارے بیوقوف اٹھوا میرا ہے۔ میں نے اس میں روپے رکھے ہیں۔ بارہا میں نے ان روپوں کو اور ٹکٹ کو سنبھالا ہے۔ میرے پاس یقین ہے۔ مشاہدہ ہے۔ عین الیقین ہے۔ تمہارے پاس رائے ہے۔ اٹکل ہے۔ اندازہ ہے۔ میں سچا ہوں یا تم سچے ہو۔ صاحبو! جو حیثیت آپ کی میری نظر میں ہو گی۔ وہی بعینہٖ انبیاء علیہم السلام کے سامنے تمہارے کینٹ اور نیوٹن کی ہے۔ کہاں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے فرمان اور کہاں فلسفے، لیبان کی قیاس آرائیاں۔ استغفراللہ۔ چہ نسبت خاک را باعالم پاک۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ

ابھی میں آپ کے سامنے حکماء اور فلاسفہ کے نظریئے پیش کرچکا ہوں اب ایک واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سنئے۔ ایک شخص نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میرے بھائی کو دست آ رہے ہیں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا اسکو شہد پلاؤ۔ اس نے جاکر شہد پلایا۔ دست زیادہ آئے۔ اس نے عرض کیا حضور شہد پلانے سے تو دست اور زیادہ آئے۔ فرمایا جاؤ اور پلاؤ۔ پھر شہد پلایا گیا۔ اسہال میں اور زیادتی ہو گئی۔ وہ پھر آیا اور اس نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ شہد پلانے سے اور دست آنے لگے۔ فرمایا جاؤ پھر شہد پلاؤ۔ تیسری مرتبہ اور زیادہ دست آئے وہ پھر گھبرایا ہوا آیا اور اس نے عرض کیا۔ حضور اس کو تو برابر دست آ رہے ہیں۔ جتنا شہد پلاتا ہوں اسہال میں زیادتی ہوتی ہے بس اب سرکار نے ایک فقرہ فرمایا جس کو ذرا کان کھول کر سن لیجئے۔ حضورؐ نے فرمایا جاؤ پھر پلاؤ۔

صدق اللّٰہ وکذب بطن اخیك اللہ تعالیٰ سچا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے

چنانچہ چوتھی مرتبہ اس نے پلایا تو دست بند ہو گئے۔ آپ نے دیکھا کوئی شرعی مسئلہ نہ تھا۔ برزخ کا کوئی قصہ نہ تھا صرف ایک طبی معاملہ تھا۔ اگر ہمارے حکیم تشفیع اللہ ہوتے تو ہیر پھیر سے پر الٹ پلٹ کرتے ایک دوا کاٹتے دوسری بڑھاتے اور اب تک خدا جانے نسخہ میں کتنی تبدیلیاں کرتے لیکن جہاں پورا اذعان و یقین ہو وہاں تبدیلی کب ممکن تھی۔ جواب بھی دیا گیا تو یہ دیا گیا کہ خدا سچا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے یہ ہے وہ اطمینان یہ ہے وہ اذعان یہ ہے وہ یقین یہ ہے۔ وہ حق جس کو فرمایا ہے۔

ان الظن لا یغنی من الحق شیئا گمان اور شک حق و یقین کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

کیا یہ بات جالینوس اور افلاطون کو میسر ہو سکتی ہے یا کینٹ اور نیوٹن کو اپنے نظریوں پر اتنا یقین ہو سکتا ہے۔ یہ ہے وہ فرق جس کو میں بار بار کہہ رہا ہوں اور ہمارے نوجوانوں کے دماغ اس کو ایک نئی بات سمجھ رہے ہیں۔

ہجرت کا ایک واقعہ

کیوں صاحب یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ سرکارؐ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی اور آپ تین دن تک غار ثور میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ رہے تھے۔ کفار آپ کو ڈھونڈنے نکلے اور غار کے منہ پر پہنچ گئے۔

میں تفصیل نہیں کرتا۔ مجھے صرف ایک بات کہنی ہے۔ آپ ذرا اس کا تصور کیجئے، دشمن قتل کے درپے ہے آپ ایک غار میں چھپے ہوئے ہیں کہیں نکلنے کو راستہ نہیں قاتل غار کے منہ پر کھڑے ہیں، اب آپ انصاف سے کہئے اس وقت کسی کو نیند آ سکتی ہے ہ لیکن آپ کو حیرت ہو گی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت آرام فرما رہے ہیں۔ اور جب ابوبکر گھبرا کر عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ دشمن ہمارے سر پر کھڑے ہیں۔ اگر یہ لوگ ذرا جھک کر دیکھیں تو ہم کو دیکھ سکتے ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس گزارش کا جواب کیا ملتا ہے۔ لا تحزن ان اللہ معنا۔ اے ابوبکر کچھ فکر مت کرو۔ اللہ تعالیٰ ہمارے

ساتھ ہے۔ دیکھا آپ نے یہ ہے وہ اطمینان جو خدا کے پیغمبروں کو ملتا ہے اور دوسرے ریفارمر اس سے محروم ہوتے ہیں۔ یہ ہے وہ فرق جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر کسے کہتے ہیں اور ریفارمر یا فلاسفر کسے کہتے ہیں۔

سب سے پہلی یونیٹی کانفرنس

آپ کو معلوم ہے کہ سب سے پہلی یونیٹی کانفرنس کب ہوئی تھی۔ آپ تو غالباً دہلی اور الہ آباد کی یونیٹی کانفرنس کو جانتے ہونگے لیکن آپ کو معلوم نہیں سب سے پہلی یونیٹی کانفرنس حدیبیہ میں ہوئی ہے۔ ایک طرف تو مدینہ کے انصار و مہاجرین تھے دوسری طرف کفار قریش تھے کفار قریش کی طرف سے سُہیل نمایندہ مقرر ہو کر آئے تھے اور مسلمانوں کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو کر رہے تھے۔ اس کانفرنس میں بھی کفار اپنی تنگ ظرفی کا ثبوت دے رہے تھے سُہیل ایک ایک بات پر الجھتا تھا لیکن مسلمان انتہائی رواداری سے صلح کر رہے تھے۔ اور رواداری بھی کیسی کہ اگر الہ آباد میں مسلمان لیڈر اتنی رواداری کرتے تو شاید مسلمان ہی اپنے لیڈروں کو قتل کر دیتے۔ باوجود اس کے کہ الہ آباد میں مسلم لیڈر مسلمانوں کے حقوق کی پوری نگہداشت کر رہے تھے اس پر بھی وہ ٹوڈی مسلمان جو انگریزوں سے سازباز کر چکے تھے مرے جاتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ جو کچھ کمیونل ایوارڈ میں ہم کو مل گیا ہے۔ اس کو نیشنلسٹ مسلمان چھنوانا چاہتے ہیں۔ لیکن آج یہی کذاب یہ کہتے ہیں کہ الہ آباد میں جو کچھ طے ہوا تھا۔ کمیونل ایوارڈ میں بہر حال اس سے کم ملا ہے۔ اب ان غداروں کو احساس ہو رہا ہے کہ بنگال میں علی اکثریت بھی حاصل ہوتی نظر نہیں آتی۔ اور آئینی اکثریت کا تو یہ نام ہی نہیں لیتے۔ گویا پنجاب و بنگال میں آئینی اکثریت مسلمانوں کا مطالبہ ہی نہ تھا۔

فضل حق کا معاملہ

اور بیچارے فضل حق کے ساتھ جو کچھ ہوا اس سے تو نہ صرف بنگال بلکہ تمام ہندوستان کے غداروں کی

آنکھیں کھل گئیں ہیں۔ اور ابھی کیا ہے۔ ابھی تو وہ وقت آرہا ہے کہ جب یہ غدار سر پر ہاتھ رکھ کر روئیں گے۔ جب یہ دیکھیں گے کہ کونسل کی ہر تجویز پر یورپین اور انیگلو انڈین ہندوؤں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو شکست دیا کرینگے اس وقت ان کو حکومت کی وفاداری کا مزہ آئے گا۔

لوگ کہا کرتے ہیں۔ مسلمان مل کر کام نہیں کرتے۔ آخر ہندوؤں میں بھی تو غدار ہیں دیکھو وہ کس طرح ملکر کام کرتے ہیں لیکن میں عرض کرتا ہوں کہ اول تو ہندو منافق ہیں۔ مسلمان منافق نہیں ہیں۔ پھر مسلمانوں کے غدار اس قابل نہیں کہ ان کے ساتھ کوئی شریف آدمی مل کر کام کرسکے۔

ہندوؤں اور مسلمانوں کا فرق

میرے دوستو! میں مانتا ہوں کہ ہندوؤں میں بھی خوشامدی ہیں۔ لبرل ہیں۔ لیکن ان کے خوشامدیوں کی یہ حالت ہے کہ وہ کانگریس کو بڑھاتے ہیں۔ اور اپنے قومی آدمیوں کی عزت کرتے ہیں۔ سر سپرو لندن میں بیٹھ کر کہتے ہیں کہ جب تک کانگریس مطمئن نہ ہوگی۔ ہم لوگ کیا کرسکتے ہیں ہم تو ہر قسم کی خدمت کے لئے تیار ہیں لیکن ہماری کانگریس کے سامنے کون سنتا ہے۔ جس طرح ہوسکے مہاتما گاندھی کو راضی کرو۔ یہ طریقہ تو ہندو لبرل کا ہے۔ اب ذرا مسلمانوں کی سنئے مجھے ان مسلمانوں کا حال معلوم ہے جنہوں نے جمعیۃ علماء کی انگریزوں کے سامنے تحقیر کی جمعیۃ علماء کو دو حصوں میں حکومت کے ایماء سے تقسیم کیا۔ اور حضرت مفتی صاحب قبلہ کی گرفتاری کا مشورہ ہی نہیں دیا بلکہ حکومت کو زور دیا کہ جب تک مفتی صاحب گرفتار نہ کئے جائیں گے۔ ہم لوگ دہلی میں کچھ نہیں کرسکتے جمعیۃ علماء ہند کو بے وقعت بنانے میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کیا۔ میں آپ سے قسم کھاکر کہہ سکتا ہوں کہ مسلمانوں کے غدار واقعی غدار اور انتہائی خود غرض ہیں۔ یہ مسلمانوں کیلئے وطن فروشی نہیں کرتے بلکہ ذاتی اغراض یا اپنے بیٹوں اور بھتیجوں کو ملازم رکھوانے کی

غرض سے وطن فروشی کرتے ہیں۔ یہ ہم کو بے ایمان اور مسلمانوں کا دشمن سمجھتے ہیں اس لئے ہم سے موالات نہیں کرتے۔

ہز ہائنیس آغا خان

ہز ہائنیس جو مسلمانوں کے سب سے بڑے خیر خواہ مشہور ہیں ان کا تو قصہ آپ نے سن لیا ہوگا جو خط انہوں نے گورنمنٹ کو لکھا ہے اس کا حال کچھ کچھ اخبارات میں آگیا ہے اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو فرمائیے یہ مسلمانوں کے خیر خواہ ہیں۔ خدا کی قسم ان سے زیادہ تو اپنی قوم کا خیر خواہ وہ یہودی تھا جس نے جنگ عظیم کے زمانہ میں انگریزوں کو بارود مہیا کرکے دی تھی۔ اس نے بھی کرزن سے جو کچھ مانگا تھا۔ وہ قوم کے لئے مانگا تھا اور اعلان بالفور اسی کی وفاداری کا نتیجہ تھا جس کا خمیازہ فلسطین کے عرب بھگت رہے ہیں۔

میں مانتا ہوں کہ لوگ دنیا میں غداری بھی کرتے ہیں، بے ایمانی اور وطن فروشی بھی کرتے ہیں۔ ٹوڈی بھی ہوتے ہیں حکومت پرست بھی ہوتے ہیں۔ لیکن نہ اتنے ذلیل اور خود غرض جتنے مسلمانوں کے ٹوڈی ہیں۔ اگر ان میں ذرا بھی خودداری اور ایمانداری ہوتی تو کس کمبخت کو ان سے مل کر کام کرنے میں عار آتی تھی۔

صلح حدیبیہ

بہر حال سب سے پہلی یونیٹی کانفرنس میں مسلمانوں کی رواداری کا حال اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جب صلحنامہ کی ابتدا میں بسم اللہ لکھی جانے لگی تو سہیل نے کہا۔ "رحمان رحیم اس میں سے نکال دو"۔ مسلمانوں نے اس مطالبہ کو تسلیم کرلیا تو صرف بسم اللہ لکھا گیا۔ جب محمد رسول اللہ لکھا گیا تو کہا "رسول اللہ کاٹ دو"۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل کا یہ مطالبہ بھی منظور کرلیا۔ حالانکہ مسلمانوں کی طاقت کم نہ تھی اگر آپ جنگ کرنا چاہتے تو کر سکتے تھے لیکن حضور کو تو انتہائی رواداری مقصود تھی سہیل نے کہا "جو کافر مسلمان ہو کر مدینہ جائیگا۔ اس کو واپس کرنا ہوگا۔ اور جو مسلمان مدینہ سے مرتد ہو کر بھاگ آئے گا۔ اس کو ہم واپس نہ کریںگے"۔ فرمائیے کتنا سخت مطالبہ ہے مسلمان کو واپس

کرنا اور ایک کلمہ گو کو کفار کے قبضے میں دیدینا لیکن سرکار نے اس مطالبہ کو بھی مان لیا۔

یہ مسلمانوں اور کافروں کا سب سے پہلا معاہدہ ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ دونوں آزاد تھے۔ انگریز بیچ میں نہ تھے اسی لئے انہی شرائط کے ماتحت معاہدہ ہو گیا۔ اگرچہ ان نرم شرائط سے مسلمان بہت متاثر ہوئے اور بعض نے حضور سے دریافت بھی کیا یا رسول اللہ ہم مسلمان ہیں حق پر ہیں اور پھر ایسا معاہدہ کیا جا رہا ہے لیکن ایک پیغمبر کے اطمینان کو ملاحظہ کیجئے حضور نے جواب دیا میں اللہ کا رسول ہوں۔ اطمینان رکھو میں خدا تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کر سکتا جو کچھ میں نے کیا درست کیا ہے۔ میں نے اپنے اخلاق اور رواداری سے کفار کو شکست دیدی ہے۔ تم دیکھنا اس کانفرنس کا نتیجہ بہت اچھا نکلے گا۔ اسی اخلاقی فتح کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ان فتحنا لک فتحا مبینا لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک و ما تاخر۔

سورۂ فتحنا حدیبیہ کی واپسی پر مکہ مدینہ کے مابین نازل ہوئی تھی۔ جب حضور نے سورت پڑھ کر سنائی تو ایک صاحب نے کہا یا رسول اللہ کیا یہی فتح ہے کہ ایک کمزور معاہدہ کر کے بدون عمرہ کئے مدینہ کو واپس جا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے یہی فتح ہے۔ اگرچہ ہم صلح کر کے چلے ہیں لیکن یہ صلح ہی آئندہ ہماری فتح کا سبب ہونیوالی ہے۔

غفر کے معنی جانتے ہو۔ غفر کے معنی ستر اور حجاب کے ہیں۔ گناہوں کے اور آپ کے مابین حجاب کا یہ مطلب ہے کہ نہ پہلے کوئی گناہ ہو۔ اور نہ آئندہ کسی گناہ کی توقع ہے۔

دیکھو حجاب کی صورتیں ہیں۔ یا تو گناہ سے حجاب ہو جائے یا عقوبت سے حجاب ہو جائے۔ جب پیغمبر کیلئے یہ لفظ استعمال کیا جائے تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ آپ کے اور گناہ کے مابین حجاب حائل ہو گیا ہے۔ اور آپ سے گناہ کا وقوع ممکن نہیں ہے اور جب

مسلمانوں کے لئے استعمال ہو تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ گناہ اور عقوبت کے مابین حجاب حائل ہوگیا ہے۔ اور مسلمان عذاب سے محفوظ کر دیئے گئے ہیں۔ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت پر دلالت کرتی ہے۔ نہ معاذ اللہ صدور ذنب پر۔

یہ بھی یاد رکھنا علامہ زرقانی نے فرمایا ہے۔ وھذا قول فی غایۃ الحسن اس قول کے بعد ان تاویلات کی ضرورت باقی نہیں رہتی جو ہمارے علماء کرام ذنب میں کیا کرتے ہیں حضور نے اس آیت کے متعلق فرمایا کہ یہ آیت دنیا کی تمام چیزوں سے مجھے زیادہ محبوب ہے۔ اور واقعہ بھی یہی ہے۔ اللہ کے پیغمبر کو اعلان عصمت سے کونسی چیز زیادہ محبوب ہوسکتی ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ آیت آپ کو مبارک ہو۔ ہمارے لئے بھی کوئی بشارت ہے۔ آپ نے مزید تلاوت کی یہاں تک کہ لیدخل المؤمنین والمؤمنات پر پہنچے اور مسلمانوں کو بھی بشارت سنادی۔

بہرحال میں عرض کر رہا تھا کہ پیغمبر اسے کہتے ہیں جسے اپنی بات میں شک و شبہ نہیں ہوتا وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اور حضرت حق کی وحی کو سنکر کہتا ہے یہ بات دنیا کے حکماء اور فلاسفر میں نہیں ہوا کرتی۔ اس لئے میں نوجوانوں سے کہتا ہوں کہ یورپ کی ایسی اندھی تقلید نہ کرو کہ پیغمبر کو محض ایک ریفارمر یا فلاسفر یا گائڈ یا پرانٹ کہنے لگو۔ بلکہ نبی اللہ، رسول اللہ اور فرستادہ خدا کہا کرو۔

عالم برزخ کے واقعات

معزز حاضرین! آپ نے ہجرت کا واقعہ سنا، صلح حدیبیہ کا قصہ بھی آپ کو معلوم ہوا، آپ نے شہد پلانے کا واقعہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اطمینان دیکھا۔ اب عالم برزخ کے واقعات کو لیجئے اور ذرا دنیا کے عقلا کو دیکھئے۔ زندگی سے پہلے اور بالخصوص موت انسانی کے بعد کا معاملہ ایسا پیچیدہ ہے کہ ان احمقوں میں سے ایک بھی ٹھکانہ کی بات نہیں کہتا ہندو جو اپنے آپ کو سب سے پرانی تہذیب کا مالک بتاتے ہیں۔ بلکہ اب تو ان کا یہ دعویٰ ہے کہ

تمام دنیا کے مذاہب ہماری ہی تہذیب کے خوشہ چیں رہے ہیں۔ ان کی اس معاملہ میں جہالت ہے کہ سب سے بدتر اگر کوئی رائے کہی جا سکتی ہے تو ان مدعیانِ تہذیب کی رائے ہے۔ یعنی مرنے کے بعد انسانی روح کو دنیا بھر کے حیوانات و نباتات میں منتقل کرتے ہیں۔ ان کا فلسفہ اتنا تاریک اور مہمل ہے کہ مجھ کو تو تعجب ہوتا ہے کہ اس روشنی کے زمانے میں یہ لوگ اس کے قائل کس طرح ہیں۔ ایک عورت جو کسی لڑکے کی ماں بھی مرنے کے بعد اس کی بیوی ہو سکتی ہے۔ اور ایک باپ اپنے بیٹے کا بیٹا ہو سکتا تھا۔ انسانی روح جو ناطق ہے وہ صاہل یا ناہق تو ہو ہی نہیں سکتی لیکن یہ اس کے قائل ہیں اور قائل نہیں بلکہ اپنے فلسفہ کو سب سے بہتر سمجھتے ہیں۔ رہا یورپ تو یورپ میں جس قدر انسان آباد ہیں اتنے ہی مذاہب۔ ایک طرف یورپ کی ترقی کا یہ عالم ہے کہ ہوا پر اڑ رہا ہے۔ لیکن دوسری طرف الٰہیات اور مسئلہ معاد میں اس کی جہالت کا یہ حال ہے کہ اہل یورپ اور کفار مکہ میں کوئی فرق نہیں۔ ان ھی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیا وما نحن بمبعوثین۔ یعنی بس یہی دنیا کی زندگی ہے۔ پیدا ہوتے ہیں۔ اور مر جاتے ہیں۔ اور مرنے کے بعد ہم کو دوبارہ زندہ ہونا نہیں ہے بعض ان میں سے جسم کے ساتھ روح کو بھی فنا ہونے والا جوہر سمجھتے ہیں بعض سرے سے روح کے قائل ہی نہیں۔ بلکہ خون کو روح سمجھتے ہیں۔ خون جسم کا ختم ہو گیا۔ اور روح ختم ہو گئی۔ یہ ان عقلائے زمانہ کی احمقانہ رائیں ہیں جن کی عقول آج دنیا میں مشہور ہیں۔ اور یہ بے وقوف انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اس مقدس جماعت پر منہ آتے ہیں۔ جن کی معلومات کا دارومدار یا تو مشاہدہ پر ہے یا حضرت حق کے بتانے پر ہے۔

عالم برزخ کی ایک اطلاع

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن خچر پر تشریف لے جا رہے تھے۔ آپ ایسے مقام پر سے گزرے جہاں چند قبریں تھیں۔ آپ کا خچر ذرا بدکا، اور شوخی کرنے لگا۔ سرکار نے دو قبروں کی طرف

اشارہ کرکے فرمایا یہ قبریں کس کی ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا فلاں فلاں صاحب کی قبریں ہیں فرمایا ان دونوں قبروں میں عذاب ہو رہا ہے۔ اور عذاب بھی کسی بڑے معاملہ میں نہیں ہے یعنی ایسا گناہ نہیں ہے جس سے بچنا کوئی بڑا مشکل تھا۔ ایک تو ان میں سے پیشاب کی چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا۔ اور ایک ان میں سے چغلخوری کیا کرتا تھا۔ اب فرمایئے اگر کوئی احمق سرکار سے مناظرہ کرنے لگے کہ واہ صاحب ہم کو تو عذاب نہیں دکھائی دے رہا۔ یا عذاب کہاں ہو رہا ہے۔ ہم کو بھی دکھاؤ۔ یا قبر تو اوپر سے بند ہے آپ نے عذاب کیسے دیکھ لیا۔ تو فرمایئے اس کو کیا جواب دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اقوال میں سادگی ہوتی ہے۔ ہمارے فلاسفہ کی طرح دلائل کی بھرمار نہیں ہوتی دلائل وہاں ہوتے ہیں۔ جہاں محض عقل پر دارومدار ہو اور جہاں آنکھوں کی دیکھی بات ہو وہاں دلائل نہیں ہوا کرتے۔ اگر تم اس کو زیادہ مجبور کرو گے تو وہ قسم کھالے گا۔ اور قسم کھا کر کہے گا میں جو کچھ کہتا ہوں وہی صحیح ہے۔ تم تسلیم کرو یا نہ کرو۔

برزخ کا دوسرا واقعہ

وہ کرکرہ کا قصہ تو آپ نے سنا ہوگا غالباً خیبر میں یہ شہید ہوئے ہیں خیبر کی جنگ کے بعد جب صحابہ شہداء کا شمار کرنے لگے تو انہوں نے شہداء کی فہرست میں کرکرہ کا نام بھی لیا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ آپ نے بیساختہ فرمایا۔ کرکرہ تو شہید نہیں ہوا۔ اب صحابہ اس کی شہادت کا یقین دلا رہے ہیں۔ اور حضورؐ انکار فرما رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں تو اسے دوزخ میں دیکھ رہا ہوں۔ جب لوگوں کا حیرت و استعجاب زیادہ ہوا اور ایک شہید کو دوزخ میں سنکر افسوس بھی ہوا تو سرکار نے فرمایا اس نے مال غنیمت میں خیانت کی تھی۔ اس خیانت کی بنا پر وہ دوزخ میں گیا ہے۔ صحابہ نے اس کا سامان ٹٹولنا شروع کیا تو اس میں سے ایک چھوٹا سا ہار نکلا۔ آپؐ نے فرمایا یہی ہار ہے جو اس نے مال غنیمت سے چھپا لیا تھا۔ اب میں آپ سے پوچھتا ہوں ایک دن پیشتر کا واقعہ ہے کل وہ شہید

ہوا ہے۔ آج حضور اس کو دوزخ میں دیکھ رہے ہیں اور پھر دوزخ میں جانے کی وجہ بھی بیان فرماتے ہیں۔ اب فرمایئے ان سے آپ مناظرہ کرنا چاہتے ہیں جو شخص ایک واقعہ کو اپنی آنکھ سے دیکھ رہا ہے اس سے مناظرہ کیسا؟ اور بحث کیسی؟ میرے بھائی وہاں رائے نہیں ہے جس کو تم اپنے زور دلائل سے شکست دیدوگے وہاں تو واقعہ اور فیکٹ ہے۔ مجھے ان تعلیم یافتہ لوگوں پر جب ہی تو ہنسی آیا کرتی ہے۔ یہ احمق پیغمبروں کے اقوال کو کینٹ اور نیوٹن کی رائے سے ٹکرایا کرتے ہیں۔ گویا ان کے نزدیک کینٹ اور نیوٹن کی قیاس آرائی ایک مسلم شے ہے۔ اگر ان احمقوں کے قیاس سے کسی پیغمبر کا قول مطابق ہوگیا تو قابل تسلیم ہے ورنہ قابل رد ہے۔ حالانکہ چاہئے یہ تھا کہ پیغمبر کی رائے اصل ہوتی اور جس کی رائے اس سے ملتی وہ قبول کی جاتی نہ ملتی تو رد کردیجاتی لیکن یہاں تو معاملہ ہی الٹا ہے۔ یورپ کے فلاسفہ تو اصل ہیں۔ اور یہ بیچارے انبیاء علیہم السلام جو عین الیقین کے مالک ہیں وہ فرع ہیں اور میں اس اصولی غلطی کو دور کرنا چاہتا ہوں۔ اور میرے نزدیک سیرت کے جلسوں کا یہی منشاء ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح تعلیم سے لوگوں کو آشنا کیا جائے۔

جاہل میلاد خواں

مجھے تو اس کا افسوس ہے کہ مسلمانوں کے ذوق کو ان جاہل میلاد خوانوں اور قصہ گو واعظوں نے خراب کردیا ہے مسلمانوں کے سامنے صحیح تعلیم پیش کی جائے تو وہ حیرت زدہ ہو کر دیکھتے ہیں ان کو یہ بھی خبر نہیں کہ اسلام کی تعلیم کیا ہے اور قرآن و حدیث میں کیا تعلیم ہے۔ اگرچہ میں دیکھتا ہوں کہ مسلمان تشنہ معلوم ہوتے ہیں۔ وہ اب آہستہ آہستہ ان جاہل میلاد خوانوں سے بیزار ہو رہے ہیں۔ اور وہ صحیح اسلامی تعلیم کو تلاش کر رہے ہیں۔ وہ ان قصہ گو واعظوں سے پریشان ہیں اور صحیح علم کے متلاشی ہیں لیکن بھائی کیا کیا جائے ان جاہلوں نے اس طرح مسلمانوں پر قبضہ کیا ہے کہ ان کا ذوق خراب کردیا ہے۔ اور دیکھو میں تم سے پھر ایک صاف بات کہتا ہوں اور تم کو تاکید کرتا ہوں کہ میری بات لکھ لو خدا جانے میں مرجاؤں کیونکہ اس

عمر ناپائیدار کا کیا بھروسہ ہے میری عمر پچاس سال سے تجاوز ہو چکی ہے نہیں کہہ سکتا کے دن کا مہمان ہوں میرے بہت سے دوست قبروں میں جا سوئے اب اپنے قضا بھی چاہتے رہے ہیں جو میں کہتا ہوں اسے یاد کرلو میرے مرنے کے بعد اس کو سوچنا۔ جب تک مسلمانوں کی مذہبی پالیسی جاہل واعظوں کے قبضے میں رہے گی اور ان کی سیاسی پالیسی سرکار پرستوں اور ٹوڈیوں کے قبضے میں رہے گی مسلمان ایک انچ آگے نہیں بڑھ سکتے۔ اگر اس ملک میں مسلمانوں کو رہنا ہے۔ اور عزت کے ساتھ رہنا ہے۔ اور آبرو کے ساتھ جینا ہے۔ تو سب سے پہلے ان جاہل میلاد خوانوں اور ان سرکار پرست مسلمانوں سے آزادی حاصل کرو۔ جب تک ان کے قبضے سے نہیں نکلتے یہ تم کو ایک قدم نہیں آگے بڑھنے دیں گے۔ ان جاہلوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تریسٹھ سالہ مقدس زندگی کو صرف ولادت کے چند واقعات میں محدود کر دیا گیا ہے۔ ان میلاد خوانوں اور جھوٹے قصہ خوانوں سے تم اتنا دریافت نہیں کر سکتے کہ کیا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کوئی اختلافی مسئلہ ہے۔ جس کو تم ہمیشہ بیان کیا کرتے ہو۔ یا حضور کی ولادت سے کسی کو انکار ہے جو آپ ہر سال جھوٹی روائتیں اور موضوع قصے بیان کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت کا تو کوئی کافر بھی منکر نہیں ہے۔ چہ جائیکہ مسلمان پھر اس کو بار بار بیان کرنے سے آپ کا مقصد کیا ہے۔ اور آپ اس ذکر ولادت سے کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

میلاد کا مقصد

بیان کرنے کی بات تو یہ ہے کہ وہ مقدس رسول صلی اللہ علیہ وسلم جس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ مکمل انقلاب ہے اس نے دنیا میں آکر لوگوں کی ذہنیت اور لوگوں کے تمدن، ان کی آبائی رسوم اور ان کے عقیدوں میں کیا انقلاب پیدا کیا۔ جو بتانے کی بات ہے وہاں یہ کمبخت خاموش ہیں۔ سلام ٹہلے اور بستہ بغل میں دبا کر چلتے ہوئے۔ اس سے زیادہ خدا کے مقدس پیغمبر کی توہین اور کیا ہو سکتی ہے

کہ اس کی والدہ ماجدہ کے واقعات ولادت کو شارع عام پر جہاں ہر طبقے کے لوگ پہنچتے ہیں مزے سے لیکر بیان کیا جائے۔ کیا یہ جاہل اپنی ماں بہنوں کے لئے اس کو پسند کرتے ہیں کہ ان کے جاپے اور زچہ خانے کے حالات کو سر بازار بیان کیا جائے میری سمجھ میں تو آج تک یہ طریقہ محبت اور طریقہ تعریف ہی نہیں آیا۔ اپنی ماں بہنوں کا نام تو مردم شماری کے رجسٹر میں لکھواتے ہوئے گھبرائیں اور اہل بیت کی عورتوں کا نام لے لیکر بازاروں میں مرثیے پڑھے جائیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسیوں کے نام لیکر بازاروں میں سینہ کوبی کی جائے اور کہا جائے کہ ہم اہل بیت سے محبت کرنیوالے ہیں اپنی ماں یا بہن کا مجلس میں ذکر آجائے تو جناب ناراض ہو جائیں لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کے وہ واقعات جو حضور کی ولادت کے وقت پیش آئے ان کو مجالس عامہ میں بیان کرتے وقت آپ کو شرم نہ آئے بلکہ آپ کے نزدیک یہ حضور کی تعریف و توصیف سمجھی جائے تو اب تعریف و توہین کا معیار بھی ان جاہلوں کی رائے ٹھیری جس کو یہ تعریف سمجھیں بس وہ تعریف ہے، خواہ وہ توہین ہی کیوں نہ ہو۔ اگر مخصوص مسلمانوں کا مجموعہ ہو اور واقعات ولادت کو صحیح روایتوں سے بیان کیا جائے اور سلجھے ہوئے الفاظ میں ذکر کیا جائے۔ تو مضائقہ نہیں۔ ہر وہ مجلس جس میں سرکار کا ذکر کیا جائے۔ وہ مجلس خیر ہے۔ لیکن نہ یہ طریقہ جو ان جاہل میلاد خوانوں نے مقرر کیا ہے۔ یہ تو کسی طرح بھی قابل ستائش نہیں ہو سکتا۔ میلاد شریف کا بیان بھی کراؤ تو کسی عالم سے کراؤ۔ جو الفاظ تو کم سے کم شستہ استعمال کرے گا۔ اور اہل مجلس کو دیکھ کر گفتگو کرے گا۔

مولانا حالی کا ایک شعر

دیکھئے میں آپ کو سرکار کی ولادت کے متعلق ایک شعر سناتا ہوں۔ کاش تم اردو کا شعر سمجھنے کی قابلیت رکھتے۔ مجھے تو اردو کا شعر بھی پڑھتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ کیونکہ آپ کی اردو کا حال معلوم ہے۔ مولانا حالی کو بھی جانتے ہو جن کی شاعری ہندوستان میں خاص

طور پر مشہور ہو چکی ہے۔ سرسید کی جماعت کے لوگوں میں سے تھے۔ خدا کی شان آہستہ آہستہ یہ سب لوگ ختم ہو گئے۔ علامہ شبلی۔ منشی ذکاء اللہ۔ ڈپٹی نذیر احمد۔ مولانا محمد حسین آزاد۔ شمس العلماء محمد ضیاء الدین۔ مولانا حالی۔ یہ ایک پوری جماعت تھی جو اب تقریباً ختم ہے۔ اس جماعت کے یہ خان بہادر آپ کے سامنے بیٹھے ہیں۔ اور ایک دو کسی کونے میں زندہ ہوں گے۔ بہر حال مولانا حالی فرماتے ہیں ؎

ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا　　دعائے خلیل و نوید مسیحا

دیکھا کیسا شعر ہے آپ کے جاہل میلاد خوانوں کی تمام جھوٹی روایتیں اور توہین آمیز قصے ایک طرف اور یہ شعر ایک طرف۔ بھلا اس کا جواب ہو سکتا ہے؟ الہامی شعر ہے۔ اس کی قدر حفیظ جالندھری سے پوچھو۔ قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری۔

حفیظ جالندھری

حفیظ اس فن کا جوہری ہے اور حفیظ کے متعلق کسی نے خوب کہا ہے کہ ڈاکٹر اقبال کی شاعری سے اردو زبان کو جو نقصان پہنچا تھا۔ اس کی تلافی حفیظ نے کر دی۔ حفیظ کوئی انسان ہے بلکہ وہ ایک موجیں مارتا ہوا سمندر ہے۔ جو ہر چھال میں بے شمار موتی بکھیر دیتا ہے اس کا دماغ اردو الفاظ کی لائبریری ہے۔ بدقسمتی سے حفیظ آج کل خاں صاحب ہو گئے ہیں۔ ان کی تعریف بھی زیادہ کرتے ہوئے ڈرتا ہوں کبھی کوئی نیشنلسٹ مسلمان خفا نہ ہو جائے اور یہ الزام نہ لگا دے کہ تم خطاب یافتوں کی تعریف کرتے ہو۔ بھلا خیال کیجئے کہ شاہنامہ لکھنے والا حفیظ اور خاں صاحب۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ خدا جانے حفیظ نے یہ خطاب قبول کر لیا یا حکومت کو واپس کر دیا۔ اس خطاب سے حفیظ کی جتنی توہین ہوتی ہے شاید اس سے بڑھ کر کوئی توہین ہو سکتی ہو۔ اگر حفیظ پر حکومت تبقصہ ہی کرنا چاہتی تھی تو اس کو فصیح الملک یا سحبان ہند کا خطاب دیتی۔ یہ خطاب تو ہماری حکومت کے زمانے میں گویوں اور ڈوموں کا ہوا کرتا تھا۔ حالی کے اس شعر کے متعلق حفیظ نے

ایک مجلس میں ذکر کیا تھا۔ کہ جب مولنا حالی کا یہ شعر میری نظر سے گذرا تو عرصہ تک میں سوچتا رہا کہ اس کے بعد لکھا جائے۔

مرزا غالب کا واقعہ

بات یہ ہے کہ شاعر ہی شاعر کے کلام کو سمجھتا ہے ہم جاہل کیا جانیں گے۔ مرزا غالب مرحوم کے متعلق مشہور ہے کہ وہ اپنا تمام دیوان مومن خاں کے ایک شعر پر قربان کرنے کو آمادہ تھے اس میں شک نہیں کہ مومن خاں بہت بڑے قابل آدمی تھے۔ بے مثل شاعر تھے۔ اور علم نجوم و جفر میں تو ان کا جواب ہی نہ تھا۔ اگر تم کبھی دہلی آؤ تو میں تم کو ان کا مکان بھی دکھا دوں گا۔ کلاں محل میں رہتے تھے۔ میرے مکان سے بہت قریب جگہ ہے۔ اگرچہ آجکل وہاں اُپلوں کی ڈنڈی ہے۔ روز صبح کو اُپلے بیچے جاتے ہیں۔ مومن خاں وہابی خیال کے آدمی مشہور تھے شاہ صاحب کے خاندان سے بڑی عقیدت تھی اور چونکہ مولنا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان سے بے حد عقیدت تھی۔ اس لئے لوگ ان کو وہابی سمجھتے تھے۔ جیسے آج کل ہر خوش عقیدہ آدمی کو دیوبندی کہہ دیتے ہیں۔ یہ بھی ایک ہوا ہوتی ہے۔ ایک زمانہ میں کسی کو سرکاری آدمی کہہ دینا قیامت تھا ۱۹۲۰ء میں جہاں کسی کو سرکاری یا سی، آئی، ڈی۔ کا کہا اور اس بیچارے کی شامت آئی۔ پھر جب مسلمانوں کی پالیسی بدلی اور ان کے سر پر وفاداری اور وطن فروشی کا بھوت سوار ہوا تو کانگریسی ہونا بہت بڑا عیب ہو گیا۔

کانگریس کی شرکت

بھلا خیال کیجئے کانگریس میں کیا ہے ارے میاں کانگریس بھی ایک جماعت ہے جس میں ہندو مسلمان دونوں شریک ہیں۔ آخر میونسپلٹی میں مسلمان جاتے ہیں یا نہیں۔ ڈسٹرکٹ بورڈ میں مسلمان جاتے ہیں یا نہیں۔ کونسلوں میں جاتے ہیں یا نہیں اسمبلی میں مسلمان جاتے ہیں یا نہیں ہزاروں روپیہ خرچ کرتے ہیں اور تم ووٹ دے کر بھیجتے ہو ہم

وہاں یہ مسلمان کیا فرشتوں سے مل کر کام کرتے ہیں، وہاں ہندو نہیں ہوتے جو مسلمان ہندوؤں کے ساتھ کرسیوں پر بیٹھ کر کام کریں۔ انگریزوں کے ڈنروں میں جاکر ہر قسم کے کھانے نکھائیں۔ پارلیمنٹری کمیٹی میں جاکر ہندوستان کے ساتھ غداری کریں اور وائٹ پیپر بنوانے میں ڈاکٹر منجے جیسے غدار کا ساتھ دیں۔ وہ تو مسلمان اور جو مسلمان کانگریس میں جاکر ہندوؤں کے ساتھ جیل خانے جائیں ہتکڑیاں پہنیں۔ چکیاں پیسیں وہ اسلام سے خارج۔ سبحان اللہ کیا سمجھدار ہو۔ ارے احمقو تم میں کچھ عقل بھی ہے یا نہیں کیا تمہاری سب کی عقلیں میاں فضل حسین اور لارڈ ولنگڈن پر قربان ہوگئیں بہرحال کچھ دنوں بیچارے کانگریسی مسلمان خطرے میں رہے۔ اب آہستہ آہستہ پھر مسلمانوں کو عقل آرہی ہے کہ میاں تمام دنیا میں مسلمان بدنام بھی ہوئے۔ ہندوؤں سے برے بھی بنے۔ اپنے وطنی بھائیوں سے دشمنی بھی مول لی۔ اور ملا بھی خاک نہیں اور یہ سرکار پرست کوئی سر ہوگیا۔ کوئی خان بہادر ہوگیا۔ اور ہم مفت میں آلہ کار بنے، یہی حال دیوبند کا ہے۔ جہاں کسی کو خوش عقیدہ دیکھا۔ دیوبندی کہہ دیا اور دیوبندی جاہل مسلمانوں کے نزدیک ایسا ہے۔ جیسے کوئی سی آئی۔ڈی کا آدمی۔ ایک صاحب مجھ سے فرمانے لگے۔ آپ بھی دیوبندی ہیں۔ میں نے کہا اگر میں ترک موالاتی نہ ہوتا تو تم پر لائبل کردیتا۔ میں دہلوی ہوں۔ کم وبیش بیس پچیس پشتوں سے دہلی میں رہتا ہوں میں دیوبندی کیوں ہونے لگا۔ وہ مرزا داغ نے خوب کہا ہے ؎

تم نے جادوگر اسے کیوں کہدیا دہلوی ہے داغ بنگالی نہیں

تو بھائی صاحب میں دہلوی ہوں دیوبندی نہیں ہوں۔ دیکھو خبردار مجھ کو دیوبندی نہ کہنا۔

مومن خاں کا شعر

ہاں تو وہ مومن خاں اگرچہ ہر اعتبار سے قابل تھے لیکن غالب پھر غالب ہے۔ لیجئے وہ اپنا تمام دیوان

ہی مومن خاں کو دینے پر آمادہ تھے۔ اور وہ شعر کیا ہے جس پر مرزا صاحب ایسے لٹو ہو گئے تھے۔ وہ بھی سن لو۔ مومن خاں فرماتے ہیں ؎

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا　　　جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

اب فرمائیے اس شعر میں کیا ہے۔ لیکن کوئی غالب سے پوچھے کہ اس شعر میں کیا ہے مولانا حالی کا شعر جو میں نے پڑھا ہے۔ حفیظ سے پوچھو۔ اس میں کیا ہے۔ سچ تو یہ ہے۔ حالی نے خوب کہا ہے ؎

ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا　　　دعائے خلیل و نوید مسیحا

وہ کہتے ہیں حضرت آمنہ خاتون کے پہلو سے کیا چیز ظاہر ہوئی۔ سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا اور حضرت مسیح کی بشارت ہویدا ہوئی۔ حضرت ابراہیم نے جو دعا مانگی تھی اس دعا کے الفاظ نے اور حضرت عیسٰی کی بشارت کے الفاظ نے ایک صورت اختیار کر لی۔ اسی کا نام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکھ دیا گیا۔ بعض دفعہ واقعی ایسی بات منہ سے نکل جاتی ہے کہ اس کا جواب نہیں ہو سکتا۔

حضرت سعدی علیہ الرحمۃ کی گلستاں کا اگرچہ جواب نہیں ہوا۔ لیکن وہ دو سطریں جو تیسرے باب میں لکھی ہیں۔ وہ تو ایسی ہیں کہ بڑے بڑے لوگ اپنی تمام تصانیف سعدی کی خدمت میں پیش کرنے کو تیار ہیں کہ سعدی ہماری تمام تصانیف لے لیں اور یہ دو سطریں ہم کو دیدیں۔ لیجئے وہ دو سطریں بھی سن لیجئے۔ فرماتے ہیں:۔

"خواہندۂ مغربی در صف بزازان حلب میگفت، اے خداوندان نعمت اگر شمارا انصاف بودے و مارا قناعت رسم سوال از جہاں برخاستے"

بعض لوگوں نے تو قرآن شریف میں بھی یہ فرق کیا ہے یعنی اعجاز میں تو قرآن شریف پورا کا پورا یکساں ہے لیکن باہمی آیتوں میں بلاغت و فصاحت کا فرق کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ایک صاحب فرماتے ہیں:۔

در بیان و در فصاحت کے بود یکساں سخن
گرچہ گوئندہ بود چوں جاحظ و چوں اصمعی

در کلام ایزدِ بیچون کہ وحی منزل است
کے بود تبت یدا مانند یا ارض ابلعی

شاعر کا معاذ اللہ یہ مطلب نہیں کہ تبت یدا کا جواب ہو سکتا ہے کوئی بشر جواب تو تبت کا بھی نہیں لکھ سکتا لیکن خود تبت یدا اور قیل یا ارض ابلعی میں فرق ہے۔

حضرت عمر فاروق رضؓ کا مطالبہ

صاحبو! جس طرح شاعری میں یہ ہوتا ہے کہ بعض دفعہ شاعر کے منہ سے ایسا کلام نکل جاتا ہے کہ دوسرے لوگ اپنی تمام تصانیف پیش کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں اسی طرح نیکیوں کا حال ہے۔ بعض دفعہ انسان سے ایسی نیکی ہو جاتی ہے کہ لوگ اپنی تمام نیکیاں دے کر اس نیکی کو حاصل کرنا چاہتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اکثر کہا کرتے تھے کہ ابوبکر میری تمام نیکیاں لے لو اور ایک نیکی اپنی مجھے دیدو۔ وہ ایک نیکی کونسی تھی۔ جو حضرت عمر رضؓ مانگا کرتے تھے وہ حضرت صدیق اکبر رضؓ کا ہجرت کی شب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کندھے پر اٹھا کر پنجوں کے بل چلنا تھا۔ اور یہ اس لئے کیا گیا تھا تاکہ صبح کو کفار نقش قدم پر تعاقب نہ کریں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھا کر چلنا یہ ایسی بڑی اور قیمتی نیکی تھی کہ حضرت عمر رضؓ اس پر تمام نیکیاں قربان کرنے کو آمادہ تھے۔

صائب کا واقعہ

اسی طرح صائب جو فارسی کا مشہور شاعر ہے اس کا واقعہ مشہور ہے اس نے ایک تربوز والے کو دیکھا کہ تربوز کی قاشیں لئے بیٹھا ہے اور آواز لگا رہا ہے "من قاش فروش دلِ صد پارہ خویشم" صائب اس مصرعہ کو سن کر تڑپ گیا۔ اور اس نے دوکاندار سے یہ مصرعہ لے لیا۔ اور اس کے تمام تربوز خرید لئے اور اس مصرعہ پر ایک اور مصرعہ لگا کر اس نے شعر بنا لیا ؎

من قماش فروش دل صدپارۂ خویشتم　　　لختے بردا زدل گذرد ہر کہ ز پیشم

یہ حضرت صائب صاحب ایک دن غیر معروف طریقہ پر ایک ہوٹل میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جہاں لوگ مختلف شعراء پر رائے زنی کر رہے تھے انہوں نے دریافت کیا آپ لوگوں نے صائب کا کلام بھی سنا ہے آپ کی صائب کے متعلق کیا رائے ہے ان لوگوں میں سے کسی نے بیساختہ کہا "آں قرم ساق خوب میگوید" انہوں نے تعریف تو کی لیکن ایک گالی چپکا دی۔ بیچارہ صائب شرمندہ ہو کر رہ گیا۔ غرض میری یہ تھی کہ اہل ذوق کلام کی قدر کیا کرتے ہیں۔ مومن کے کلام کی قدر غالب نے اور مولانا حالی کے شعر کی قدر حفیظ جالندھری نے کی اور صاحبو! واقعہ بھی یہ ہے کہ مولانا حالی نے خوب ہی فرمایا ہے ؎

ہوئے پہلوئے آمنہ سے ہویدا　　　دعائے خلیل و نوید مسیحا

الفاظ و اعمال کا صورت اختیار کرنا

آپ جانتے ہیں اعمال اور اقوال صورت اختیار کر لیا کرتے ہیں کیا آپ نے نہیں سنا کہ قبر میں نماز اور صدقہ مردے کے دائیں طرف ہوتا ہے۔ اور روزہ بائیں طرف میں دریافت کرتا ہوں بتاؤ روزہ کہاں ہے۔ نماز کہاں ہے لیکن عالم برزخ میں ان کو شکل عطا کر دی جاتی ہے۔ تبارک الذی کو جانتے ہو جس کا نام سورۂ ملک ہے۔ یہ سورت اپنے پڑھنے والے کو قبر میں عذاب سے اس طرح بچاتی ہے جس طرح کوئی جانور اپنے بچوں کو پروں میں محفوظ کر لیتا ہے۔

نادر شاہ کا قتل عام

جب دہلی میں نادر شاہ نے قتل عام کیا اور سنہری مسجد میں تلوار نکال کر بیٹھ گیا۔ اور ایسی بیدردی سے قتل عام کیا گیا کہ دہلی والوں کا خاتمہ ہی کر دیا تو اس زمانہ کے ایک بزرگ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ حضور یہ کیا معاملہ ہے نادر شاہ جیسے بیدرد کو اس طرح کیوں مسلط کر دیا گیا تو انہوں نے فرمایا تھا۔ شامت اعمال ما صورت نادر گرفت۔ جس طرح

نیک اعمال ایک صورت اختیار کر لیتے ہیں اسی طرح بُرے اعمال بھی شکل اختیار کر لیتے ہیں قیامت میں آپنے سنا ہوگا بخیل کا مال ایک اژدہا بنا دیا جائیگا اور جب تک لوگ حساب میں مشغول رہیں گے وہ سانپ اس بخیل کو یہ کہہ کر کاٹتا رہیگا۔ انا کنزک انا مالک میں تیرا مال اور تیرا خزانہ ہوں۔ بہرحال یہ ایک معروف و مشہور چیز ہے جس شخص کو تھوڑا سا علم بھی ہو وہ اس کو جانتا ہے۔ ایک فارسی کے شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

فغاں از سینہ ام برخاست و شکلے بست بلبل شد ۔۔۔ بہار عکس رویش در چمن جوشے نزد گل شد

بامداد و صبا گرد رخش پیچید و کاکل شد ۔۔۔ ز آتش گاہ سوز سینہ ام دودے برآمد

اسی مضمون کو ایک اور صاحب نے قلمبند کیا ہے ؎

لختہائے دل بہ یکجا جمع شد گل ساختند ۔۔۔ نالۂ ما صورتے بگرفت و بلبل ساختند

صبر ما بردند و در چشمش تغافل ساختند ۔۔۔ آنچہ شد از طاقت ما کم بہ تمکینش فزود

لوگ جسے بلبل کہتے ہیں وہ کیا ہے میرے نالہ و فریاد کی ایک شکل ہے اور جس کو گل کہتے ہیں وہ میرے دل کے ٹکڑے ہیں جنہوں نے ایک صورت اختیار کرلی ہے اور لوگ اسے گل کہنے لگے ہیں۔ وہ کہتا ہے میری طاقت سلب کرکے محبوب کا غرور و تکبر بنا دیا ہے اور میرے دل کا صبر اس کی آنکھوں میں تغافل کا سرمہ بنا کر لگا دیا ہے میرے سینہ سے آہوں کا دھواں نکلا اور ہوا کے ساتھ معشوق کے چہرے کی بلائیں لیکر کاکل بن گیا۔ میرے عزیزو یہ ایک بڑی لمبی بحث ہے۔ عالم مثال میں ہر شے کی ایک شکل ہے اور خواب میں جو کچھ آپ دیکھتے ہیں اور اس کی تعبیر لیا کرتے ہیں اس میں بھی اس مسئلہ کو بڑا دخل ہے۔ مثلاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دودھ پیا۔ پھر ابوبکر رضؓ کو دیا۔ پھر عمر رضؓ کو دیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ اس دودھ کی تعبیر میں آپ نے فرمایا اوّلتہ علماً دیکھئے علم کو دودھ کی شکل میں دیکھا۔ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خواب میں جو کچھ دیکھا وہ بھی یہی تھا بھائی اور ماں باپ چاند سورج کی شکل میں نظر آئے

عزیز مصر نے خواب میں دبلی اور موٹی گائیں دیکھی تھیں۔ جن سے مراد ارزانی اور خشک سالی وقحط کے سات سال تھے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے حجرے میں دفن ہونے والوں کو چاند کی شکل میں دیکھا۔ بہرحال خلاصہ یہ ہے کہ انسان کے اقوال واعمال ایک شکل اختیار کر لیا کرتے ہیں۔

کافر کی قبر میں ننانوے سانپ

اچھا آپ نے یہ بھی سنا ہے کہ جب کوئی کافر اپنی قبر میں نکیرین کا جواب دینے سے قاصر ہو جاتا ہے تو اس کے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے۔ نکیرین کا سوال تو جانتے ہوان کا سب سے پہلا سوال مردے سے قبر میں یہی ہوتا ہے کہ تیرا رب کون ہے۔ جب قبر میں مردہ آنکھ کھولتا ہے تو عصر کی نماز کا وقت اس کو تنگ معلوم ہوتا ہے وہ گھبرا کر کہتا ہے، مجھ کو نماز پڑھ لینے دو میری نماز قضا ہو جائے گی نکیرین اس کو سمجھاتے ہیں کہ یہ دار العمل نہیں ہے عمل کا سلسلہ ختم ہو گیا اب تو دار الجزا میں ہے۔ بھلا آپ یہ بتا سکتے ہیں کہ عصر کی نماز کا وقت کیوں نظر آتا ہے۔ اجی آپ کیا بتائیں گے۔ آپ کو خبر ہی کیا ہے اگر اہلِ علم کی صحبت نصیب ہوتی تو شاید کچھ بتاتے۔ بھائی چونکہ عصر کا وقت کاروبار کا ہوتا ہے اس وقت اکثر لوگوں کی نماز قضا ہو جاتی ہے۔ جو شخص اس وقت کی نماز کو احتیاط کے ساتھ ادا کرتا ہے تو اس سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ دوسری نمازوں کا بھی خیال رکھتا ہوگا گویا نماز عصر کے لئے اضطراب اور مردے کا گھبرا کر یہ کہنا دعونی اصلی اس امر کی علامت ہوتی ہے کہ یہ شخص نماز کا خیال رکھنے والا اور نماز پڑھنے والا ہے۔

نکیرین کا پہلا سوال

اچھا یہ بات تو بتایئے کہ نکیرین سب سے پہلے یہ سوال کیوں کہتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے۔ نہ سلام نہ دعا نہ یہ دریافت کرنا کہ آپ کا مکان کہاں ہے آپ کے مزاج کیسے ہیں آتے ہی سب سے پہلی بات یہ کہتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ یہ بھی نہ بتا سکیں گے

کیونکہ علم کی بات سے تو آپ کو لگاؤ ہی نہیں۔ میرے عزیزو! یاد رکھو برزخ یونیورسٹی کا سب سے پہلا پرچہ اور سب سے پہلا سوال یہی ہے اور اسی پر دارومدار ہے اگر یہ پرچہ اچھا ہوگیا اور اس میں پورے نمبر آ گئے۔ تو سمجھو امتحان میں کامیاب ہوگیا۔ یہ دنیا ایک کالج یا سکول ہے۔ جہاں اس سبق کو یاد کرنے کے لئے بھیجے جاتے ہو جو میثاق میں پڑھ کر آئے تھے۔ میثاق میں تم نے الست بربکم کا جواب بلیٰ دیا تھا۔ چونکہ سب سے پہلی بات تم کو یہی سکھائی گئی تھی اور اسی کا تم نے وعدہ کیا تھا۔ اور اسی لئے دنیا میں بھیجے گئے تھے کہ اس وعدے کو فراموش نہ کرنا۔ اسی لئے قبر میں سب سے پہلے یہی سوال کیا جاتا ہے۔ گویا یوم میثاق کے وعدے کا امتحان قبر میں لیا جاتا ہے اور اسی امتحان کی کامیابی پر یہ اعلان کیا گیا ہے:۔

اِنَّ الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملئکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا

جو لوگ اللہ تعالیٰ کو اپنا رب کہہ چکے ہیں اور پھر اس وعدے پر استقلال کے ساتھ قائم رہتے ہیں تو ان لوگوں پر اللہ کے فرشتوں کا نزول ہوتا ہے جو اطمینان کی غرض سے ان کے پاس آتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں تم گھبرانا نہیں اور کسی قسم کا خوف نہ کرنا۔

اب تو آپ سمجھ گئے کہ عالم قبر عالم میثاق کی ہی ایک کڑی ہے وہاں جو کچھ کہا تھا اس کو یاد دلانے کے لئے دنیا میں انبیاء تشریف لائے تھے اسی کو قبر میں دریافت کیا جاتا ہے کہ یاد ہے یا فراموش کر گئے۔

حضرت رابعہ بصریہ کا واقعہ

جن کو وہ سبق یاد ہے ان کی کیفیت یہ ہے کہ جب حضرت رابعہ سے قبر میں سوال

لے تحقیق جنہوں نے کہا رب ہمارا اللہ ہے۔ پھر اسی پر قائم رہے ان پر اترتے ہیں فرشتے کہ تم مت ڈرو اور نہ غم کھاؤ۔ ۱۲

کیا گیا تو انہوں نے ملائکہ سے فرمایا میں تو اس کو تمام عمر اپنا رب کہتی رہی۔ مجھ سے کیا پوچھتے ہو۔ مجھے تو یہ بتاؤ کہ اس نے بھی کبھی مجھ کو اپنی بندی کہا یا نہیں۔ اجی ہم تمام عمر رب کہتے رہیں تو کیا ہے۔ ہم کو تو سوائے اس کے چارہ بھی کیا ہے کہ ہم اس کو رب کہیں۔ اور اگر ہم ان کو رب نہ کہیں تو ان کا بگڑتا بھی کیا ہے۔ لیکن سوال تو یہ ہے کہ وہ بھی ہم کو اپنا بندہ کہتے ہیں یا نہیں۔

حضرت ابراہیم بن ادہم

حضرت ابراہیم بن ادہم نے ایک شخص کو خانہ کعبہ کے مطاف میں دیکھا کہ وہ جب لبیک کہتا ہے۔ تو جواب ملتا ہے کہ ہم کو مت پکارو۔ ہم تمہارا جواب دینا نہیں چاہتے۔ تم ہمارے گھر میں کیوں آتے ہو۔ برون درچہ کردی کہ درون خانہ آئی۔ جب ہم تم سے بات کرنا نہیں چاہتے تو تم کیوں آیا کرتے ہو۔ حضرت ابراہیم نے اس شخص کا ہاتھ پکڑ کر کہا جو کچھ میں سنتا ہوں تو بھی سنتا ہے۔ اس نے کہا جناب کئی سال سے میرے ساتھ یہی ہو رہا ہے۔ جب پکارتا ہوں۔ جب ہی بگڑ کر جواب دیتے ہیں۔ حضرت ابراہیم نے کہا پھر تم کیوں آتے ہو۔ جب صاحب خانہ ناراض ہے تو آنے سے کیا فائدہ اس شخص نے ایک ٹھنڈا سانس لے کر کہا ابراہیم سچ کہتے ہو۔ میری خودداری کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جب وہ بات نہیں کرتے تو میں آنا چھوڑ دوں لیکن یہ تو بتاؤ کہ ان کو چھوڑ کر جاؤں کہاں میرا تو سوائے ان کے کوئی ٹھکانا نہیں۔ ان کو تو پکارنے والے بہت مل جائیں گے لیکن میرا تو ان کے سوا کوئی سہارا نہیں ہے ؎

عزیزے کہ از درگہش سر بتافت بہر در کہ رفت ہیچ عزت نیافت

برادران ملت! واقعہ بھی یہی ہے۔ ہمارے رب کہنے سے ان کی عزت افزائی نہیں ہے۔ بلکہ وہ اگر بندہ بنالیں تو ہماری نجات ہو جائے۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

بندہ حسن بصد زباں گفتہ کہ بندۂ توام　　تو بزبان خود بگو بندہ نواز کیستی

اے تو بحسن بادشاہ بندہ نواز کیستی　　پردۂ ما ہمیں دری محرم راز کیستی

یہ حضرت سلطان نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت کا اثر ہے دیکھا آپ نے حضرت حسن نے کس خوبی سے اپنی عاجزی اور بیچارگی کا اعتراف کیا ہے۔

ہاں تو رابعہ بصریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا جواب آپ نے سن لیا اب ذرا شیخ عبد القادر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد گرامی ملاحظہ کیجئے۔ فرماتے ہیں ؎

گر نکیر آید و پرسد کہ بگو رب تو کیست　　گو یم آنکس کہ ربود این دل دیوانۂ ما

حضرت کی طرف ایک دیوان منسوب ہے اس میں آپ کی یہ مشہور غزل ہے ؎

بے حجابانہ درآ از در کاشانۂ ما　　کہ کسے نیست بجز درد تو در خانۂ ما

سبحان اللہ کیا مزے کا اثبات اور کس مزے کی نفی ہے۔ قربان جایئے ؎

فتنہ انگیز شو کاکل مشکیں بکشا　　تاب زنجیر نہ دارد دلِ دیوانۂ ما

مجھے شؤنات مختلفہ کی زنجیروں میں نہ جکڑئیے کبھی میں اکثریت میں مبتلا ہو کر احدیت سے غافل ہو جاؤں۔

خیر صاحب جو لوگ نکیرین کا جواب دینے والے ہیں۔ ان کا تو ذکر ہی کیا کرنا ہے۔ ایک بدنصیب طبقہ وہ بھی ہے جو نکیرین کے جواب میں کہتا ہے ھاھا لا ادری ان کمبختوں کے اس مایوس کن جواب کے بعد اس کی قبر میں ننانوے سانپ مقرر کر دیئے جاتے ہیں بس اب میں دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ یہ ننانوے کی تعداد کیوں ذکر کی گئی۔ دیکھو اللہ تعالیٰ کے نام کتنے ہیں۔ ذرا پڑھو۔ یا اللہ۔ یا رحمٰن یا رحیم یا سلام۔ یا قدوس۔ دیکھو یہ نام ننانوے ہیں۔ کافر چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا منکر ہے۔ اس لئے ہر صفت کے انکار نے ایک سانپ کی شکل اختیار کر لی ہے اب پڑھو حالی کا شعر ؎

ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا   دعائے خلیل و نوید مسیحا

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے الفاظ اور حضرت عیسیٰ کی بشارت کے الفاظ کا نام ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ دیکھا یہ ہے میلاد شریف۔ ایک تمہارے یہ جاہل اور قصہ گو میلاد خواں میلاد پڑھا کرتے ہیں۔ اچھا وہ دعائے خلیل سنئے۔ حضرت خلیل جب وادی غیر ذی زرع کو آباد کر چکے اور اللہ کے گھر کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو ان کو اس آبادی کی روحانی تربیت کی فکر ہوئی۔ رزق کی دعا تو پہلے ہی کر چکے تھے اب فرمایا:

ربنا[1] وابعث فیہم رسولا   اے ہمارے پروردگار اس خلیل نگر میں ایک رسول
منہم یتلوا علیہم ایتک   ان ہی لوگوں میں سے بھیج جو انکو تیری آیتیں پڑھ کر
ویعلمہم الکتب والحکمۃ   سنائے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور
ویزکیہم انک انت العزیز   ان کے اخلاق کی اصلاح کرے۔ اے رب تو
الحکیم۔   غالب بھی اور حکیم بھی ہے۔

یہ الفاظ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہیں۔ جو انہوں نے بنائے کعبہ سے فارغ ہو کر اپنی دعا میں کہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل کی دعا کو لفظ بلفظ پورا کر دیا اور جب اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغام کو مبعوث کیا تو فرمایا:

ھو[2] الذی بعث فی الامیین   اللہ تعالیٰ نے امیوں میں ایک امی رسول بھیجا جو
رسولا منہم یتلوا علیہم آیتہ   ان کو اللہ کی آیتیں سناتا ہے۔ ان کے اخلاق

۱؎ اے پروردگار ہمارے اور بھیج ان میں ایک رسول انہیں میں کا کہ پڑھے ان پر تیری آیتیں اور سکھلا دے انکو کتاب اور تہ کی باتیں اور پاک کرے انکو بیشک تو ہی ہے بہت زبردست بڑی حکمت والا

۲؎ وہی ہے جس نے اٹھایا ان پڑھوں میں ایک رسول انہی میں کا پڑھ کر سناتا ہے ان کو اس کی آیتیں اور ان کو سنوارتا ہے۔ ان کو سکھاتا ہے کتاب اور عقلمندی اور اس سے پہلے وہ پڑے ہوئے تھے صریح بھول میں ۱۲

ویزکیہم ویعلمہم الکتب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلل مبین۔	کی اصلاح کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اس رسول کی تشریف آوری سے پیشتر یہ خلیل آباد کے رہنے والے بڑی گمراہی میں مبتلا تھے۔

جو اوصاف حضرت ابراہیم نے اپنی دعا میں ذکر کئے تھے وہی اوصاف اللہ تعالیٰ نے خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان فرمائے۔ تو حضور کی ذات اقدس کیا ہے۔ حضرت خلیل کی دعا ہے۔ دہلی کے ایک مشہور شاعر مولانا راسخ فرماتے ہیں ؎

سمجھ لیں داعی خیر البریہ جد امجد کو
اسے مدعو خلیل اللہ کی ان کو دعا سمجھیں

اچھا صاحب حضرت مسیح کی بشارت کے الفاظ ملاحظہ کیجئے۔ دیکھئے سورہ صف پارہ اٹھائیسواں۔

واذ قال عیسی بن مریم یبنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصدقا لما بین یدی من التورۃ ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد۔	حضرت عیسیٰ بن مریم نے اپنی قوم سے فرمایا اے بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں توریت جو مجھ سے پہلے نازل ہوئی۔ اس کی تصدیق کرتا ہوں اور ایک آنیوالے رسول کی بشارت دیتا ہوں جن کا اسم گرامی احمد ہوگا۔

اب مطلب یہ ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس بشارت نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا نے ایک شکل اختیار کرلی تھی۔ اور اس شکل کا ہی نام نبی آخر الزماں ہے۔

سلہ اور جب کہا عیسیٰ مریم کے بیٹے نے اے بنی اسرائیل میں بھیجا ہوا آیا ہوں۔ اللہ کا تمہارے پاس تصدیق کرنے والا اس کی جو مجھ سے آگے ہے۔ توریت اور خوشخبری سنانے والا ایک رسول کی جو آئے گا میرے بعد اس کا نام ہے احمد۔ ۱۲

انبیاء اور حکماء کا فرق

یہ بات تو درمیان میں آگئی تھی۔ ورنہ میں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ آپ کے حکماء اور فلاسفر کے پاس تو محض قیاس و تجربات ہیں لیکن انبیاء علیہم السلام کے پاس مشاہدہ اور عین الیقین ہے ان کا فرمان حق ہے اور فلاسفہ کا قول ظن اور وہ ظن بھی وہم آلود یوں سمجھئے کہ اندھوں اور بہروں کا ایک گروہ ہے جو آنکھوں والوں اور کان والوں کا مقابلہ کرنے کی ناکام سعی کر رہا ہے۔ اور تم جیسے احمق ان اندھے بہروں کی تقلید کر رہے ہو۔ حضرت حق نے دونوں گروہوں کی کیا خوب مثال دی ہے۔ فرماتے ہیں دیکھئے ومامن دابۃ بارھواں پارہ۔

مثل الفریقین کالاعمیٰ والاصم[1]	ہر دو فریق کی مثال ایسی ہے جیسے اندھا اور بہرا
والبصیر والسمیع ھل یستویان	آنکھوں والا اور سننے والا۔ کیا یہ دونوں فریق برابر
مثلا افلا تذکرون۔	ہیں کیا تم لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔

اندھوں کا ہاتھی

یہ قصہ تو آپ نے سنا ہوگا کسی گاؤں میں ایک دفعہ ہاتھی آگیا تھا۔ لوگ ہاتھی دیکھنے گئے تو ایک اندھوں کی ٹولی بھی پہنچی اور ہاتھی کو ٹٹول کر دیکھنا شروع کیا۔ کسی نے اس کی دم پکڑ لی اور اس پر خوب ہاتھ پھیر کر سمجھے کہ ہاتھی یہ ہے کسی صاحب نے پاؤں ٹٹول کر ہاتھی کو سمجھا ایک اندھے کے ہاتھ میں سونڈ آگئی۔ انہوں نے کہا اچھا یہ ہاتھی ہے کسی صاحب نے پیٹ پر ہاتھ پھیر کر سمجھا کہ ہاتھی ایک برج اور گنبد کی طرح گول شے ہے کسی نے ہاتھی کے کان ٹٹول کر دیکھا اور یہ سمجھ لیا کہ ہاتھی ایک چھاج کی طرح پھیلا ہوا ہے غرض دیکھ بھال کر واپس آئے۔ اول تو آپس میں تو تو میں میں کرتے رہے ایک نے

---

[1] مثال ان دونوں فرقوں کی جیسے ایک تو اندھا اور بہرا اور دوسرا دیکھتا اور سنتا کیا برابر ہے دونوں کا حال کیا تم غور نہیں کرتے۔ ۱۲

کہا وہ گول ہے۔ ایک نے کہا وہ ستون کی طرح لمبا اور موٹا ہے۔ ایک بولے بانس میں جھاڑو بند ہی تھی۔ غرض اول تو آپس میں ہی یہ الجھتے رہے۔ ایک آنکھوں والے صاحب جو ہاتھی کو دیکھ کر آئے تھے انہوں نے ان سب اندھوں کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن یہ اندھے اس بیچارے کے سر ہو گئے کمبخت آپس میں تو لڑتے ہی تھے اس آنکھوں والے کے سر ہو گئے۔ بولے واہ میاں ہم ٹٹول کر آئے ہیں تم بڑے آئے ہم کو سمجھانے والے۔ وہ آنکھوں والا ان اندھوں کو بہتیرا سمجھاتا ہے قسمیں کھاتا ہے اور کہتا ہے میں ہاتھی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آیا ہوں لیکن یہ اندھے کہاں مانتے ہیں۔ اپنی کہے جاتے ہیں۔ ان کو اپنی ٹٹول اور اندازے پر اتنا یقین ہے کہ آنکھوں والے کی تکذیب کر رہے ہیں۔ میرے عزیزو! اسی چیز کی طرف حضرت حق نے والنجم میں اشارہ کیا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔ افتمٰرونه علیٰ مایریٰ۔ کیا ہمارے پیغمبر سے اس کی آنکھوں دیکھی چیز میں جھگڑا کرتے ہو تم نے ایک چیز دیکھی نہیں اس نے دیکھی ہے۔ تم اس سے جھگڑا کرتے ہو جس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی رائے اور قیاس سے مشاہدہ کو شکست دینا چاہتے ہو۔

نبی کریمؐ کے مشاہدات

وہ کہتا ہے۔ سات آسمان ہیں میں ہر ایک آسمان پر گیا ہوں۔ ہر آسمان پر مختلف انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے میں نے ملاقاتیں کی ہیں۔ تم کہتے ہو آسمان کوئی چیز نہیں ہے یہ تو محض حد نظر ہے۔ وہ کہتا ہے جنت اور دوزخ کا وجود ہے۔ تم کہتے ہو جنت اور دوزخ کوئی چیز نہیں ہے۔ وہ کہتا ہے مرنے کے بعد دوبارہ جینا ہے عالم برزخ میں نکیرین سے سوال وجواب ہوتا ہے تم کہتے ہو غلط ہے نہ روح باقی رہتی ہے نہ جسم باقی رہتا ہے۔ وہ کہتا ہے میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں فلاں شخص عذاب میں مبتلا ہے۔ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں جعفر طیار کے جنگ میں ہاتھ کٹ گئے تھے

اللہ تعالیٰ نے ان کو دو پر عطا کر دیئے ہیں۔ اور وہ فرشتوں کے ساتھ اڑ رہے ہیں۔

بیر معونہ کے شہداء کی ارواح کو میں دیکھ رہا ہوں وہ کہہ رہی ہیں۔

بلغوا عنا قومنا انا قد لقینا	ہماری قوم کو یہ پیغام پہنچا دو کہ ہم نے اپنے رب
ربنا فرضی عنا و رضینا	سے ملاقات کر لی۔ وہ ہم سے راضی ہو گیا اور
عنہ۔	ہم اس سے راضی ہیں۔

حضرت جابرؓ سے فرماتے ہیں۔ تیرے باپ کو اللہ تعالیٰ نے بے حجاب حاضری کا موقع دیا۔ اور اس سے اس کی خواہش دریافت کی تو اس نے عرض کیا مجھے ایک دفعہ پھر دنیا میں بھیج دیجئے۔ تاکہ آپ پر سے قربان ہو جاؤں اور ایک دفعہ شہادت کی لذت سے پھر آشنا ہو کر آؤں۔ ارشاد ہوا۔ عبداللہ یہ نہیں ہوگا۔ ہم دنیا سے اٹھا لینے کے بعد دوبارہ نہیں بھیجا کرتے۔

عبداللہ بن ابو احد کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔ ملائکہ اس کی روح کو جس تخت پر لے جا رہے ہیں۔ اس تخت کا ایک پایہ جھکا ہوا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب جنگ میں اس نے جھنڈا لیا ہے تو اس کے قلب میں نامناسب کوئی خطرہ گذرا تھا۔ جس کی وجہ سے یہ سلوک کیا گیا ہے۔ وہ کہتا ہے۔ میں ایک شخص کو جنت میں دیکھ کر آیا ہوں کہ وہ بے فکر جنت میں لوٹ لگا رہا تھا۔ میں نے جبریل سے دریافت کیا۔ یہ کون شخص ہے جو جنت کے فرش پر بے فکری اور مسرت کے ساتھ کروٹیں بدل رہا ہے۔ جبریلؑ نے مجھ سے کہا اس شخص نے راستے میں سے ایک کانٹوں دار درخت کو کاٹ کر پھینک دیا تھا۔ اس درخت سے راستہ چلنے والوں کو سخت تکلیف ہوتی تھی ہر شخص کی ٹوپی اور عمامہ کانٹوں میں الجھ جاتا تھا۔ چونکہ اس نے راہگیروں کی تکلیف دور کی تھی۔ اس لئے اس کو یہ صلہ دیا گیا ہے۔ وہ کہتا ہے چغلخوروں کے کلّے چیرے جا رہے ہیں فرشتے آنکڑا ڈال کر ایک طرف کا کلّہ چیر دیتے ہیں جب وہ دوسرا کلّہ چیرتے ہیں تو

پہلا کلمہ درست ہو جاتا ہے۔ یہ چیلنو راسی طرح عذاب میں مبتلا ہے۔ وہ کہتا ہے سود خوار ایک خون کی نہر میں غوطے کھا رہا ہے جب وہ کنارے پر پہنچتا ہے تو فرشتے اس کے منہ پر تھپڑ مار کر پھر اسے خون کی نہر میں جانے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ وہ کہتا ہے۔ زانی مرد اور زانیہ عورتیں آگ کے تنور میں عذاب کئے جا رہے ہیں۔ آپ ان تمام باتوں پر ہنستے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ جب روح باقی نہیں رہتی اور جسم خاک میں ملجاتا ہے تو یہ عذاب و ثواب کس کو ہوتا ہے۔ کینٹ تو اس قسم کی زندگی کا انکار کرتا ہے اور نیٹشے توجات ثانیہ کا قائل نہیں ہے۔ اور منوجی تو انسان کو مختلف جونوں میں آنے کا فتوے دیتے ہیں اور بقراط تو اسی دنیا کو جنت دوزخ کہتا ہے۔ اور عنایت اللہ مشرقی تو انگریزوں کو جنتی کہتا ہے کیونکہ ان کو دنیا میں ہر قسم کا عیش حاصل ہے اب میں آپ سے دریافت کرتا ہوں کہ جناب کے پاس مضحکہ خیز قیاسات ہیں اور اللہ کے پیغمبر کے نزدیک عینی مشاہدہ ہے تو آپ کے کینٹ اور نیوٹن کی بات مانی جائے یا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مانا جائے۔ افتمٰرونہ علیٰ مایریٰ۔ اور میں تو عرض کرتا ہوں۔ اللہ کے پیغمبر جس یقین کے ساتھ ماضی کے واقعات بیان کرتے ہیں اسی اذعان ولقین کے ساتھ مستقبل کے واقعات بھی بیان کرتے ہیں۔

دنیا کی تاریخ

آج کل یورپ اور اس کے مقلدوں کو اس پر ناز ہے کہ انہوں نے سات آٹھ ہزار برس کی تاریخ بنالی ہے گویا جس زمانہ میں تاریخ نویسی کا فن دنیا میں نہ تھا اس زمانہ کی تاریخ بھی دانایان یورپ نے مرتب کر لی ہے لیکن یہ تاریخ کی ترتیب جس طرح ہوئی ہے اور جن جذبات کے ماتحت یہ تاریخیں مرتب کی گئی ہیں وہ ظاہر ہیں۔ اور چیزوں کو جانے دیجئے ہندوستان کی تاریخ اور بالخصوص مسلمانوں کے عہد حکومت کی تاریخ جس طرح مرتب کی گئی ہے اس کی داستان تو ایک المناک چیز ہے۔ انہی تاریخوں کا یہ کرشمہ ہے کہ ہندوستان سے تفریق

اور باہمی بداعتمادی مٹنے کا نام نہیں لیتی۔ مسلمانوں کی تاریخ اتنی بگاڑی گئی ہے کہ مسلمان صفائی پیش کرتے کرتے تنگ آ گئے ہیں۔ لیکن ہندوؤں کا اعتماد حاصل ہونے میں نہیں آتا۔ مظالم کے اتنے فرضی قصے اور خونی داستانوں کی اتنی بھرمار ہے کہ ایک ہندو جب ان تاریخوں کو پڑھتا ہے تو اس کی آنکھوں میں خون بھر آتا ہے۔ اسی طرح ہندوؤں کی غداری۔ بیوفائی اور نمک حرامی کے اتنے قصے ان تاریخوں میں درج ہیں کہ جب مسلمان ان کو پڑھتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ ہندوؤں سے بڑھ کر کوئی میرا اور میری سلطنت کا دشمن نہیں ہے۔ یہ حال تو ہندوستان کی تاریخ کا ہے جبکہ تاریخ نویسی کا فن جاری ہو چکا تھا۔ رہا وہ زمانہ جبکہ تاریخ نویسی کا فن ہی موجود نہ تھا اس زمانہ کی تاریخ کا مبنیٰ بھی قیاس فاسد اور ظنیات پر ہے آپ کو معلوم ہے یورپ نے یہ تاریخ کس طرح مرتب کی ہے کوئی قبرستان کھودا اس میں کوئی کتبہ مل گیا۔ نالندا کی زمین کھود کر اس زمانہ کی کوئی عمارت نکال لی۔ وہاں سے کچھ مٹی کے برتن مل گئے کچھ سکے مل گئے ان کی تاریخ بن گئی یعنی اب سے دو ہزار برس پہلے گیا میں مٹی کے برتن نہایت نفیس بنا کرتے تھے مصر کے قبرستان کھودے تو فراعنہ مصر اور مرامسۂ مصر کی تاریخ بنالی۔ غرض یورپ کی تمام تاریخ یا تو گورستان و قبرستان کی مرہون منت ہے یا نالندہ اور ٹکسلہ کے دفائن سے مرتب کی گئی۔ یا بابل اور عراق کی زمینوں سے بنائی گئی ہے یا سائنس کے چند نظریوں پر اس تاریخ کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ غرض پوری کی پوری مایۂ ناز تاریخ اس قابل نہیں کہ کوئی سچا اور صحیح الخیال انسان اس پر اعتماد کر سکے۔ کہنے کو تاریخ ہے اور یورپ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے اس زمانہ کی تاریخ مرتب کر لی جس زمانہ میں کوئی تاریخ نویسی کا دستور نہ تھا لیکن اس تاریخ میں زیادہ سے زیادہ ماضی کے واقعات مرتب کئے گئے ہیں۔ وہ جھوٹے ہوں یا سچے لیکن ایسے سچے جن پر کوئی اصل یا قاعدہ مرتب نہیں کیا جا سکتا۔

انبیاء علیہم السلام کی تاریخ

اس کے مقابلہ میں ان واقعات کو لیجئے جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمائے ہیں وہ واقعات نہ صرف ماضی کے ہیں بلکہ مستقبل کے بھی ہیں۔ آپ کا یورپ باایں ہمہ ترقی اور ہوا بازی کے وہاں تک نہیں پہنچا۔ اس کو ان واقعات کی ہوا بھی نہیں لگی۔ جہاں انبیاء علیہم السلام کی نگاہیں پہنچی ہوئی ہیں۔ تم نے تو ابھی مادیات میں بھی پوری ترقی نہیں کی۔ تمہیں ابھی کیا خبر ہے کہ مادیات میں کتنی قوتیں پوشیدہ ہیں جہاں ابھی تک تمہاری عقل کی رسائی بھی نہیں ہوئی۔

مادیات و روحانیات کا فرق

حضرات! جب اب تک مادیات کی ترقی بھی غیر مکمل ہے تو بھلا روحانیات میں ان کی معلومات کیا ہو سکتی ہیں۔ وہ تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی کا حصہ ہے۔ اول تو ان مادی لوگوں اور مادہ پرستوں کو روحانیت سے کوئی دلچسپی بھی نہیں اور اگر ہوتی بھی تو ان کے کیا خاک پلے پڑتا۔ عالم مجردات تو بہت دور ہے یہ تو اس روح کا بھی فیصلہ نہیں کر سکے جو ان کے مادی جسم میں عرصہ تک مقید رہتی ہے جبکہ ان کی عقل روح کے ادراک سے عاجز ہو گئی تو انہوں نے یہ کہہ کر پیچھا چھڑایا کہ روح کوئی چیز نہیں ہے بلکہ خون کی حرکت کا نام روح ہے۔

صاحبو! میں پھر کہتا ہوں کہ یہ کام صرف انبیاء علیہم الصلوٰۃ کا ہے وہ روحانیات پر تو تمامہ عبور رکھتے ہی ہیں۔ اور مادیات اگرچہ ان کے وظیفہ سے خارج ہے اور ان کو اس کی جانب کوئی اعتنا نہیں ہے اور ان کا اعلان بھی ہے۔

انتم اعلم بامور دنیاکم۔ اپنی دنیا کی باتیں تم مجھ سے زیادہ جانتے ہو۔

لیکن باایں ہمہ مادیات میں بھی ان کی معلومات ان مادہ پرستوں سے بہت زیادہ ہیں اس مسئلہ تاریخ کو ہی لیجئے آپ کی تاریخ صرف واقعات ماضیہ کو مشتمل ہے اور وہ بھی

محض قیاسی لیکن انبیاء علیہم السلام کی تاریخ جس طرح ماضی کو شامل ہے اسی طرح مستقبل کو بھی شامل ہے۔ اب آپ فرمایئے آپ کو کونسے واقعات سناؤں۔ ماضی کے یا مستقبل کے؟ کیا آپ کو یہ بات بتاؤں کہ قیامت میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے کیا بات کریگا، کیا آپ کو یہ بتاؤں کہ قیامت میں سب سے آخر دوزخ سے نکل کر جو شخص جنت میں جائیگا اس کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔ اچھا جانے دیجئے آپ کو یہ بتاؤں جب اہل جنت اور اہل دوزخ کی ملاقات ہوگی تو کیا گفتگو ہوگی؟ آپ یہ سننا چاہتے ہیں کہ جو مسلمان دوزخ میں ہونگے جب ان کو جنتی مسلمان دیکھیں گے تو کیا کہیں گے اور وہ کیا جواب دیں گے بولو بھائی! کیا سننا چاہتے ہو۔ کہو تو یہ بتاؤں جب قبروں سے اٹھو گے تو کیا کہتے ہوئے اٹھو گے کہو تو اس شخص کا قصہ سناؤں جس کو فرشتے دوزخ میں لیجا رہے ہونگے۔ اور حضرت آدم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو توجہ دلاکر اس کی شفاعت کرائیں گے اگر آپ فرمائیں تو اہل دوزخ کی باہمی نوتو میں میں کا قصہ سناؤں۔ صاحبو! مجھے تو مستقبل کی تمام تاریخ معلوم ہے اور ایسے شخص کی مرتب کی ہوئی معلوم ہے جس کی صداقت و امانت پر اسکے دشمن بھی گواہ ہیں۔ اگر آپ فرمائیں تو ماضی کی تاریخ سنانی شروع کروں۔

اولاد آدم کی پیدائش

آپ کو معلوم ہے کہ آپ جتنے حضرات تشریف رکھتے ہیں۔ آپ سب کو اللہ تعالیٰ نے یوم میثاق میں پیدا کر کے آپ کے والد بزرگوار کے سامنے پیش کیا تھا۔ اس تمام انسانی دنیا کو جو آدم کی صلب سے پیدا ہونے والی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے پیدا کر کے آدم کے روبرو پیش کر دیا تھا۔ اس وقت آپ چھوٹی چھوٹی چیونٹیوں کی طرح اپنے باپ کے سامنے پھیلے ہوئے تھے۔ اور اسی وقت دوزخیوں اور جنتیوں میں ایک امتیاز بھی پیدا کر دیا گیا تھا۔ اور آپ کے باپ کو دکھا دیا گیا تھا کہ تیری اولاد میں سے یہ لوگ دوزخ میں جائیں گے۔ اور یہ لوگ جنت میں جائیں گے۔ بائیں طرف دوزخیوں کو

جگہ دی گئی تھی۔ اور دائیں طرف جنتیوں کو۔ آپ کے والد مرحوم جب دوزخی اولاد کو دیکھتے تو ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آتے تھے اور جب جنتی اولاد کو دیکھتے تھے تو خوش ہوتے تھے۔ حضرت حق نے اس وقت آپکے باپ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

هولاء للجنة ولا ابالی وهولاء للنار ولا ابالی۔ یہ دائیں سائڈ والے جنت کیلئے ہیں اور یہ بائیں طرف والے دوزخ کیلئے ہیں اور مجھے کوئی پروا نہیں۔

یعنے نہ تو اہل جنت کو جنت میں بھیجنے کی مجھے پرواہ ہے، اور نہ اہل دوزخ کو دوزخ میں بھیجنے کی کوئی پرواہ ہے نہ اس معاملہ میں کوئی دخل دینے والا ہے نہ اس معاملہ میں کوئی مداخلت کرنیوالا ہے۔ آپ کو یہ بھی یاد ہے جب آپکے والد مرحوم اپنی اولاد کو ملاحظہ کر رہے تھے تو اس وقت انہوں نے ایک شخص کے متعلق دریافت کیا تھا الٰہی یہ کون شخص ہے ارشاد ہوا اس کا نام داؤد ہوگا اور یہ پیغمبر ہوگا۔ آپکے والد نے دریافت کیا میرے اس بچے کی عمر کیا ہوگی ارشاد ہوا اسکی عمر ساٹھ سال ہوگی۔ پھر آپ کے والد نے دریافت کیا الٰہی میری عمر کتنی ہوگی۔ ارشاد ہوا ایک ہزار سال یہ سنکر آدم نے عرض کیا الٰہی میں اپنی عمر سے چالیس سال اس اپنے بیٹے داؤد کو دیتا ہوں اس کی عمر پوری سو سال کر دیجئے۔ حضرت آدم کا یہ ہدیہ قبول کر لیا گیا۔ چنانچہ جب دنیا میں حضرت آدم کی وفات کا وقت آیا تو ملک الموت چالیس سال پہلے قبض روح کے لئے تشریف لے آئے۔ حضرت آدم نے فرمایا۔ ملک الموت ابھی تو میری زندگی کے چالیس سال باقی ہیں۔ تو ان کو کہا گیا کہ جناب یہ سال تو آپ حضرت داؤد کو دے چکے ہیں لیکن آدم نے انکار کر دیا اور کہا مجھے تو ایسا کوئی واقعہ یاد نہیں۔ اگرچہ اس کے بعد حضرت آدم کی عمر پوری کر دی گئی۔ اور حضرت داؤد کو بھی پورے سو سال عنایت کئے گئے لیکن ارشاد ہوا کہ آدم بھول گیا۔ اس کی اولاد بھی بھولا کرے گی آئندہ سے لین دین کے وقت کتابت کر لی جایا کرے۔

قرآن کا قرض ایکٹ

چنانچہ قرآن شریف میں تو پورا ایک باب ہے جس میں تمسک لکھنے کا طریقہ اور گواہی کی شکل کو مفصل بیان کیا گیا ہے۔ اسی باب میں رہن بالقبض کی بحث ہے لیکن میں اس کو چھوڑ دیتا ہوں کبھی آپ یہ کہنے لگیں کہ وعظ میں لین دین کا ذکر اور عرائض نویسی یا تمسک کا ذکر کہاں سے آگیا، کیونکہ تم تو یہی جانتے ہو کہ قرآن میں صرف روزے نماز کا ذکر ہوگا۔ قرآن میں سیاسی یا اقتصادی باتیں کہاں سے آئیں رہیں تو اس ذکر کو چھوڑ دیتا ہوں لیکن تم کو بتاتا ہوں سورۂ بقر کے آخری رکوع سے پہلا رکوع گھر جاکر پڑھ لینا تاکہ تم کو معلوم ہو جائے کہ قرآن میں کیا ہے۔ رکوع کی ابتداء ان الفاظ سے ہوتی ہے۔

یا ایہا الذین امنوا اذا تداینتم بدین الی اجل مسمی فاکتبوہ	اے مسلمانو! جب تم آپس میں قرض کا لین دین کیا کرو تو کاغذ لکھ دیا کرو۔

تم خدا کے کلام کو بھی اپنے ذوق کا بنانا چاہتے ہو اور یہ چاہتے ہو کہ صرف ان چیزوں کا نام قرآن رکھ دیا جائے جو حکومت برطانیہ کی منشاء کے خلاف نہ ہو۔

حضرت داؤد، آدم علیہما السلام کی مناسبت

جہاں تک واقعہ کا تعلق تھا۔ وہ میں نے عرض کر دیا لیکن یہ بھی جناب کو معلوم ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی تمام اولاد میں سے حضرت داؤد کو کیوں اختیار کیا اور اپنی عمر کا ایک حصہ حضرت داؤد کو کیوں ہبہ کیا حضرت آدم اور حضرت داؤد میں ایک ابوۃ و نبوۃ کی مناسبت تو تھی ہی لیکن ایک مناسبت اور بھی تھی اور وہ حضرت آدم اور حضرت داؤد علیہما السلام دونوں کا ایک لغزش میں مبتلا ہونا اور اس لغزش کی بناء پر عرصہ تک گریہ و زاری کرتے رہنے کے بعد معافی کا اعلان ہونا لغزش اور اس کا اعتراف اور اس پر اظہار افسوس اور معافی کا اعلان یہ وہ خصوصی

سلہ اے ایمان والو! جب تم آپس میں معاملہ کرو ادھار کا کسی وقت مقرر تک تو اس کو لکھ لیا کرو۔

اشتراک ہے جو حضرت آدم اور حضرت داؤد علیہما السلام کی زندگی میں خصوصیت کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ حضرت آدم کی لغزش تو مشہور ہی ہے اس پر جن الفاظ میں اظہار افسوس کیا گیا ہے وہ قرآن داں حضرات پر پوشیدہ نہیں ہے۔

ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخسرین[۱]	اے رب ہمارے ہم نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے اور اگر تو ہم پر رحم نہ کرے اور ہمارے گناہ کی بخشش نہ کرے تو ہم سخت زیاں کار ہوں گے۔

جن الفاظ میں معافی کا اعلان ہوا وہ بھی سن لیجئے۔

ثم اجتبٰہ ربہ فتاب علیہ وھدی۔[۲]	پھر اس کے رب نے اس کی توبہ قبول کرلی اس کو برگزیدہ کیا اور حقیقی ہدایت کا اس کو مالک بنا دیا۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنی لغزش پر جن الفاظ میں اظہار ندامت کیا ہے۔ وہ حسب ذیل ہیں:-

وظن داؤد انما فتنہ فاستغفر ربہ وخر راکعا واناب۔[۳]	حضرت داؤد یہ سمجھ گئے کہ وہ امتحان میں مبتلا کر دیئے گئے۔ انہوں نے اپنے رب سے مغفرت طلب کی اور سجدے میں گر گئے اور خدا کی طرف رجوع ہوئے۔

لغزش کو معاف کر دینے اور خطا سے درگزر کرنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے:-

---

سلہ بولے وہ دونوں اے رب ہمارے ظلم کیا ہم نے اپنی جان پر اور اگر تو ہم کو نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ضرور ہو جائیں گے تباہ۔

سلہ پھر نواز دیا اس کے رب نے پھر متوجہ ہوا اس پر اور راہ پر لایا۔

سلہ اور خیال میں آیا داؤد کے کہ ہم نے اس کو جانچا پھر گناہ بخشوانے لگا اپنے رب سے اور گر پڑا جھک کر اور رجوع ہوا۔

فغفرنا له ذلك وان له عندنا لزلفیٰ وحسن مآب[1] — ہم نے داؤد کو معاف کر دیا داؤد ہماری نگاہ میں ذی مرتبہ ہے اور بلند مقام کا مالک ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی لغزش

حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق تو یہ بات ظاہر ہے کہ انہوں نے شجرۂ ممنوعہ کا کچھ حصہ کھا لیا تھا۔ لیکن حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق مختلف اقوال ہیں جن میں سے اکثر کا مبنیٰ اسرائیلیات ہے۔ بالخصوص اوریا کے واقعہ میں تو اعتدال سے تجاوز کیا گیا ہے۔ ان اقوال مختلفہ میں سب سے زیادہ جو امر صاف اور سہل ہے وہ یہ ہے کہ سیدنا داؤد علیہ السلام کے روبرو جب مدعی اور مدعا علیہ حاضر ہوئے اور مدعی نے اپنا عرضی دعوے پڑھ کر سنایا تو وہ وقت یا وہ دن حضرت داؤد علیہ السلام کی عبادت کا تھا۔ لیکن یہ دونوں خصمان اس جرأت و دلیری سے حضرت داؤد کے سامنے جا پہنچے کہ وہ ان کے داخلہ سے بہت متاثر ہوئے۔ حضرت داؤد ابھی متاثر ہی تھے اور اس حیرت میں تھے۔ کہ یہ کس طرح آ گئے اور باوجود پولیس کی نگرانی کے یہ میری عبادت کے اوقات میں کس طرح آ پہنچے کہ ان دونوں میں سے ایک نے اپنا استغاثہ پڑھنا شروع کر دیا اور استغاثہ سے پیشتر حضرت داؤد سے یہ بھی کہہ دیا۔

فاحکم بیننا بالحق ولا تشطط واھدنا الیٰ سواء الصراط[2] — انصاف کے ساتھ ہمارا فیصلہ کر دیجئے فیصلہ میں کوئی رعایت نہ کی جائے اور ہم کو سیدھے راستہ کی ہدایت کی جائے۔

حضرت داؤد اس ماحول اور اس انداز گفتگو سے متاثر ہوئے اور مدعا علیہ کا

---

[1] پھر ہم نے معاف کر دیا اس کو وہ کام اور اس کیلئے ہمارے پاس مرتبہ ہے اور اچھا ٹھکانا۔

[2] سو فیصلہ کر دے ہم میں انصاف کا اور دور نہ ڈال بات کو اور بتلا دے ہم کو سیدھی راہ۔

بیان سننے اور اس کو صفائی کا موقع دینے یا مدعی سے بینہ طلب کرنے سے پیشتر ہی حضرت داؤد نے فیصلہ صادر کر دیا اور فرمایا:۔

لقد ظلمک بسوال نعجتک الی نعاجہ وان کثیرا من الخلطاء لیبغی بعضھم علی بعض ۔ تیری دنبی کو اپنی دنبیوں میں ملانے کا مطالبہ کرنے والا تجھ پر ظلم کرتا ہے اور اکثر شرکاء کی یہی حالت ہے کہ وہ اپنے شریک پر خواہ مخواہ زیادتی کرتے ہیں۔

بس ایک منصف اور خلیفہ فی الارض کی یہی وہ لغزش تھی۔ جس پر مواخذہ کیا گیا اور مواخذہ بھی سختی کے ساتھ کیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت داؤد عرصہ تک گریہ وزاری میں مصروف رہے اور اس کے بعد معافی کا اعلان کیا گیا یا یوں کہئے کہ جب یہ دونوں متخاصمین دیوار پھاند کر حضرت داؤد کے قریب پہنچے اور انہوں نے ایک خلیفۂ وقت سے اس کے مرتبہ اور تعظیم کے خلاف گفتگو شروع کی۔ تو داؤد علیہ السلام اس سے بہت متاثر ہوئے۔ لیکن انہوں نے صبر و تحمل سے کام لیا۔ البتہ فیصلہ سناتے وقت اتنی لغزش ہوئی کہ بجائے ظالم کو خطاب کرنے اور اس کو ظالم کہنے کے آپ نے مظلوم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ لقد ظلمک بسوال نعجتک الی نعاجہ

اس تخاطب میں ایک گونہ طرفداری اور جنبہ داری کا ایہام ہوتا تھا۔ جس پر حضرت داؤد کو احساس ہوا اور وہ سمجھے کہ میرا امتحان لیا گیا۔ اور افسوس ہے امتحان میں کامیاب نہیں ہوا۔ بڑے لوگوں کے لئے اتنی ہی لغزش کافی تھی۔ ھکذا قال العلامۃ التھانوی دامت برکاتہ۔

سلہ بولا وہ بے انصافی کرتا ہے تجھ پر کہ مانگتا ہے تیری دُنبی ملانے کو اپنی دنبیوں میں اور اکثر شریک زیادتی کرتے ہیں ایک دوسرے پر۔

حضرت آدمؑ کو ملائکہ کا سجدہ کرنا

حضرات! واقعات ماضیہ اور گذشتہ تاریخ کا ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جن کے پیدا کرنے کا پہلے اعلان ہو چکا تھا مسجود ملائک بنائے گئے۔ کائنات میں اس وقت بہترین مخلوق ملائکہ ہی تھے اور ان سے کہا گیا اسجدوا لآدم۔ اس سجدے کی غرض وغایت اگرچہ حضرت آدم کی عظمت اور خلیفۃ اللہ کی بزرگی کا اعلان واظہار بتایا جاتا ہے لیکن بڑی بات یہ بھی تھی کہ حضرت آدم کے سامنے ملائکہ کو سربسجود کر دینے کے بعد اولاد آدم کو کسی کے سامنے سجدہ کرنے کی گنجائش باقی نہ رہے اور آدم کی اولاد اس امر کا خیال رکھے کہ ہم اس باپ کے بیٹے ہیں جس کے سامنے خدا کی بہترین مخلوق سجدہ کر چکی ہے ہمیں اب کسی کے سامنے جھکنا نہیں چاہئے اگر حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی معاذ اللہ کسی انسان سے سجدہ کی خواہش کریں تو وہ ان کو صاف جواب دیدے کہ آپ تو میرے باپ کے سامنے سجدہ کر چکے ہیں میں اسی باپ کا تو بیٹا ہوں میں آپ کے سامنے کس طرح سجدہ کر سکتا ہوں اور جب فرشتے ہی اس لائق نہ ہو کہ ان کو سجدہ کیا جائے تو دوسری مخلوق کب اس قابل ہو سکتی ہے کہ اس کے سامنے انسان کی پیشانی جھکائی جائے۔

سجدہ یا حلف وفاداری

برادران ملت! جس کو سجدہ کہا گیا ہے وہ آج کل کی اصطلاح میں حلف وفاداری ہے حقیقت یہ ہے کہ حضرت آدم کو پیدا کرنے اور اپنا خلیفہ بنانے کے بعد کائنات کے بہترین افراد سے کہا گیا کہ آدم کے سامنے حلف وفاداری اٹھاؤ جب خدا کی بہترین مخلوق نے حلف کر لیا اور ارباب حل وعقد نے اطاعت قبول کر لی تو اس کے بعد پھر کسی کی کیا مجال کہ کوئی فرد سرتابی کر سکے یہ اس حلف وفاداری ہی کا نتیجہ ہے کہ انسان کائنات کے ذرے ذرے پر حکمرانی کر رہا ہے ابھی جو میں حیوانات ونباتات کی تسخیر

وتذلیل کا ذکر کرچکا ہوں اور عالم علوی وسفلی کی خدمات کو بیان کرچکا ہوں وہ کیا ہے۔ اسی حلف ووفاداری کا نتیجہ تو ہے۔ ملائکہ بھی اس خدمات انسانی میں کائنات کے دوسرے اجزاء اور دوسرے افراد کے ساتھ شریک ہیں۔ سورۂ والنزعات میں ان اہل خدمت ملائکہ کو مدبرات امور سے تعبیر کیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

فالمدبرات امرًا خدا کے حکم سے مخلوق کے کام بناتے ہیں۔

بعض حضرات نے ان مدبرات امور سے صلحاء اور اولیاء اللہ کی ارواح طیبہ مراد لی ہیں بعض نے فقط ملائکہ کو ہی مراد لیا ہے اور اپنے اکابر کا میلان ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ملائکہ اور ارواح طیبہ دونوں کو مدبرات امور میں داخل کرتے ہیں۔ کما صرح بہ الشہید رحمہ اللہ تعالیٰ فی منصب الامامۃ جو ملائکہ تدبیر امور سے مستثنےٰ ہیں وہ مسلمانوں کیلئے دعا کرتے رہتے ہیں اور اگر تدبیر امور کو عام کیا جائے اور انہیں مسلمانوں کی دعا کو بھی شامل کرلیا جائے تو پھر یہ مطلب ہوگا کہ جملہ ملائکہ تدبیر امور میں مصروف ہیں اور اگر تدبیر امور کو عام نہ کیا جائے تو یہ مطلب ہوگا کہ بعض ملائکہ فقط مسلمانوں کیلئے دعا کرتے رہتے ہیں اور بعض نوع انسانی کی دیگر خدمات انجام دیتے رہتے ہیں اس تقدیر پر دعا مسلمانوں کیلئے مخصوص ہوگی اور باقی خدمات کا تعلق عام انسانوں کے ساتھ ہوگا۔

آیات قرآنی کو مدنظر رکھتے ہوئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تدبیر امور عام ہے جس میں استغفار بھی شامل ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ مسلمانوں کے لئے استغفار کرنا ان ملائکہ مقربین کے سپرد ہے۔ جو عرش الٰہی یا عرش الٰہی کے آس پاس رہتے ہیں چنانچہ سورۂ مؤمن میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

الذین[۲] یحملون العرش ومن حولہ یسبحون بحمد ربھم ویستغفرون

---

[۱] پھر کام بنانے والوں کے حکم سے۔

[۲] جو لوگ اٹھا رہے ہیں۔ عرش کو اور جو اس کے گرد ہیں پاکی بولتے ہیں اپنے رب کی خوبیاں

للذین امنوا۔ ربنا وسعت کل شئ رحمۃ وعلما فاغفر للذین تابوا واتبعوا
سبیلک وقہم عذاب الجحیم۔ ربنا وادخلہم جنت عدن التی و
عدتہم ومن صلح من اٰبائہم وازواجہم وذریتہم انک انت
العزیز الحکیم وقہم السیاٰت ومن تق السیاٰت یومئذ فقد
رحمتہ وذلک ہو الفوز العظیم۔

یہ وہ دعا ہے جو مسلمانوں کے لئے ملائکہ مقربین کیا کرتے ہیں۔ اے پروردگار
تیری رحمت اور تیرا علم تو ہر شے سے وسیع تر ہے جو بندے تیری طرف رجوع
کرتے ہیں اور تیرے راستہ کی پیروی کرتے ہیں۔ ان کی مغفرت کر دیجئے۔ اور ان کو
دوزخ سے بچا لیجئے۔ اے پروردگار ان لوگوں کو جنت میں داخل کر دیجئے آپ
نے جس جنت کا مسلمانوں سے وعدہ کیا ہے۔ اس میں ان کو داخل کر دیجئے۔ اور
ان کی اولاد اور ان کے باپ دادا جو نیک ہوں ان سب کو جنت میں داخل کر
دیجئے۔ اور ان کو ہر قسم کی برائی سے بچا لیجئے جس کو آپ نے قیامت کے دن برائی
سے بچا لیا۔ اس پر آپ کی انتہائی رحمت اور انتہائی فضل ہوا کسی مسلمان کا عذاب
سے بچ کر جنت میں داخل ہو جانا بہت بڑی کامیابی ہے اس صورت میں ملائکہ مقربین

۴ اور اس پر یقین رکھتے ہیں۔ اور گناہ بخشواتے ہیں۔ ایمان والوں کے اے پروردگار ہمارے
ہر چیز سمائی ہوئی ہے۔ تیری بخشش اور خبر میں سو معاف کر ان کو جو توبہ کریں اور چلیں
تیری راہ پر اور بچا ان کو آگ کے عذاب سے اے رب ہمارے اور داخل کر ان کو سدا
بسنے کے باغوں میں جن کا وعدہ کیا تو نے ان سے اور جو کوئی نیک ہو ان کے باپوں میں
اور عورتوں میں اور اولادمیں بے شک تو ہی ہے زبردست حکمت والا اور بچا ان کو برائیوں
سے اور جس کو تو بچائے برائیوں سے اس دن اس پر مہربانی کی تو نے اور یہ جو ہے یہی ہے
بڑی مرادیابی۔

دعا کرنے والے ہیں۔ اور مدعولہم الذین امنوا ہیں۔ سورہ شوریٰ میں ارشاد فرماتے ہیں۔ والملٰئکۃ یسبحون بحمد ربہم ویستغفرون لمن فی الارض۔ سورہ شوریٰ میں استغفار کو تمام بنی نوع انسانی کے لئے ذکر کیا گیا ہے۔ اگرچہ اس عموم پر استغفار میں کفار بھی داخل ہیں لیکن طلب مغفرت کی نوعیت مختلف ہے۔ کما لا یخفیٰ علیٰ اہل العلم بہرحال یہ اسی حلف وفاداری کا نتیجہ ہے کہ نہ صرف عالم سفلی اور عالم علوی آپ کی خدمت میں مصروف ہیں بلکہ ملاء اعلیٰ کے مقدس فرشتے بھی انسانی ضروریات کی تدابیر میں مشغول ہیں۔

یوم میثاق کے دو اقرار نامے

برادران ملت! میں آپ سے کہا کرتا ہوں کہ لٹریچر کی کمی نہیں ہے

خدا کی قسم میرے سامنے ایک سمندر موجیں مار رہا ہے میں بیان کرتے کرتے تھک جاتا ہوں۔ میرا دماغ اور سینہ بیکار ہو جاتا ہے کبھی حافظہ جواب دیدیتا ہے لیکن اس سمندر میں ایک قطرہ کم نہیں ہوتا۔ اسلامی لٹریچر کی کمی نہیں ہے لیکن افسوس بیان کرنے والے نہیں ہیں۔ ان جاہل اور قصہ خوان مولویوں سے خدا سمجھے انہوں نے تمہارا مذاق خراب کر دیا ہے۔ میں سچ کہتا ہوں اگر تم کو اہل علم کی صحبت میسر ہو اور تم کو قرآن وحدیث کا ذوق ہو جائے تو تم دیکھو کہ اللہ کا کلام اور اس کے مقدس پیغمبر کے کلمات طیبات میں کس قدر رموز وحقائق پوشیدہ ہیں اگر جسم بیمار ہوتا ہے تو بہترین طبیب کی تلاش کرتے ہو۔ ڈاکٹر انصاری اور حکیم عبدالوہاب صاحب جو طبیب حاذق ہیں۔ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے ہو اور کہتے ہو کہ حاذق کے ہاتھ کی موت عطائی کے ہاتھ کی شفا سے اچھی ہے۔ کسی ایسے دوا فروش کو جو صندوقچہ بغل میں دبائے پھرتا ہو تم نبض نہیں دکھلاتے لیکن جہاں روح کے علاج کا معاملہ ہوتا ہے وہاں تم حقیقی علماء کو چھوڑ کر ان بازاری قصہ خوانوں

پر کیوں اعتماد کر لیا کرتے ہو۔ اب آپ ہی فرمایئے اگر یہ ماضی اور مستقبل کی تاریخ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت مرتب ہوئی ہے۔ اور جس کا مبنی یقین ہے۔ ظن اور وہم نہیں ہے۔ آپ کو سنانی شروع کر دی جائے تو بتلایئے کیا یہ سلسلہ ختم ہو سکتا ہے میری اور آپ کی عمر تمام ہو جائے لیکن اس تاریخ کا ایک صفحہ بھی ختم نہیں ہو سکتا۔ بہرحال اب ذکر آگیا ہے تو ایک بات اور عرض کر دوں۔ آپ کو معلوم ہے یوم میثاق کی صبح کو دو عہدنامے مرتب ہوئے تھے ایک پر تو عام بنی نوع انسان سے دستخط کرائے گئے۔ اور دوسرا عہد ان حضرات سے لیا گیا جو اس دنیا میں پیغمبر بنکر آنے والے تھے۔ تم کو شاید اپنا اقرار اور عہد تو یاد ہوگا۔

الست بربکم قالوا بلیٰ

جناب کا اقرار تو وہی ہے جسے ہر کس و ناکس جانتا ہے اور اب تو تم سے سن سنکر کافر بھی جان گئے۔ یعنی فطرت کی خاموش زبان نے تم سب کی ارواح کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ کیوں جی! کیا ہم تمہارے رب نہیں ہیں۔ تم سب نے جواب میں متفقہ طور پر کہا تھا بے شک ہم آپ کی ربوبیت کا اعتراف و اقرار کرتے ہیں۔ جب تم نے اقرار کر لیا تو فرمایا اب دنیا سے لوٹ کر جب آؤ تو یہ نہ کہدینا کہ ہم کو تو آپ کے رب ہونے کا علم نہ تھا۔ دنیا میں آپ کی روح کو مٹی کا کلورا فارم سونگھا کر بھیجا جاتا ہے جو روحیں کمزور ہیں وہ تو بالکل فراموش کر بیٹھیں اور جن کی روحیں قوی ہیں ان کو وہ اقرار اب تک یاد ہے اور وہ دوسروں کو بھی یاد دلاتے رہتے ہیں۔ یہاں بھیجنے کا مطلب صرف اتنا ہی ہے کہ آپ کا امتحان لیا جائے اور یہ بات ظاہر کی جائے کہ عالم مجردات کے بسنے والے مادیات کی قید میں مبتلا ہو کر بھی ہمارے اقرار کو یاد رکھتے ہیں اصل معاملہ تو صرف اس قدر ہے ورنہ ہمیں اس عالم سے کیا مطلب نہ ہم یہاں کے رہنے والے ہیں نہ یہاں ہماری دلچسپی کا کوئی سامان ہے ہم تو عالم روحانیات کے

رہنے والے ہیں۔ ایک خاص مصلحت و حکمت کے ماتحت اس عالم مادی میں بھیج دیئے گئے ہیں۔ ورنہ کہاں ہم اور کہاں یہ عالم۔ آپ کے دہلی کے بیدل نے کیا خوب فرمایا ہے۔ دہلی کا بیدل میں نے اس لئے کہا کہ ایک بیدل عظیم آبادی بھی ہیں۔ جن کو لوگ جانتے بھی نہیں۔ پچھلے دنوں علامہ سید سلیمان ندوی افغانستان تشریف لے گئے تھے۔ ڈاکٹر اقبال اور راس مسعود بھی ہمراہ تھے۔ وہاں شاہی دعوت کے بعد گانے کی اجازت طلب کی گئی تو علامہ نے فرمایا اگر مزامیر اور آلات لہو نہ ہوں تو نعت و حمد سننے میں مضائقہ نہیں۔ چنانچہ ایک قوال نے بیدل عظیم آبادی کی غزل سنائی۔ دیکھئے ہندوستان کے لوگ تو بیدل عظیم آبادی کو جانتے بھی نہیں لیکن افغانستان میں ان کا کلام شاہی درباروں میں پڑھا جاتا ہے۔ اس لئے میں نے بیدل دہلوی کی طرف اشارہ کیا تاکہ دونوں کا فرق معلوم ہو جائے۔ بیدل صاحب فرماتے ہیں ؎

تو بہار عالم دیگری زکجا دریں چمن آمدی ۔۔۔ کہ کشید دامن فطرتت کہ بقید یاد من آمدی

صاحبو! یہاں کا آنا تو ایک غرض کے ماتحت ہے ورنہ ہمیں اس عالم سے کیا تعلق؟ بات صرف اتنی ہے کہ جو اقرار عالم میثاق میں کیا ہے اس عالم سفلی میں فراموش نہ کر دیں۔ بلکہ اس پر قائم رہیں۔ اسی لئے فرماتے ہیں۔ ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملئکۃ۔ سوال استقامت کا ہے۔ کہنے کو تو بلیٰ انت ربنا سب ہی کہہ کر آئے تھے لیکن آج کون ہے جو استقامت کا ثبوت پہنچا رہا ہے۔ اسی عالم ارواح کی طرف حضرت مولانا جامی علیہ الرحمہ نے اشارہ کیا ہے مولانا عبدالرحمٰن جامی سے ہر شخص واقف ہوگا۔ خواص کے گروہ میں مولانا جامی کو فنافی الرسول کا مرتبہ حاصل ہے۔ فرماتے ہیں ؎

دلا تا کے دریں کاخ مجازی ۔۔۔ کنی مانند طفلاں خاکبازی

توئی آں دست پرور مرغ گستاخ ۔۔۔ کہ بودت آشیاں بیروں ازیں کاخ

چرا زاں آشیاں بیگانہ گشتی ۔ چو دوناں جغد ایں ویرانہ گشتی
بیفشاں بال و پر زآمیز خاک ۔ بپر تا کنگر ایوان افلاک
عناں تا کے بدست تنگ سا پری ۔ بہر یک روے ہذا ربی آری
خلیل آسا در ملک یقین زن ۔ نوائے لا احب الآفلین زن

کیوں صاحب آپ مرغ دست پرور بھی جانتے ہیں۔ بادشاہوں کے ہاتھ پر جو باز رہتا تھا اسے دست پرور کہا کرتے تھے پھر یہ لفظ ان لوگوں کے لئے استعمال ہونے لگا جو بادشاہوں کے پروردہ اور ان کے منظور نظر ہوا کرتے تھے۔ مولانا کا مطلب بھی یہی ہے کہ انسان کا تعلق تو اصل میں اس عالم سے ہے۔ یہاں آکر تو نے اپنے کو بری صحبت میں تباہ کر لیا۔ صاحبو! ہم تو اصل میں عالم ارواح کی وہ چڑیاں ہیں جن کا آشیانہ عرش الٰہی کی کڑیوں کے چشموں میں تھا۔ ہم اور بھلا یہ قفس خاکی! ہم کیا یہاں ہمیشہ بسنے اور رہنے کے لئے آئے ہیں؟ بھائی سن لو؟ اعتراف ربوبیت اور اظہار ربوبیت پر دارومدار ہے۔ اس اقرار پر جو قائم ہے وہی کامیاب ہے۔

لفظ رب کی عمومیت

برادران ملت! چونکہ حضرت حق کی ربوبیت کا اقرار ہمارے اقرار نامہ میں موجود ہے یہی وجہ ہے کہ ہر پیغمبر نے اپنے وعظ میں اپنی تقریر میں اپنی دعا میں اسی لفظ رب کا بار بار استعمال کیا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی دعا تو مشہور ہی ہے۔

ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخسرین۔ ۔ اے رب ہمارے ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اور اگر تو ہماری مغفرت نہ کرے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم سخت زیاں کار ہو جائیں گے۔

حضرت نوح علیہ السلام اپنی ایک تقریر میں فرماتے ہیں۔

یٰقوم لیس بی ضللۃ ولکنی[1]	اے میری قوم میں گمراہ نہیں ہوں میں تو
رسول من رب العلمین ابلغکم	رب العالمین کا ایک رسول ہوں اور تم کو
رسلٰت ربی وانصح لکم واعلم	اپنے رب کا پیام پہنچانے آیا ہوں میں
من اللہ ما لا تعلمون	تمہارا خیر خواہ ہوں اور جو باتیں مجھ کو معلوم
(سورہ اعراف۔ پارہ آٹھواں)	ہیں وہ تم نہیں جانتے۔

حضرت ہود علیہ السلام اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں۔

ابلغکم رسلٰت ربی وانا لکم[2]	میں اپنے رب کا پیام تم کو پہونچاتا ہوں۔ میں
ناصح امین (دیکھئے سورہ اعراف)	تمہارا خیر خواہ ہوں اور امانت دار ہوں۔

سورۂ ہود میں حضرت ہود علیہ السلام کی ایک تقریر کا تذکرہ ہے۔ اس میں ارشاد ہوتا ہے۔

یٰقوم استغفروا ربکم ثم توبوا[3]	اے قوم اپنے رب سے گناہوں کی معافی طلب
الیہ :۔	کرو اور اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔

تقریر ذرا لمبی ہے اس میں آگے چل کر فرماتے ہیں۔

انی توکلت علی اللہ ربی[4]	میں نے اللہ پر بھروسا کر رکھا ہے جو تمہارا بھی
وربکم	رب ہے اور میرا بھی رب ہے۔

سلہ اے میری قوم میں ہرگز بہکا نہیں۔ لیکن میں بھیجا ہوا ہوں جہان کے پروردگار کا پہنچاتا ہوں تم کو پیغام اپنے رب کے اور نصیحت کرتا ہوں تم کو اور جانتا ہوں اللہ کی طرف سے وہ باتیں جو تم نہیں جانتے۔ ۱۲

سلہ پہنچاتا ہوں تم کو پیغام اپنے رب کے اور میں تمہارا خیر خواہ ہوں اطمینان کے لائق

سلہ اے قوم گناہ بخشواؤ اپنے رب سے پھر رجوع کرو اس کی طرف۔ ۱۲

سلہ میں نے بھروسہ کیا اللہ پر جو رب ہے میرا تمہارا۔ ۱۲

حضرت صالح علیہ السلام کی تقریر ملاحظہ ہو۔

لقد ابلغتکم رسالۃ ربی و[1]	میں تم کو اپنے رب کا پیام پہنچاتا ہوں تمہاری
نصحت لکم ولکن لا تحبون	خیر خواہی کرتا ہوں لیکن تم خیر خواہوں کو پسند
النصحین۔(دیکھئے سورۂ اعراف)	نہیں کرتے۔

ایک اور تقریر میں فرماتے ہیں:۔

یقوم ارءیتم ان کنت علیٰ[2]	اے میری قوم اگر میرے رب نے
بینۃ من ربی۔	مجھ کو دلائل کے ساتھ بھیجا ہو تو پھر
	تمہارا کیا حشر ہوگا۔

حضرت شعیب علیہ السلام اپنے ایک اعلان میں فرماتے ہیں

قد جاءتکم بینۃ من[3]	میں تمہارے پاس اپنے رب کی طرف
ربکم	سے دلائل لے کر آیا ہوں۔

ایک اور تقریر میں فرماتے ہیں۔

یقوم ارءیتم ان کنت[4]	اے میری قوم کے لوگو ذرا سوچو تو اگر پروردگار نے
علیٰ بینۃ من ربی ورزقنی	مجھکو بھیجا ہو اور اس نے مجھ کو نبوت عطا کی ہو اور تم مجھ
منہ رزقا حسنا۔	پر ایمان نہ لاؤ تو بتاؤ تمہارا انجام کیا ہوگا۔

[1] میں پہونچا چکا تم کو پیغام اپنے رب کا اور خیر خواہی کی تمہاری لیکن تم کو محبت نہیں خیر خواہوں سے ۱۲۔

[2] اے قوم بھلا دیکھو تو اگر مجھ کو سمجھ مل گئی اپنے رب کی طرف سے۔ ۱۲

[3] تمہارے پاس پہنچ چکی ہے دلیل تمہارے رب کی۔

[4] اے قوم دیکھو تو اگر مجھ کو سمجھ آگئی اپنے رب کی طرف سے اور اس نے روزی دی مجھ کو نیک روزی۔ ۱۲

حضرت لوط علیہ السلام اپنے ایک اعلان میں فرماتے ہیں۔

وَمَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ (سورہ شعراء انیسواں پارہ)[۱] میں تم سے کچھ مزدوری نہیں مانگتا میری مزدوری تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔

دیکھئے جو پیغمبر اپنی دعا اور لیکچر میں رب کا نام لیتا ہے تاکہ عالم میثاق کا اقرار یاد آجائے۔ حضرت ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام کی دعا تو مشہور ہی ہے

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ (اور)[۲] اے رب ہمارے ہمکو مسلمان بناوے۔ اور

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔[۳] اے رب ہمارے ہماری خدمت کو قبول فرمائے بیشک تو سمیع بھی ہو اور علیم بھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تو قرآن میں مناظرہ بھی ذکر کیا گیا ہو جو اسی لفظ رب پر ہوا ہے۔ دیکھئے "تلک الرسل" کا دوسرا رکوع۔

واذا سمعوا میں قوم سے جو گفتگو ہوئی ہے وہاں بھی بار بار ھذا ربی کہا ہے۔

حضرت زکریا کی دعا ملاحظہ ہو۔

رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ۔[۴] اے رب مجھ کو بے اولاد کا نہ رکھ تو تمام وارثوں سے بہتر وارث ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا سنئے۔

---

[۱] مانگتا نہیں میں تم سے اس پر کچھ بدلہ میرا بدلہ ہے اسی پروردگار عالم پر۔

[۲] اے پروردگار ہمارے اور کر ہم کو حکمبردار اپنا۔

[۳] اے پروردگار ہمارے قبول کر ہم سے بیشک تو ہی ہے سننے والا جاننے والا۔

[۴] اے رب نہ چھوڑ مجھ کو اکیلا اور تو ہے سب سے بہتر وارث۔

رب[۱] انی مسنی الضر وانت	اے رب مجکو تو بیماری پٹ ہی پڑی اور تو
ارحم الراحمین۔	تمام رحم کرنے والوں سے بہتر رحم کرنیوالا ہے۔

حضرت الیاس علیہ السلام اپنے ایک لیکچر میں فرماتے ہیں۔

اتدعون[۲] بعلا وتذرون احسن

الخالقین اللہ ربکم ورب	تم بعل کی بندگی کرتے ہو اور اس رب کو
ابائکم الاولین۔	جو میرا اور تمہارا اور تمہارے باپ دادا ؤں
	کا رب ہے اسے چھوڑے بیٹھے ہو۔

اب تو وہ بعل بت نکل بھی آیا ہے جسکی یہ لوگ پوجا کرتے تھے حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا ملاحظہ ہو۔

رب[۳] اغفرلی وھب لی ملکا	اے رب میری مغفرت کردے اور مجھ کو
لا ینبغی لاحد من بعدی۔	ایسی مخصوص سلطنت عطا کردے جو میرے
(دیکھئے سورہ صاد)	بعد کسی دوسرے شخص کیلئے مناسب نہ ہو۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی دعا تو میں ابھی ذکر ہی کرچکا ہوں حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا اعلان تو آپ کو معلوم ہی ہوگا۔

انا رسول رب العلمین۔	ہم رب العالمین کے رسول ہیں۔

حضرت موسیٰ سے تو اس لفظ رب پر فرعون نے پوری بحث کی اور جب مناظرے میں موسیٰ کو قائل نہ کرسکا تو جیل خانے کی دہمکی دی اس بدبخت کی سمجھ میں رب العالمین ہی

---

[۱] اے رب مجھ پر پڑی ہے تکلیف اور تو ہے سب سے زیادہ رحم والا۔

[۲] کیا تم پکارتے ہو بعل کو اور چھوڑتے ہو بہتر بنانیوالے کو جو اللہ ہے رب تمہارا اور رب تمہارے اگلے باپ داداؤں کا۔

[۳] اے رب میرے معاف کر مجھ کو اور بخش مجھ کو وہ بادشاہی کہ مناسب نہ ہو کسی کو میرے پیچھے۔

نہیں آیا جو نا رب خود انا ربکم الاعلیٰ کا مدعی ہو وہ رب العلمین کو کیسے سمجھ سکتا تھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا بھی سُن لیجئے۔

ربنا انزل علینا مائدۃ من السماء ؎ | اے رب ہمارے ہم پر آسمان سے دستر خوان نازل فرمائیے۔

غالباً اب تو آپ کی سمجھ میں الست بربکم کی اہمیت آگئی ہو گی۔ اور خاتم المرسلین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلان بھی سُن لیجئے۔

اتحاجوننا فی اللہ وھو ربنا وربکم ؎ | تم مجھ سے اللہ رب العزت کے معاملہ میں بحث کرتے ہو حالانکہ وہ تمہارا بھی رب ہے اور میرا بھی رب ہے۔

جو رسول بھی اللہ کی طرف سے مبعوث ہو کر آیا ہے اس نے اپنی دعامیں اور تقریریں عام طور سے لفظ رب کا استعمال کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ زندگی کا مقصد اصل میں حضرت حق جل مجدہٗ کی ربوبیت کا اقرار ہے۔ اب تو آپ کے ذہن میں نکیرین کے سوال کا حل بھی آگیا ہوگا۔ جن کی روح قوی ہے اور مادی دنیا سے متاثر نہیں ہوتی وہ آج بھی حضرت حق کی ربوبیت کے قائل ہیں اور قبر میں بھی انشاء اللہ اس سوال کا جواب نہایت آسانی سے دیدینگے۔ لیکن جن بدنصیبوں کی روح پر مادیت غالب آگئی ہے وہ آج بھی اپنے رب کو فراموش کر چکے ہیں اور قبر میں بھی۔

ھاھا لا ادری۔ | افسوس میں نہیں جانتا کہ میرا رب کون ہے۔

ہی کہیں گے۔ جن ارواح خبیثہ پر مادیت کا غلبہ ہے ان کی حالت یہ ہے کہ فرعون و نمرود تو اپنے ہی کو رب سمجھتے تھے۔ ان کا تو ذکر ہی کیا اسی طرح مشرکین کو بھی چھوڑ دیجئے

؎ اے رب ہمارے اتار ہم پر خوان بھرا ہوا آسمان سے۔

؎ کیا تم جھگڑا کرتے ہو ہم سے اللہ کی نسبت حالانکہ وہ ہی ہے رب ہمارا اور رب تمہارا

ان کمبختوں کے ارباب کا تو کچھ ٹھکانہ ہی نہیں وہ تو حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جیل خانے والی تقریر میں فرمایا ہی تھا ۔ دیکھئے اللہ کے پیغمبروں کو بھی کیسی اپنے کام کی دھن ہوتی ہے مصر کی گورنمنٹ نے جیل خانہ بھیجدیا اور حضرت یوسف نے موقع پاکر اپنا کام شروع کردیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا جیل

آپکو معلوم ہے حضرت یوسف علیہ السلام بھی جیل خانے بھیجے گئے تھے اور یہ قید پولٹیکل معاملہ میں ہوئی تھی۔ مصری گورنمنٹ نے اپنی پالیسی کی خاطر ایک بے گناہ پردیسی کو جیل میں ڈالدیا تھا۔ شاید آپکو معلوم نہیں حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ بھی گوالیار کے قلعہ میں جہانگیر کے حکم سے قید رہ چکے ہیں۔ اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ جن کے ہم لوگ مقلد ہیں انکا تو انتقال بھی مشہور ہے کہ جیل خانہ میں ہوا ہے علامہ سرخسی صاحب محیط بھی بیچارے جیل جاچکے ہیں۔ خیر ان قصہ کو چھوڑیئے وہ کونسا دور ہے جس میں حق گو علماء کو جیل خانہ نہیں بھیجا گیا آج کل تو بھلا کافروں کی حکومت ہے۔ مسلمان بادشاہوں کے زمانے میں علماء کے ساتھ کونسا اچھا سلوک ہوتا تھا۔ اس زمانہ میں بھی غدار اور خوشامدی اور حکومت پرست ہوا کرتے تھے ۔ یہ آج کوئی نئی بات نہیں ہے جس طرح آج ٹوڈی اور حکومت پرست عام مسلمانوں کی نظروں میں ذلیل وخوار ہیں اسی طرح اُس زمانہ میں بھی ذلیل اور مردود تھے۔

معافی کا دستور

جس طرح آج پولٹیکل قیدیوں سے معافی منگوانے کی کوشش کیجاتی ہے اسی طرح اس زمانہ میں بھی دستور تھا آپ نے حجاج کا تو وہ قصہ سنا ہی ہوگا ایک دن حجاج خطبہ پڑھنے کھڑا ہوا۔ اور حسب عادت خطبہ میں اہلبیت کو برا بھلا کہنا شروع کیا۔ حجاج کا خطبہ کسی قدر طویل

ہوگیا اور جمعہ کی نماز کو ذرا تاخیر ہونے لگی تو ایک حق گو مسلمان سے ضبط نہ ہوسکا اس نے پکار کر کہا حجاج خطبہ کو ختم کر نماز کا مستحب وقت جارہا ہے۔ آپ جانتے ہیں حجاج جیسے موذی کو ٹوکنا اور وہ بھی اس کی تقریر میں آسان نہ تھا۔ خطبہ ختم بھی نہ ہونے پایا کہ یہ بیچارا جیل بھیجدیا گیا۔ نماز کے بعد کچھ خواص اور حاشیہ نشین حضرات نے حجاج کو توجہ دلائی۔ حجاج نے کہا اس نے ہمکو تقریر کے دوران میں روکا۔ ان خوشامدیوں نے کہا حضور، اس کا دماغ ماؤف ہے اس کو تو دورہ ہوا کرتا ہے۔ حجاج نے کہا اچھا اگر وُہ معافی مانگ لے تو میں اس کو رہا کردونگا۔ چنانچہ یہ ٹولی جیل خانے پہنچی، پہلے تو اس نے ان بزرگ کو سمجھایا میاں تم جانتے ہو وہ ایک ظالم بادشاہ ہے۔ حجاج کی طبیعت سے تم واقف ہو، ذرا صبر کرلیتے، کوئی نماز کا وقت نکلا تو نہیں جاتا تھا خواہ مخواہ بیچ میں بول پڑے، خیر چلو اللہ نے بڑی خیر کی ہماری کوششوں سے کام ہوگیا اور حجاج نے ہماری بات مان لی۔ وہ بزرگ اول تو خاموشی کے ساتھ اُن لوگوں کی باتیں سُنتے رہے، پھر اُنھوں نے فرمایا آپ کی کیا بات مان لی اور وہ آپکی کونسی کوشش بارآور ہوئی۔ ان لوگوں نے کہا حجاج نے حکم دیدیا ہے کہ اگر آپ معافی نامہ پر دستخط کردیں تو آپکو رہا کردیا جائیگا۔ اُنھوں نے سُنکر فرمایا کیا خوب تمام عمر میں ایک ہی تو نیک کام کیا ہے اسی کی معافی مانگ لوں۔ ایک ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہی ہے تو اس سے معافی کس طرح مانگی جاسکتی ہے۔ یہ لوگ بیچارے اپنا سا منہ لیکر چلے آئے، اور اس ٹولی کو اس اللہ کے بندے نے ایسا ٹکا سا جواب دیا کہ منہ دیکھتے رہ گئے اگرچہ حجاج نے ان کو اس انکار کے باوجود رہا کردیا لیکن یہ اپنی بات پر ثابت قدم رہے، اور آج کل کے وطن فروش مولویوں کی طرح ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ پر عمل نہیں کیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے ہمراہی

حضرت یوسف جب ایک

سیاسی معاملہ میں قید ہوئے تو انہوں نے جیل میں تبلیغی کام شروع کردیا چنانچہ ایک طویل تقریر میں اپنے ساتھیوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

یٰصاحبی السجن ءارباب[1] متفرقون خیر ام اللہ الواحد القھار۔	اے میرے قید خانے کے ساتھیو کیا بہت سے متفرق ارباب بہتر ہیں یا ایک اللہ تعالیٰ اور زبردست قوت والے معبود کی عبادت اچھی ہے۔

حضرت یوسف کی اس تقریر ہی سے معلوم ہوگیا کہ مشرکین تو ان گنت ارباب کے قائل ہیں، ان کو تو عالم میثاق کا عہد یاد ہی نہیں وہ خدا کو کیا رب کہیں گے ان کو تو ارباب باطلہ کی پرستش سے ہی فرصت نہیں ہیں تو آپکو اہل کتاب کا قول[شا] نا چاہتا ہوں جو آج کل آپ کے بڑے گہرے دوست بنے ہوئے ہیں۔ اور جن کو آپ اپنی زندگی کا سہارا خیال کرتے ہیں۔

مشرکین اور اہل کتاب کا فرق

آپ بہت کہا کرتے ہیں اجی یہ مشرک ہیں وہ اہل کتاب ہیں۔ بعض خوش فہم تو اہل کتاب کے علاوہ حکومت متسلطہ کو معاہد بھی کہتے ہیں۔ اللہ رے خوش فہمی یہ عہد خوب ہے جو ایک فریق کے ہر نقض کے بعد بھی قائم ہے قرآن تو کہے۔

اما[2] تخافن من قوم خیانۃ فانبذ الیھم علیٰ سواء۔	اگر کسی معاہد قوم کی جانب سے خیانت کا خطرہ ہو تو اس کو اطلاع دیکر عہد کو ختم کر دو۔

---

[1] اے رفیقو! قید خانے کے بھلا کئی معبود جدا جدا بہتر یا اللہ اکیلا زبردست؟

[2] اگر تجھ کو ڈر ہو کسی قوم سے دغا کا تو پھینکدے ان کا عہد انکی طرف اسی طرح پر کہ ہو جاؤ تم اور وہ برابر۔

جہاں صرف خیانت کے خطرے پر نبذ کا حکم ہو وہاں وقوع خیانت کے باوجود بھی معروضہ عہد کی پابندی اگر مضحکہ خیز نہیں ہے تو کیا ہے۔ بھائی میں عرض کروں گا یہ فرق بھی عدم تدبر فی القرآن کا نتیجہ ہے۔ اچھا ذرا "لم یک" تو پڑھو لم یک جانتے ہو کونسی سورت ہے، اس سورت کا نام اصل تو بینہ ہے لیکن تم جس طرح عم یتساءلون کو عم کا پارہ کہتے ہو اسی طرح بینہ کو لم یک کہتے ہو، اس لئے میں نے بھی لم یک کہدیا۔ اس سورت میں حضرت حق نے مومن اور کافر کا خطاب ذکر کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ تمہارا نام کیا ہے اور تمہارے مخالفوں کا لقب کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

ان الذین امنوا وعملوا الصلحت[1] جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے یہ اولئک ھم خیر البریۃ۔ تمام مخلوق میں بہترین لوگ ہیں۔

دیکھو یہ خیر البریہ یاد رکھنا یہ تمہارا نام ہے۔ اب آگے چلئے۔

ان الذین کفروا من اھل الکتب[2] جو لوگ کافر ہیں خواہ وہ مشرک ہوں یا اہل والمشرکین فی نار جھنم خلدین کتاب یہ سب کے سب جہنم میں ہمیشہ رہنے فیھا اولئک ھم شر البریۃ۔ والے ہیں اور مخلوق میں بدترین لوگ ہیں۔

سُن لیا! اس آیت میں مشرکین کے ساتھ اہل کتاب کا نام بھی آیا یا نہیں؟ تمہارا کیا نام ہے، خیر البریہ اور تمہارے علاوہ دوسروں کا نام شر البریہ دیکھو یہ دونوں لفظ یاد رکھنا، اور آیندہ مشرکین واہل کتاب کے نام سے دہوکہ نہ کھانا ممکن ہے کہ یہ کہا جائے آیت میں تو انجام کے اعتبار سے دونوں کو یکساں کہا گیا ہے میں عرض کرونگا گفتگو تو انجام ہی میں ہے، رہا برتاؤ تو برتاؤ میں نہ مشرکین برابر

[1] وہ لوگ جو یقین لائے اور کئے بھلے کام وہ لوگ ہیں سب خلق سے بہتر۔

[2] اور جو منکر ہوئے اہل کتاب اور مشرک ہوں گے دوزخ کی آگ میں سدا رہیں اس میں وہ لوگ ہیں سب خلق سے بدتر۔

ہیں نہ اہل کتاب۔ جس طرح بعض مشرکین برتاؤ میں نرم ہیں اسی طرح بعض اہل کتاب بھی برتاؤ میں نرم ہیں اور جو یہ کہا کرتے ہیں کہ یہ مشرک ہیں وہ اہل کتاب ہیں تو کس اعتبار سے کہا کرتے ہیں۔ آپکا مطلب بھی تو یہ ہوتا ہو کہ اہل کتاب مذہبی اعتبار سے ہم سے زیادہ قریب ہیں اور مشرکین باعتبار مذہب دور ہیں۔ میں عرض کرتا ہوں کوئی دور ہو یا قریب انجام کے اعتبار سے دونوں برابر ہیں۔ انجام میں کیا ہ نام بھی دونوں کا شرابر یہ ہے سگ زرد برادر شغال۔ الکفر ملة واحدة۔

اہل کتاب سے شکایت

آپ تو مشرکین کو کہتے ہیں اور میں کہتا ہوں مجھے اہل کتاب سے زیادہ شکایت ہو۔ مشرکین کے ہاں تو نبوت کا رواج ہی نہیں ہے وہ نبوت کو جانتے ہی نہیں انکے ہاں تو خدا کا اوتار ایک انسان بن سکتا ہو لیکن ان کو یہ خبر نہیں کہ ایک انسان انسان رہتے ہوئے خدا کا نبی ہو سکتا ہے۔ لیکن اہل کتاب تو نبوت سے واقف ہیں اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ محمدی مسلمانوں نے ہمیشہ حضرت موسیٰ اور عیسیٰ کی اسی طرح عزت کی ہے جس طرح وہ اپنے پیغمبر کی کرتے ہیں۔

صاحبو! ہم نے توریت و انجیل کی تصدیق کی ہو۔ ہم نے ہمیشہ حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کی آبرو اور عزت پر اپنا خون بہایا ہو۔ ہم نے موسیٰ اور عیسیٰ کو خدا کا برگزیدہ پیغمبر کہا ہے۔ ہم نے حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کی توہین کرنیوالوں کو اسی طرح کافر کہا ہو جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت کرنیوالوں کو کافر کہا ہے ہم نے تمام امت محمدیہ سے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کو نبی اور رسول کہلوایا ہے۔ ہم نے حضرت مریم کا ہمیشہ احترام کیا ہے اور ان کو پاکدامن بتایا ہے لیکن کیا آجتک کسی یہودی یا عیسائی نے ہمارے پیغمبر کو پیغمبر کہا ہے؟ کیا کوئی عیسائی یا یہودی اس کے لئے تیار ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا

بھیجا ہوا پیغمبر کہدے ؟ کون کہہ سکتا ہے کہ آجتک کسی موسائی یا عیسائی نے ایسا کہا ہے یا کہنے کو تیار ہے؟ جب کوئی باوجود اپنے پیغمبروں کی تائید کرانے اور ان پر ایمان لانے کے بھی ہمارے نبی کو نبی کہنے پر تیار نہیں ہے تو ہم اس کی دوستی پر کس طرح اعتماد کر سکتے ہیں؟ یہی وجہ ہے کہ میرے نزدیک اہل کتاب سب سے زیادہ محسن کش اور احسان فراموش ہیں۔ رہا مشرکین کا معاملہ تو نہ میں نے ان کے دیوتاؤں کو کبھی پیغمبر یا اوتار کہا، نہ میں ان سے یہ مطالبہ کرتا ہوں کہ وہ میرے پیغمبر کو پیغمبر یا نبی سمجھیں۔ کیونکہ وہ تو بدنصیب پیغمبر کو جانتے ہی نہیں۔

اہل کتاب اور اقرار ربوبیت

بہرحال میں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ جو ارواح اس اقرار پر قائم نہیں رہیں ان کی یہ کیفیت ہے کہ وہ اللہ تعالے کو اپنا رب تو کیا کہیں گی بلکہ اس نسبت کو بھی برا سمجھتی ہیں۔ چنانچہ میں نے عرض کیا تھا مشرکین کو تو اپنے ارباب سے فرصت ہی نہیں اہل کتاب کی بھی یہ حالت ہے کہ وہ خدا تعالے کو اپنا رب کہتے ہوئے گھبراتے ہیں۔ چنانچہ ملاحظہ ہو حضرت عیسیٰ کے حواریوں کا قول هل يستطيع ربك ان ينزل علينا مائدة من السماء۔ دیکھئے رب کی نسبت حضرت عیسیٰ کی طرف کر کے کہتے ہیں۔ کیا تیرا رب اس بات پر قادر ہے کہ آسمان سے ہم پر کھانے کا دسترخوان نازل کر دے۔ خیال کیجئے جو لوگ دنیا میں حضرت حق کو اپنا رب کہنے کو تیار نہیں ہیں ان سے کیا توقع ہو سکتی کہ وہ قبر میں نکیرین کا جواب دے سکیں گے۔ یہی حال حضرت موسیٰ کی امت کا ہے۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ دیکھو باز آجاؤ ورنہ تم پر عذاب نازل ہو جائیگا تو یہ لوگ موسیٰ کا کہنا نہیں مانتے۔ عذاب نازل ہوتا ہے تو کہتے ہیں۔ یموسی ادع لنا ربك بما عهد عندك[1] - اے موسیٰ!

---

[1] اے موسیٰ دعا کر ہمارے واسطے اپنے رب سے جیسا کہ اس نے بتلا رکھا ہے تجھ کو۔

اپنے رب سے ہمارے لئے دعا کردے۔ اگر یہ عذاب ٹل جائے تو پھر ہم ایمان لے آئیں گے۔

ارض تیہ میں من وسلویٰ کھاتے کھاتے جب جی اکتا جاتا ہے تو کہتے ہیں یموسی لن نصبر علی طعام واحد فادع لنا ربک یخرج لنا مما تنبت الارض من بقلھا وقثائھا وفومھا [1]۔ اپنی حاجت اور اپنی ضرورت ہے اس پر یہ حال ہے کہ موسیٰ سے کہتے ہیں تو اپنے رب سے دعا کردے ہم سے تو ایک غذا پر نہیں رہا جاتا۔ دیکھا آپ نے یہ مادیات میں مبتلا ہوکر عالم روحانیات کو فراموش کردینا اور وہاں کے معاملات کو بھلا دینا۔

بہرحال یوم میثاق کا ایک اقرار تو یہ تھا جو آپکو معلوم ہوگیا۔ اب لیجئے دوسرا عہدنامہ جو عوام سے نہیں بلکہ خواص سے لیا گیا۔

خواص کا اقرارنامہ

صاحبو! یہ ماضی کی تاریخ بھی عجیب دلچسپ ہے ایک طرف تو اپنی ربوبیت کا اقرار لیا جارہا ہے اور دوسری طرف اپنے حبیب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دستخط لئے جارہے ہیں۔ دونوں اقراروں میں فرق یہ ہے کہ پہلا اقرار عوام سے ہے اور دوسرا خواص سے ہے وہ عہد تمام بنی نوع انسان سے لیا گیا تھا اور یہ عہد صرف ان ارواح طیبہ اور نفوس قدسیہ سے لیا گیا تھا جو دنیا میں عہد نبوت پر مامور ہونے والے تھے۔ اللہ اللہ صبح میثاق بھی کس شان کی صبح تھی۔ ایک طرف رب العالمین کی ربوبیت کا اعلان ہو رہا تھا اور دوسری طرف رحمۃ اللعالمین کی رسالت و

---

[1] اے موسیٰ ہم ہرگز صبر نہ کریں گے ایک ہی طرح کے کھانے پر سو دعا مانگ ہمارے واسطے اپنے پروردگار سے کہ نکالدے ہمارے واسطے جو اگتا ہے زمین سے ترکاری اور ککڑی اور گیہوں۔

نبوت اور ان پر ایمان لانے اور ان کی امداد کرنے کا عہد لیا جا رہا تھا۔ اللھم صل علی محمد وآل محمد۔

اس اقرارنامہ کے الفاظ پہلے سُن لیجئے جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے لیا گیا تھا۔ دیکھئے تلک الرسل کے آخری رکوع کی پہلی آیت۔

واذ اخذ اللہ میثاق النبین لما اتیتکم من کتب وحکمۃ ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ ولتنصرنہ قال ءاقررتم واخذتم علی ذلکم اصری قالوا اقررنا قال فاشھدوا وانا معکم من الشھدین۔[1]

اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں سے یہ اقرار لیا کہ میں نے تم کو کتاب اور حکمت سے جو کچھ دیا ہے وہ تو دیا ہی ہے، پھر تم میں سے جو شخص اس رسول کا زمانہ پائے جو اس امر کی تصدیق کرتا ہو کہ جو کچھ تم لائے ہو وہ حق ہے تو تم اس رسول پر ایمان لے آنا اور اس کی اعانت کرنا۔ بولو اس بات کا اقرار کرتے ہو اور مجھ سے عہد کرتے ہو۔ سب نے متفقہ طور سے کہا ہم سب اقرار کرتے ہیں ارشاد ہوا کہ اپنے اس اقرار پر گواہ رہنا اور ہم بھی تمہارے ساتھ گواہ ہیں۔

دیکھئے اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام رسول مصدق لما معھم رکھا ہے اور کتب سماویہ میں حضور کا یہی وصف بیان کیا گیا ہے کہ وہ نبی آخر الزماں

---

[1] اور جب لیا اللہ نے عہد نبیوں سے کہ جو کچھ میں نے دیا تم کو کتاب اور علم پھر آوے تمہارے پاس کوئی رسول کہ سچا بتا دے تمہارے پاس والی کتاب کو تو اس رسول پر ایمان لاؤ گے اور اس کی مدد کرو گے فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور اس شرط پر میرا عہد قبول کیا بولے ہم نے اقرار کیا فرمایا تو اب گواہ رہو میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔

توریت وانجیل کی تصدیق کرنے والے ہونگے - چنانچہ پہلے پارے میں ارشاد فرماتے ہیں۔

ولما جاء ھم رسول من عند اللہ مصدق لما معھم نبذ فریق من الذین اوتوا الکتاب۔[1]	جب اللہ تعالے نے اس رسول کو بھیجا جوان کی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے تو اہل کتاب ہی کے ایک گروہ نے اس رسول کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہ اور حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ آیت میں ہر نبی سے عہد لیا گیا ہے اللہ تعالے نے کسی نبی کو نہیں بھیجا مگر یہ کہ اس سے عہد لیا کہ اگر تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پاؤ تو ان پر ایمان لانا' انکی امداد کرنا' اور اپنی امتوں سے بھی اس بات کا عہد لینا کہ وہ بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور ان کی مدد کرے - اس تقدیر پر یہ عہد بلا واسطہ تو انبیاء علیہم السلام سے تھا اور بالواسطہ ان کی امتوں سے تھا۔

حضرت عمر کا واقعہ

ایک دن حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالے عنہ دربار نبوت میں توریت کا ایک ورق پڑھ کر حضور کو سنا رہے تھے - نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک غصہ سے سرخ ہوگیا - حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالے عنہ نے حضرت عمر کو توجہ دلائی کہ تم پڑھنے میں مشغول ہو اور حضور کو غصہ آرہا ہے - حضرت عمر نے چہرہ انور پر غضب کے آثار دیکھکر جلدی سے فرمایا رضیت باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیا رسولا - حضور نے فرمایا قرآن شریف کی موجودگی میں تم توریت پڑھتے ہو

---

[1] اور جب پہنچا ان کے پاس رسول اللہ کی طرف سے تصدیق کرنیوالا اس کتاب کی جو ان کے پاس ہے - تو پھینکدیا ایک جماعت نے اہل کتاب سے۔

کیا تم کو خبر نہیں لو کان موسی حیا لما وسعہ الا اتباعی - اگر آج حضرت موسیٰ زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری اتباع اور پیروی کے بغیر کوئی چارۂ کار نہ تھا۔

ایک شبہ کا ازالہ

ممکن ہے کہ آپ حضرات میں سے کسی کو یہ شبہ ہو کہ عہد تو اتنی تاکید کیساتھ لیا گیا، اور آپکا زمانہ کسی ایک پیغمبر نے بھی نہیں پایا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عہد جس طرح انبیاءؑ سے لیا گیا تھا اسی طرح انبیاء علیہم السلام کیواسطے سے انکی امتوں سے بھی لیا گیا تھا۔ اور یہود و نصاریٰ نے حضور کا زمانہ پالیا، اور عہد کا منشا پورا ہو گیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ جب آسمان سے نازل ہونگے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پائیں گے آپ پر ایمان بھی لائیں گے اور آپکے دین کی اعانت بھی کرینگے حضرت عیسیٰ کی تشریف آوری، مسلمانوں کیلئے موجب خیر و برکت ہوگی وہ دجال کو قتل کرینگے، زمین کو عدل و انصاف سے بھر دینگے اور ایک زمانہ تک زندہ رہ کر وفات پائیں گے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب دفن ہوں گے - یہ وہ واقعات ہیں کہ کم وبیش تمام مسلمان اس سے واقف ہیں۔

متبعین غلام احمد قادیانی

آجکل ایک فرقہ مرزا غلام احمد کا متبع ہے جو ایک طرف تو حضرت عیسیٰ کی وفات کا قائل ہے اور دوسری طرف ان تمام پیشینگوئیوں کا مصداق جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں، مرزا غلام احمد قادیانی کو سمجھتا ہے۔ یہ فرقہ بھی حکومت متسلطہ کے ملعون دور کی پیدائش ہے اور چونکہ اس کے قیام و بقا کا انحصار حکومت برطانیہ کی وفاداری اور خوشامد پر ہے اس لئے حکومت بھی اسکی سرپرستی کرتی ہے اور اسکے

سواد میں کوئی کمی نہیں کرتی۔ یہ فرقہ آہستہ آہستہ تعلیم یافتہ نوجوانوں کو متاثر کر رہا ہے اگرچہ بظاہر اس کے دو حصے ہوگئے ہیں غلام احمد اور حکیم نورالدین کی موت کے بعد غلام احمد کی ذریت دو حصوں میں منقسم ہوگئی ہے، ایک حصہ پر غلام احمد کے بیٹے مرزا محمود کا قبضہ ہے اور دوسرے پر محمد علی لاہوری قابض ہے۔ محمود کی پارٹی تو غلام احمد کو صراحتہً نبی کہتی ہے اور یہ دعویٰ نہایت بیباکی اور جرأت سے کرتی ہے اسی لئے وہ مرزا غلام احمد کے منکرین کو کافر کہتی ہے۔ ان کے جنازے کی نماز پڑھنے کو حرام کہتی ہے۔ اس پارٹی کے نزدیک ہر وہ مسلمان کافر ہے جو مرزا صاحب کو نبی نہیں مانتا۔ رہی لاہوری پارٹی تو وہ مرزا صاحب کو نبی نہیں کہتی بلکہ ان کو مجدد مانتی ہے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ مرزا صاحب نے نبوت کا دعویٰ ہی نہیں کیا۔ اگر وہ نبوت کا دعویٰ کرتے تو ہم ان کو نبی مانتے گویا ان کی نبوت کا انکار اس بنا پر ہے کہ نبوت ان کے دعاوی میں شامل نہیں ہے۔ اگر مرزا صاحب اپنے کو نبی کہتے تو ان کو ماننے میں کیا عذر ہو سکتا تھا۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ وہ مرزا صاحب کو ان تمام پیشینگوئیوں کا مصداق مانتے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ کے متعلق کی تھیں وہ مرزا صاحب کو مجدد کہتے ہیں لیکن عام مجددوں میں شمار نہیں کرتے۔ مرزا صاحب ایسے مجدد نہ تھے جیسے حضرت عمر بن عبدالعزیز یا مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ یا حضرت سید احمد بریلوی رحمتہ اللہ علیہ بلکہ ان کے نزدیک مرزا صاحب ایک خاص مجدد ہیں جو ان پیشینگوئیوں کے ماتحت آئے ہیں جو ابن مریم کے متعلق کی گئی ہیں۔ یہ پارٹی بھی حضرت عیسیٰ کی موت کی قائل ہے اور حضرت عیسیٰ کی تشریف آوری کی منتظر نہیں ہے۔ مرزا صاحب کے یا ان کی دونوں پارٹیوں کے متعلق مجھے کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مرزا صاحب کی مضحکہ خیز ہفوات اتنی مشہور ہو چکی ہیں کہ کوئی سمجھدار اور پڑھا لکھا آدمی ان پر یقین نہیں کر سکتا۔

مرزا کا کچا چٹھا مرزا صاحب کا کچا چٹھا جتنا مجھے معلوم ہے شاید ہی اتنا کسی کو معلوم

ہوگا کیونکہ مرزا صاحب کی بڑی بیگم ہمارے ہی محلہ کی لڑکی ہے۔ خواجہ میر درد کے خاندان سے ہے جب مرزا صاحب کو محمدی بیگم سے عشق ہوا ہے اور وہ اس سے نکاح کرنے کی کوشش میں مصروف ہوئے ہیں اور ترغیب و ترہیب کا طومار باندھا ہے اور اپنی بہو کو طلاق دلوانے کی دھمکی دی ہے اور اپنے لڑکے کو عاق کر دینے کا عامیانہ اور جاہلانہ خوف دلایا ہے تو اس وقت بڑی بیگم بہت پریشان تھیں۔ ایک طرف مرزا صاحب محمدی بیگم کی فکر میں مبتلا تھے اور دوسری طرف بڑی بیگم نے گنڈے اور تعویذوں کا پل باندھ رکھا تھا بڑی بیگم کے عزیز اقربا مصری پڑھوا کر دہلی کے حاجی اکبر کو بھیجا کرتے تھے۔ بیسیوں تعویذ اور مصری کی ڈلیاں دہلی سے جاتی تھیں کہ مرزا صاحب کا دل محمدی بیگم سے پھر جائے۔ وہاں عرش پر نکاح خوانی ہوتی تھی اور دہلی میں شاہ گنج کی ڈگدگی والے محلہ میں حاجی اکبر کے مکان پر وہ نکاح توڑا جاتا تھا۔ بڑی بیگم اپنے میکے میں لکھ لکھ کر بھیجا کرتی تھیں کہ خدا کے واسطے کوئی علمی یا سفلی ایسا کرو کہ بڈھے کا دل محمدی بیگم سے ہٹ جائے۔ یہ کمبخت اسکی محبت میں اندھا ہوگیا ہے اور تمام دولت خاک میں ملائے دیتا ہے۔ آخر بڑی بیگم کا گنڈا تعویذ کامیاب ہوگیا اور مرزا صاحب اس عالم سے بے نیل مرام گئے۔ چونکہ بڑی بیگم کوچہ چیلان کی رہنے والی ہیں اس لئے مجھے اس خاندان نبوت اور خاندان مجددیت کے تمام احوال معلوم ہیں اور خدا کا شکر ہے جس طرح خاتم المرسلین حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت پر میرا ایمان ہے اسی طرح غلام احمد کے کذب اور دجل اور اس کے گمراہ ہونے پر میرا یقین ہے اور میں اپنے اذعان و یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ جس قدر مرزا غلام احمد اور اس کے متبعین نے اسلام کو نقصان پہنچایا ہے اور اسلام کے مقابلہ میں عیسائیت اور عیسائی حکومت کی خدمت انجام دی ہے اتنی دشمنی آج تک کسی طبقہ نے منظم شکل میں نہیں کی۔ مجھے اندیشہ ہے کہ میں اصل مضمون سے بہت دور چلا جاؤں گا ورنہ میں نصرت بیگم جو بڑی بیگم کے نام سے مشہور

ہیں اور اب ام المومنین کہلاتی ہیں ان کے واقعات سے آپکو مطلع کرتا ہیں اس طرح کی کوشش کر رہا ہوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے اور آسمان سے نازل ہونے کے متعلق تمام احادیث کو ایک جگہ جمع کر دوں تاکہ مسلمانوں کو یہ تو معلوم ہو جائے کہ قیامت کے قریب جو ابن مریم آسمان سے نازل ہونے والا ہے وہ قادیان کا مرزا غلام احمد نہیں ہے۔

ناقابل تاویل الفاظ

میں تو کبھی کبھی ان ملاعنہ سے کہا کرتا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن الفاظ کے ساتھ حضرت عیسیٰ کی تشریف آوری کا ذکر کیا ہے اور جو اوصاف ان کے متعلق بیان کئے ہیں حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ کا پتہ بتاتے ہوئے یہ بھی فرمادیا انه لیس بینی وبینه نبی وہ عیسیٰ آئیگا جسکے درمیان اور میرے درمیان کوئی نبی نہیں ہے۔ یعنی وہی ابن مریم کہ اس کے بعد میں ہی نبی آیا ہوں۔ میرے اور اس کے درمیان کوئی نبی نہیں آیا۔ اسی طرح قرآن نے نہایت صاف الفاظ میں فرمادیا وما قتلوه یقینا بل رفعه الله الیه یہود نے حضرت عیسیٰ کو قتل نہیں کیا بلکہ خدا نے اس کو اپنی طرف اٹھالیا۔ اگر اتنے صاف اور صریح الفاظ بھی تمکو مطمئن نہیں کر سکتے اور تم اس پر مجبور ہو کہ حضرت عیسیٰ کو مردہ کہو اور غلام احمد کو آسمان سے آنے والا ابن مریم سمجھو تو اب تم ہی بتاؤ کہ خدا تعالیٰ کیا الفاظ بولتا اور قرآن میں کونسے الفاظ بھیجتا جو تم مطمئن ہو جاتے۔ اور عام مسلمانوں کی طرح حضرت عیسیٰ کو زندہ مانتے اور انکو آنیوالا سمجھتے اور مرزا غلام احمد کو مفتری کہتے۔ ان ملاعنہ سے دریافت کرو کہ تم وہ الفاظ بتاؤ جو ناقابل تاویل ہوں۔ غضب خدا کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں میں آخری نبی ہوں میں خاتم المرسلین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں، دیکھو میرے بعد تیس آدمی کذاب اور دجال یکے بعد دیگرے آئیں گے ہر ایک ان میں سے اپنے کو نبی کہے گا لیکن تم یاد رکھو میں آخری نبی ہوں وہ سب جھوٹے ہونگے

ان کا یقین نہ کرنا۔ میرے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں۔ اس صراحت کے بعد بھی یہ غلام احمد کو نبی کہتے ہیں اور جرأت و دلیری کے ساتھ کہتے ہیں میں ان مردود ملاعنہ سے کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرماتے اور کن الفاظ میں اپنے آخری نبی ہونے کا اعلان کرتے جو تم مطمئن ہوجاتے اور کسی نبی کہنے والے کو جھوٹا اور کاذب سمجھتے وہ ناقابل تاویل الفاظ تم ہی بتاؤ کہ جن کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہوجاتا ان ظالموں نے نبوت کا دروازہ کھول کر اسلام کا امان غارت کردیا مسلمان اس خطرے سے مطمئن تھے کہ خدا دو نہیں ہوسکتے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی رسول نہیں آسکتا۔ لیکن ان ظالموں نے ختم نبوت کا دروازہ ڈھاکر دین کی تباہی کا ایسا خوفناک اقدام کیا ہے کہ جس کی تلافی ناممکن ہے۔ سیاسی اعتبار سے تو ان ملاعنہ کا وجود ہندوستان میں جس قدر مضر ہے اس کا تو کچھ کہنا ہی نہیں۔ مذہبی اعتبار سے بھی ان موذیوں نے اسلامی عقائد کو جو نقصان پہنچایا ہے۔ شاید اس کی تلافی حضرت عیسیٰ کی تشریف آوری کے بعد ہی ہو تو ہو۔

پنجاب کا نوری فرقہ

اسی طرح پنجاب میں ایک فرقہ نوری بھی ہے جو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ بشریت اور آدمیت سے خارج سمجھتا ہے۔ اس کے بانی پنجاب کے جاہل پیر ہیں۔ ان پیروں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر ہونے سے انکار کر دیا ہے یہ کہتے ہیں کہ حضور کو جو بشر کہے وہ کافر ہے حالانکہ تھوڑا سا پڑھا لکھا شخص بھی جانتا ہے کہ یہ اعتراض تو کفار کا ہے وہ بشریت اور نبوت میں منافاۃ سمجھتے تھے اسی لئے کہا کرتے تھے کہ تم بشر ہو اور بشر نبی نہیں ہوسکتا۔ اور یہ اعتراض صرف کفار مکہ ہی کا نہیں ہے بلکہ تمام کفار کی تقریباً ایک ہی جبلت ہے۔ ہر نبی کی قوم نے اسی قسم کے لغو اعتراض کئے ہیں۔ سورہ ابراہیم میں کفار کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ "ان انتم الا بشر مثلنا۔ تم تو ہم جیسے بشر ہو حضرت

نوح کی قوم نے کہا تھا۔ ما نراک الا بشرا مثلنا۔ ہم تجھ کو اپنا جیسا بشر سمجھتے ہیں یہ تو کفار کا عقیدہ ہے کہ وہ بشریت اور آدمیت کو نبوت کے خلاف سمجھتے ہیں۔ کہاں کفار کا عقیدہ اور کہاں پنجاب کے پیر۔ یہ بھی کہتے ہیں بھلا نبی کہیں بشر ہو سکتا ہے نبی کو جو بشر کہے وہ کافر، اور سنا ہے بعض تو کافر کی بجائے حرامزادہ کہتے ہیں یعنی جو نبی کو بشر کہے وہ حرامزادہ ہے۔ دیکھا آپ نے اس جہالت کا نتیجہ! یہ اس صوبہ کا حال ہے جہاں چھپن ۵۶ فیصدی مسلمان آباد ہیں جس صوبہ میں سب سے زیادہ مسلمان تعلیم یافتہ ہیں اور جو صوبہ ہندوستان کے مسلمانوں کا محافظ اور پشتیبان ہے۔ صوبہ سندھ جہاں پچھتر ۷۵ فیصدی مسلمان ہیں اس کی حالت پنجاب سے زیادہ بدتر ہے۔ کفار کہا کرتے تھے تم بشر ہو۔ بشر بھی کہیں نبی ہو سکتا ہے؟ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جواب میں کہا کرتے تھے۔

ان[1] نحن الا بشر مثلکم ولکن اللہ یمن علی من یشاء من عبادہ۔ — ہم کب انکار کرتے ہیں کہ ہم بشر نہیں ہیں بے شک ہم بشر ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے احسان کر دے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے جواب میں فرمایا میں کب آپ کو فرشتہ کہتا ہوں، میں بھی یہی کہتا ہوں کہ میں بشر ہوں مگر اللہ نے مجھ کو نبی بنایا ہے بشر میں اور نبوۃ میں کوئی منافاۃ نہیں ہے۔ خود سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے معترضین کو بھی یہی جواب دیا۔

انما[2] انا بشر مثلکم یوحی الی انما الٰھکم الٰہ واحد — میں بے شک تمہاری مثل بشر ہوں مگر مجھ پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس امر کی وحی کی گئی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک ہی معبود ہے

---

[1] ہم تو یہی آدمی ہیں جیسے تم لیکن اللہ احسان کرتا ہے اپنے بندوں میں جس پر چاہے۔ ۱۲

[2] میں بھی ایک آدمی ہوں جیسے تم حکم آتا ہے مجھ کو معبود تمہارا ایک معبود ہے۔

تمام نبی اپنی بشریت کا اقرار کریں۔ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بشر ہونے کا اعلان کریں مگر یہ جاہل کہیں جو حضور کو بشر کہے معاذ اللہ وہ کافر ان بد نصیبوں کو یہ بھی نہیں معلوم کہ ان کے موجبہ کلیہ کا اثر کیا ہوگا۔ یعنی من قال ان نبیا بشر فھو کافر۔ اب ان سے دریافت کیجئے۔ ان قال النبی انا بشر۔ اب فرمایئے یہ نبی بھی اس مَن میں داخل ہے یا نہیں اب منطقی شکل بنا کر نتیجہ نکالئے اور پھر ان جاہل پیروں کی قسمت پر ماتم کیجئے۔ یعنی قال النبی انا بشر و کل من قال ان نبیا بشر فھو کافر۔ اب فرمایئے۔ نتیجہ کیا نکلا۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ

جہالت بُری چیز ہے

صاحبو! میں تو جاہل میلاد خوانوں کا ہی ماتم کر رہا تھا لیکن یہ پنجاب کے جاہل پیر تو ان سے بھی دس قدم آگے نکلے یہ جاہل میلاد خوان جس طرح سرکار کی ولادت کا بیان کرتے ہیں اس سے سرکار کی کھلی ہوئی توہین ہوتی ہے۔ واقعہ کتنا ہی صحیح ہو لیکن بیان کرنیوالے کا طرز ادا صحیح نہ ہو تو وہ واقعہ کو نہایت بھونڈے طریقہ سے بیان کریگا لیکن اگر بیان کرنیوالا عالم ہو اور واقعہ کو سلجھا کر بیان کرے تو واقعہ کتنا ہی شرم کا کیوں نہ ہو وہ اس کو خوبی سے ادا کر دیگا۔ کیا قرآن و حدیث میں ایسے نازک مسئلوں کا ذکر نہیں ہے۔ جو انتہائی شرم کے ہیں۔ لیکن قرآن کے طرز ادا کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ بڑے سے بڑے شرمیلے واقعات کو اس خوبی سے ادا کیا ہے کہ ذرا اعتراض کی گنجائش نہیں ہوتی۔ مثلاً عورت اور مرد کا تعلق ہر شخص جانتا ہے کہ یہ تعلق حیا اور شرم کا ہے عام مجامع اس کا تحمل نہیں کر سکتے مگر قرآن کو دیکھئے فرماتے ہیں:۔

ھن لباس لکم وانتم لباس لھن — عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم ان کے لباس ہو

دیکھا آپ نے کیسے نازک تعلق کو کس خوبی سے ادا کیا ہے۔ پھر لباس کے لفظ میں جو بھی رعایتیں رکھی ہیں وہ اس طرز ادا سے علیحدہ ہیں اسی طرح عورتوں کے پاس جانے

اور اس سے معاشرت کی حیات کا سوال ہے۔ دیکھئے مسئلہ کیسا نازک ہے لیکن انداز بیان ملاحظہ ہو:۔

نساؤکم حرث لکم فاتوا حرثکم انی شئتم — عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں اپنی کھیتی میں پیداوار کی رعایت رکھتے ہوئے جس طرح چاہو تخم ریزی کیا کرو۔

پیداوار کا لفظ میں نے اس لئے کہا کہ اس کی رعایت ہر طریقہ میں ضروری ہے ورنہ کھیتی کا مقصد فوت ہو جائے گا۔ فرمایئے اتنے بڑے شرمیلے مسئلے میں طرز بیان نے جان ڈالدی بلکہ چار چاند لگا دیئے۔

رفاعہ کی بیوی کا قصّہ

حضرت رفاعہ نے اپنی بیوی کو مغلظہ طلاق دیدی تھی۔ اس عورت نے دوسرے شخص سے نکاح کرلیا۔ اتفاق سے اس دوسرے خاوند میں ایک ایسا عیب نکلا جو اس عورت کے لئے ناقابل برداشت تھا یعنی وہ عورت کے قابل نہ تھا۔ اب یہ عورت دربار رسالت میں حاضر ہوئی۔ اپنا قصہ بیان کرنا شروع کیا۔ یا رسول اللہ میں رفاعہ کے نکاح میں تھی اب اس نے طلاق دیدی ہیں نے فلاں شخص سے نکاح کرلیا مگر یارسول اللہ! اب دیکھئے ایک عورت کا کمال۔ اس نے اپنی چادر کا ایک کونہ دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر ہلانا شروع کیا اور زبان سے کچھ نہ کہا۔ ایک عام مجمع میں یہ کہنا کہ میرا دوسرا خاوند نامرد ہے ایک عورت کے لئے کس قدر مشکل تھا لیکن اس نے چادر کے کونے کو دونوں ہاتھوں سے ہلا کر اپنے مطلب کی طرف اشارہ کردیا۔ سرکار نے فرمایا۔ کیا تو پہلے خاوند کی طرف لوٹنا چاہتی ہے۔ اس نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ رفاعہ سے میرا نکاح کرادیجئے ۔

حلالہ کا حکم

اب سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم مسئلہ بتانا چاہتے ہیں کہ

سلہ تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں سو جاؤ اپنی کھیتی میں جہاں سے چاہو۔ ۱۲

جب تک وہ تجھ سے وطی اور مباشرت نہ کرے تو پہلے خاوند کے لئے حلال نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ حلالہ میں دوسرے خاوند کا وطی کرنا ضروری ہے۔ دوسرا خاوند وطی کرے پھر طلاق دے اور عورت طلاق کی عدت گزارے جب پہلے خاوند کے لئے حلال ہوتی ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ حلالہ کرنے یا کرانے کا حکم کیا ہے وہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

لعن اللہ المحلل والمحلل لہ — اللہ تعالیٰ حلالہ کرنے والے اور جس کے لئے حلالہ کیا جائے دونوں پر لعنت کرے۔

اگرچہ حلالہ خود مکروہ تحریمی ہے لیکن اگر حلالہ کرا لیا جائے تو پہلے خاوند سے نکاح جائز ہو جائیگا۔ کیونکہ حلالہ کے لئے زوج ثانی کی وطی شرط ہے۔ اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس عورت کو مسئلہ بتانا چاہتے ہیں کہ جب تک دوسرا خاوند تجھ سے وطی نہ کرے تو اپنے پہلے خاوند رفاعہ کے لئے حلال نہیں ہو سکتی۔ مگر طرزِ ادا ملاحظہ فرمائیے۔ سرکار فرماتے ہیں :۔

لا حتی تذوقی عسیلتہ ویذوق عسیلتک — تو رفاعہ کی طرف نہیں لوٹ سکتی جب تک تو اس کی تھوڑی سی مٹھاس نہ چکھ لے اور وہ تیری تھوڑی سے مٹھاس چکھ لے

دیکھا آپ نے، قربان جائیے کتنا بہتر طرزِ بیان ہے پھر عسل کی تصغیر فرما کر ایک اور اشارہ کیا جس کو اہل علم سمجھتے ہیں۔ بہرحال اگر طرز ادا بہتر ہو اور کوئی شخص سلجھا کر بیان کرنے والا ہو تو ولادت کے ذکر میں مضائقہ نہیں لیکن اگر میلاد خواں جاہل ہو تو اس قسم کے نازک اور شرمیلے مسئلہ کو بیان کرنے کی اس کو اجازت نہ دی جائے۔ آخر دین میں ہر قسم کے مسئلے اور ہر قسم کے واقعات ہیں لیکن ایک جاہل اور عالم میں بڑا فرق ہے۔ اس لئے جہاں تک ممکن ہو ان جاہل میلاد خوانوں اور جاہل پیروں سے ہر مسلمان کو بچنا چاہیے۔

جاہل پیروں سے سوال

میں ان پنجاب کے پیروں سے بھی یہی دریافت کیا کرتا ہوں کہ بشریت کے اس صاف وصریح اعلان کے بعد جو قرآن میں مذکور ہے اگر جناب مطمئن نہیں ہیں اور بشر کہنے والوں کو کافر بتاتے ہیں تو اب آپ ہی فرمائیے کہ قرآن کونسے الفاظ استعمال کرتا جو آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر سمجھتے۔ ابھی اس وقت جو الفاظ قرآن میں موجود ہیں انما انا بشر مثلکم اور ان نحن الا بشر مثلکم الخ الفاظ سے تو جناب مطمئن نہیں ہیں اور ان الفاظ کی موجودگی میں آپ سرکار کو جو شخص بشر کہے اس کو کافر اور حرامزادہ کہتے ہیں۔ اب آپ تجویز کیجیے کہ حضرت حق جل مجدہ کیا فرماتے اور کن الفاظ میں حضور کو بشر کہتے جو آپ کیلئے موجب اطمینان ہوتے

صاحبو! بات یہ ہے کہ ان فرق باطلہ کا بس نہیں چلتا کہ یہ ظالم قرآن شریف میں تحریف کر ڈالیں۔ یہ ظالم سانپ کی طرح بل کھاتے ہیں اور اپنا سر پٹخ کر رہ جاتے ہیں ان کو قرآن اور حدیث میں کوئی گنجائش نہیں ملتی کہ یہ اپنا مطلب پورا کر سکیں۔ یہ ظالم پہلے ایک عقیدہ اور خیال گھڑتے ہیں۔ ایک نظریہ قائم کرتے ہیں پھر خدا کی وحی کو کھینچ تان کر اس باطل عقیدہ کے مطابق کرنا چاہتے ہیں۔ یہ اپنے عقائد کو قرآن وسنت کے موافق نہیں کرتے بلکہ قرآن وسنت کو اپنے عقائد کے موافق بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور بعض دفعہ تو یہ خبثا ایسی رکیک تاویلیں کرتے ہیں کہ خدا کی قسم تحریف بھی اس تاویل سے شرماتی ہے۔ یہی حال تو قادیانی ملاعنہ کا ہے اور یہی حال ان جاہل پیروں کا ہے۔ یہ ڈاکو اور لٹیرے مسلمانوں کا مال ہی نہیں لوٹتے بلکہ ان کے ایمان کو بھی تباہ و برباد کرتے ہیں۔

مستقبل کی تاریخ

بہر حال گفتگو تو اس میں ہو رہی تھی کہ انبیاء علیہم السلام کے پاس حق ہے یقین ہے، اذعان ہے مشاہدہ ہے

اور تمہارے یورپ کے پاس ظن ہے، اٹکل ہے، تخمین ہے، قیاس ہے تم ظن کا مقابلہ حق سے کرتے ہو۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان رائے نہیں ہے جو رائے کا مقابلہ رائے سے کرتے ہو۔ وہ تو مشاہدہ ہے۔ تم کینٹ اور نیوٹن کے قیاسات فاسدہ کے موافق قرآن کو بنانا چاہتے ہو اور اس پر خوش ہوتے ہو حالانکہ انصاف یہ چاہتا تھا کہ قرآن جو وحی الٰہی ہے اس کو اصل قرار دیتے اور جو رائے قرآن کے خلاف ہوتی اس کو ٹھکرا دیتے۔ تم بدلنے والے قیاسات اور تبدیل ہو جانے والی تھیوریوں کے ایسے معتقد ہو کہ ان قیاسات فاسدہ پر خدا کی غیر مبدل وحی کو منطبق کرتے ہو۔ فرض کرو آج اسلام کا کوئی مسئلہ جرمنی کے ایک ڈاکٹر کی رائے سے مطابق ہو گیا۔ تم نے اس کو مزے لے لیکر بیان کرنا شروع کیا۔ دیکھئے صاحب جرمنی کا ڈاکٹر وہی کہہ رہا ہے جو اسلام نے تیرہ سو برس پہلے کہا تھا لیکن میں جناب سے دریافت کرتا ہوں کل اس ڈاکٹر کی رائے بدل گئی جیسا کہ ہم دیکھ رہے ہیں۔ فلکیات کے متعلق یورپ کے فلاسفہ کی رائے بدل رہی ہے مریخ کی نہروں کے متعلق میں ابھی عرض کر چکا ہوں ڈاکٹروں کے نئے نئے تجربہ آپ کو ہمیشہ معلوم ہوتے رہتے ہیں۔ ایک تجربہ دوسرے تجربہ کے منافی اور مخالف ہوتا ہے تو میں پوچھنا چاہتا ہوں کیا جناب بھی ان کے ساتھ ساتھ اسلام کے مسئلہ کو بدلیں گے۔ آخر یہ کیا مصیبت ہے کہ مشاہدہ کو رائے کے مطابق اور ظن کو حق کے مطابق کیا جائے۔ اسی سلسلہ میں میں نے یورپ کی تاریخ کا بھی ذکر کیا تھا اور آپ کو بتایا تھا کہ یورپ کی تاریخ اول تو وہی قیاسات پر مبنی ہے دوسرے وہ تاریخ محض اس لئے بنائی گئی ہے کہ مختلف قوموں میں نفاق کی خلیج وسیع تر ہو جائے اور یورپ کی استعماری طاقتوں کو ایشیا پر خوب حکومت کرنے کا موقع ملے اور بڑی غرض تو یہ ہے کہ دنیا میں مسلمانوں کا کہیں دوبارہ اقتدار قائم نہ ہو جائے۔ ان جھوٹے تاریخ بنانیوالوں کا منشا یہ ہے کہ اس تاریخ سے پروپیگنڈے کا کام لیا جائے ٭

ہندوستان کی حالت

آخر ہندوستان میں جو کچھ ہو رہا ہے کیا یہ ان ہی کتابوں کا اثر نہیں ہے جو ہندوستان کی تاریخ یا مغلوں کی تاریخ کے نام سے لکھی ہیں جن کا یہ اثر ہے کہ مالوی جی کا نگریس سے استعفیٰ دینے پر تیار ہیں لیکن ہندوستان کے دو صوبوں میں مسلمانوں کا مفروضہ اقتدار تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ وہ اس عملی اکثریت ہی کو نعمت غیر مترقبہ سمجھ رہے ہیں۔ حالانکہ وہ اکثریت بھی مفروضہ اور موہوم ہے۔ حضرات! میں آپ سے سچ عرض کرتا ہوں سو برس تک اس ملک میں مسلمانوں کو ہندو اور انگریز نے مل کر تباہ کیا ہے۔ میں ابھی بہار سے آرہا ہوں۔ مجھے محمد خلیل وکیل نے بتایا کہ ۱۹۱۰ء میں اس صوبہ کی زمینداری چودہ آنے مسلمانوں کے پاس تھی لیکن ۱۹۳۱ء میں صرف تین آنے زمینداری مسلمانوں کے پاس رہ گئی۔ انہوں نے یہ بھی بیان کیا کہ مسلمان روساء پر ایک ہزار قرض رقم کے عوض تین لاکھ روپے کی ڈگری ہوئی ہے۔ غضب خدا کا کہیں سود در سود کی یہ بدترین مثال پائی جاتی ہے؟ لیکن انگریزی حکومت یہ ڈگریاں دلواتی رہی اور اپنی قوت کے ساتھ مسلمان زمینداروں کو تباہ کرتی رہی انگریزوں کو یہ معلوم تھا کہ مسلمانوں کو ملازمت میں ہندو گھسنے نہیں دیتے اور تمام دفاتر سے ان کو نالائق کہہ کر نکلوا دیتے ہیں لیکن انگریز ہندوؤں کے ہاتھوں مسلمانوں کی تباہی کا تماشہ دیکھتے رہے۔ جو ہندو ہزار برس تک محکوم رہے تھے ان کو اتنا اونچا کیا کہ مسلمانوں کی کوئی قیمت ہی اس ملک میں باقی نہ رہی جس ملک میں مسلمان ہزار برس تک حکمرانی کر چکے تھے۔ جب مسلمان ہر اعتبار سے مردہ ہو چکے اور ان کی سیاسی زندگی تباہ ہو چکی اور ان کی قومی اہمیت موت سے روشناس ہو چکی تو پچیس فیصدی ملازمتوں کے اعلان کا خیال آیا ؎

کی مرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

اور یہ بھی کب خیال آیا جب مسلمانوں سے وائٹ پیپر کی حمایت کا وعدہ لے لیا گیا اور مسلمانوں کو غداران وطن کا لقب دلوا دیا اور دنیا بھر میں مسلمانوں کا منہ کالا کرا دیا۔ تو اس قدر سلوک کرنے اٹھے جتنا الہ آباد میں ہندو خود مسلمانوں کو دینے کے لئے تیار تھا اللہ اللہ اس غریب نوازی اور اقلیت پروری کا بھی کیا کہنا کہ قدم قدم پر انگریز اکثریت کے تیور دیکھ رہا ہے مسلمان کو اگر کوئی ٹکڑا دیتا ہے تو پہلے ہندو کی طرف دیکھ لیتا ہے کہ وہ ناراض تو نہیں ہوگا۔ سندھ کی علیحدگی کا اعلان کرتا ہے تو ساتھ ہی اڑیسہ کو بھی بہار سے علیحدہ کرنے کا اعلان کر دیتا ہے اور مسلمان قوم فروشوں کا یہ حال ہے کہ وہ ہوم ممبر کا شکریہ ادا کرتے کرتے مرے جاتے ہیں۔ اور حکومت کے نمک خوار اخبار جو آج بھی حکومت کے خزانوں سے تنخواہیں لے رہے ہیں حکومت کی تعریف میں زور قلم صرف کر رہے ہیں کوئی ان بے ایمانوں سے یہ نہیں پوچھتا کہ تم کو ملا کیا ہے جس پر تم احسان میں دبے جاتے ہو۔ قانون انگریز کے ہاتھ میں تھا، اگر وہ چاہتا۔ تو مسلمان کو تباہی سے بچا سکتا تھا۔ لیکن سو سال تک انگریز نے مسلمانوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ ہاں یہ ضرور ہوا کہ جب کبھی انگریزوں کو ضرورت پیش آئی تو انھوں نے مسلمانوں کو اپنا آلۂ کار بنا لیا۔ بہر حال میرے بھائیو! یہ ایک مصیبت کی داستان ہے اس کو نہ سنو تو اچھا ہے۔ ورنہ تمہاری بھی وہی حالت ہو جائیگی۔ جو میری ہے۔ ۵

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زبان سوزد وگر دم در کشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

یورپین اقوام نے جو تاریخ مرتب کی ہے وہ اپنی اغراض مشئومہ کے ماتحت مرتب کی ہے لیکن انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تاریخ حقائق و واقعات پر مبنی ہے وہ کذب و افتراء سے مبرا ہے میں نے ابھی آپ کو چند واقعات ماضی کے بتائے۔ اب اگر آپ فرمائیں تو چند واقعات مستقبل کے بھی بتاؤں؟ تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے واقعات جس طرح ماضی کو شامل ہیں اسی طرح مستقبل کو بھی محیط ہیں +

قبروں سے اُٹھنا

لیجئے پہلی بات! قبروں سے جب آپ دوبارہ زندہ ہونگے اور نفخۂ ثانیہ کے بعد قبروں سے نکلیں گے تو آپ کو معلوم ہے کیا کہتے اٹھیں گے ؟ یویلنا من بعثنا من مرقدنا۔ قیامت میں برزخ کی زندگی کو نیند سے تعبیر کریں گے اور کہیں گے ہم کو ہماری خواب گاہ سے کس نے جگا دیا۔ برزخ کی زندگی دنیا کی زندگی سے مختلف اور جدا ہے۔ قیامت کی زندگی برزخ کی زندگی سے علیحدہ ہے۔ تم اس دنیا کی زندگی کو زندگی سمجھتے ہو اور میں عرض کیا کرتا ہوں کہ زندگی تو اب شروع ہونیوالی ہے ؛ یہ تو خواب ہے جس دن آنکھیں بند ہوجائیگی اس دن حقیقت میں آنکھیں کھلیں گی جس طرح تم کبھی خواب سے بیدار ہوکر خواب کی باتوں کو یاد کیا کرتے ہو، اور بعض دفعہ تو خواب کی چیزوں پر اتنا یقین ہوتا ہے کہ بیداری میں بھی ایسا خیال کرتے ہو گویا وہ چیز یہیں رکھی ہے۔

بنئے کا قصہ

ایک بنئے کا قصہ مشہور ہے کمبخت خواب میں دیکھ رہا تھا کسی مقروض سے سود پر جھگڑا ہو رہا ہے۔ یہ دو روپے مانگ رہا تھا وہ ایک روپیہ دے رہا تھا، اسی بحثا بحثی میں بنئے کی آنکھ کھل گئی تو جلدی سے آنکھیں بند کرکے کہنے لگا اچھا بھائی لاؤ ایک ہی روپیہ دیدو۔ یہی حالت جناب موت کے بعد ہونے والی ہے۔ آپ ایک ایک چیز کو یاد کریں گے۔ ٹٹولیں گے، اپنے بچوں اور بیوی کو پکارینگے فرشتے آپ سے کہیں گے ہوشیار ہو یہ دنیا نہیں ہے۔ یہ عالم برزخ ہے۔ دنیا کی تمام چیزیں بھول جا جس طرح عالم برزخ میں دنیا خواب تھی اسی طرح قیامت میں عالم برزخ ایک خواب ہے۔ ایمان والوں کے لئے تو عالم برزخ واقعی خواب ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ نکیرین کے سوال کا جواب دینے کے بعد اس سے کہا جاتا ہے۔ نم کنومة العروس۔ اس طرح آرام سے سو جا جس طرح دلہن یا دولہا سو جایا کرتے ہیں سبحان اللہ! کیا پیاری تشبیہ ہے نکاح بھی انسانی زندگی کا

ایک نیا دور ہوتا ہے، اسی طرح قبر بھی ہماری زندگی کا نیا دور ہے۔ اور جس طرح نکاح بھی اس لئے کیا جاتا ہے کہ انسان سکھ کے ساتھ رہے اور تجرد کے دکھوں سے چھٹکارا حاصل کرے اسی طرح قبر کی زندگی بھی انسانی سکھ اور آرام کے لئے مقرر کی گئی ہے۔ کہ دنیا کی زندگی جو دار العمل ہے اس سے نجات مل جائے اسی واسطے عالم برزخ کو درمیانی عالم کہتے ہیں۔ بہر حال اس عالم سے اٹھتے وقت یہ کہنا کہ من بعثنا من مرقدنا بالکل صحیح ہے لیکن کفار کا یہ کہنا کہ ہم کو ہماری خواب گاہ سے کس نے جگا دیا محض اس بنا پر ہے کہ قیامت کا ہول اور عذاب قیامت کی پریشانیوں کو دیکھ کر وہ قبر کے عذاب کو بھول جائیں گے اور یہ سمجھیں گے کہ قیامت کے عذاب کے مقابلہ میں تو قبر کا عذاب کچھ بھی نہیں تھا۔ گویا محشر کے مقابلہ میں قبر ایک خواب گاہ تھی۔

مسلمانوں سے حضرت حق کا پہلا خطاب

آپ کو معلوم ہے کہ حضرت حق جل مجدہٗ قیامت میں سب سے پہلی بات آپ سے کیا کہیں گے؟ ارشاد ہوگا۔ تم میری ملاقات کو دوست رکھتے تھے، اور کیا تم کو میری ملاقات کا شوق تھا؟ مسلمان بندے عرض کریں گے۔ الٰہی ہم تیری ملاقات کے مشتاق تھے۔ ایک مسلمان کا اس سے بڑھ کر مقصد زندگی اور ہو بھی کیا سکتا ہے۔ کہ وہ اپنے پروردگار کی ملاقات اور اس کے دیدار سے بہرہ اندوز ہو۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان موت سے نہیں گھبراتا اور کافر موت سے گھبراتا ہے۔ کافر کمبخت کے سامنے تو دنیا ہی کی زندگی ہے اس لئے وہ جینے پر بڑا حریص ہے اس کو مرنا بہت ہی ناگوار ہوتا ہے۔ اور زندگی کی حرص میں اہل کتاب اور مشرکین کا سنگھٹن ہے جس طرح مشرک کا جی مرنے کو نہیں چاہتا اسی طرح اہل کتاب بھی مرنے سے بہت گھبراتے ہیں اور وجہ وہی ہے کہ دونوں تاریکی میں ہیں۔ حضرت حق نے ان کی ذہنیت کا ذکر کیسے مزے دار الفاظ میں بیان کیا ہے اور ان سے

بہتر کون انسان کے کیرکٹر کی کمزوری سے واقف ہو سکتا ہے کیونکہ وہی خالق ہیں۔ اس لئے وہ خوب جانتے ہیں ولقد خلقنا الانسان ونعلم ما توسوس بہ نفسہ[۵۱] وہ تو قلب انسانی کے وسواس سے بھی آگاہ ہیں۔ وہ مسلمان کے اطمینان کو بھی جانتے ہیں اور کفار کی بے اطمینانی سے بھی واقف ہیں۔ فرماتے ہیں ولتجدنہم احرص الناس علیٰ حیوٰۃ ومن الذین اشرکوا یود احدہم لو یعمر الف سنۃ وما ہو بمزحزحہ من العذاب ان یعمر[۵۲]۔ یہود کا ذکر فرما رہے ہیں۔ اب تو آپ یہود سے بھی واقف ہو گئے ہونگے۔ فلسطین میں مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے۔ وہ یہود کے ہاتھوں ہو رہا ہے اور لطیفہ یہ ہے کہ وہاں آپکی سرکار اقلیت کی طرفدار ہے۔ یہاں سو برس تک اکثریت کی سرپرستی کی گئی وہاں اقلیت کی حمایت میں فلسطین کے عربوں کو کچلا جا رہا ہے۔ یہاں اقلیت کی زمینداریاں قرق کر کے اکثریت کے حوالے کر دی گئیں اور وہاں اقلیت کو اکثریت کی زمینیں دلوائی جا رہی ہیں کیونکہ فلسطین کی اکثریت مسلمان ہے، اور ہندوستان کی اقلیت مسلمان ہے۔ وہ آپ کے ہز ہائنس آغا خاں کہاں گئے؟ جو اپنے لئے تو ریاست کی خواہش کر رہے ہیں لیکن ان سے اتنا نہیں ہو سکا کہ اعلان بالفور کی واپسی کرا دیتے۔ اس وقت انہوں نے انگریزوں کے ساتھ بہت بڑا احسان کیا تھا کہ ہندوستان میں سو برس کیلئے انگریزوں کے پاؤں جما دیئے تھے۔ اگر خدمت کے صلہ میں فلسطین کے مسلمانوں کو عذاب سے چھڑا دیتے تو ان کا کیا بگڑ جاتا۔ ان کو اپنی ریاست کی فکر تو پڑ گئی اور سات لاکھ

---

۵۱ اور البتہ ہم نے بنایا انسان کو اور ہم جانتے ہیں جو باتیں آتی رہتی ہیں اس کے جی میں۔

۵۲ اور تو دیکھے گا ان کو سب لوگوں سے زیادہ حریص زندگی پر اور زیادہ حریص مشرکوں سے بھی چاہتا ہے۔ ایک ایک ان میں کا کہ عمر پاوے ہزار برس اور نہیں اس کو بچانے والا عذاب سے اس قدر جینا۔ ۱۲

عربوں پر ان کو رحم نہ آیا۔ اسی لیئے میں کہتا ہوں کہ تمہارے ٹوڈی خود غرض ہیں یہ تم کو حکومت کی خواہشات پر قربان کر کے خود فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں تو تم بڑا مانتے ہو بہر حال آیت میں یہود کا ذکر ہے، انہی کے ساتھ مشرکین ملایا ہے اور فرماتے ہیں اسے ہمارے رسول! آپ اہل کتاب اور مشرکین کو زندگی پر بڑا حریص پائیں گے۔ ان میں سے ہر شخص کی یہ خواہش ہے کہ اس کی عمر ہزار برس کی ہو جائے۔ فرماتے ہیں اگر کوئی کافر ہزار برس بھی جیتا رہے تو خدا کے عذاب سے بچ نہیں سکتا۔ بڑی عمر عذاب الہٰی سے تو نہیں بچا سکتی۔

موت ایک معیار ہے

حضرات! بات تو یہ ہے کہ موت ایک کسوٹی ہے۔ جہاں کفر و اسلام کا فرق معلوم ہوتا ہے کافر موت کے نام سے ٹھٹک جاتا ہے۔ اور مسلمان موت کا نام سن کر اس کی طرف بڑھتا اور لپکتا ہے۔ یورپ تو یہ سمجھتا ہے کہ دنیا ہی دنیا ہے اور مرنے کے بعد کچھ بھی نہیں۔ یہاں سے گئے تو گئے۔ رہے ہندوستان کے مشرک سو وہ بیچارے کس گنتی میں ہیں۔ وہ اپنے اسی دقیانوسی فلسفہ کو لیئے بیٹھے ہیں کہ یہاں سے گئے تو خدا جانے کتا بنیں گے کہ بلی کی جون میں جائیں گے۔ اسی لئے تو حضرت حق نے فرمایا۔ فتمنوا الموت ان کنتم صدقین۔ اگر تم اپنے دعاوی میں سچے ہو اور اپنے کو حق پر سمجھتے ہو تو موت کی تمنا کیوں نہیں کرتے۔ ولن یتمنوہ ابدا بما قدمت ایدیھم۔ فرماتے ہیں یہ کمبخت کبھی موت کی تمنا نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ان کے دل میں چور ہے اور یہ جانتے ہیں کہ مرنے کے بعد ان کا کیا حشر ہونیوالا ہے۔ ان کفار کے مقابلہ میں ایک وہ گروہ ہے جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر ایمان رکھتا ہے۔ اس کی حالت یہ ہے کہ اس گروہ کو موت اتنی ہی عزیز ہے جتنی کفار کو زندگی۔ بیدل نے کیا خوب کہا ہے ؎

زندگی درگروئم افتادہ بیدل، چارہ نیست شاد باید زیستن ناشاد باید زیستن

ذرا درگروئم افتادہ کو ملاحظہ کیجئے۔ زندگی کیا ہے۔ ایک وبال ہے لوگ جس کو موت کہتے ہیں مسلمان کے نزدیک وہ لقائے الٰہی ہے۔ چنانچہ سورہ عنکبوت میں فرماتے ہیں۔

مَن کان یرجو لقاء اللّٰہ فان اجل اللّٰہ لآت — جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا امید وار ہے تو اس کو معلوم ہونا چاہئے کہ اس ملاقات کا زمانہ قریب ہے۔

سورہ کہف کے آخر میں ہے۔

من کان یرجو لقاء ربہ فلیعمل عملا صالحا۔ — جو شخص اپنے رب کی ملاقات کا متوقع ہے تو اس کو نیک عمل کرنے کی ضرورت ہے۔

میں نے ابھی عرض کیا تھا۔ چونکہ مرنے کے بعد جو کچھ ہونے والا ہے اس کو مسلمان جانتا ہے۔ اس لئے اسے موت سے گھبراہٹ نہیں ہوتی اور یہی وجہ ہے کہ وہ اس دنیا کو اپنا گھر اور اپنے رہنے کی جگہ نہیں سمجھتا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:۔

کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل — دنیا میں اس طرح زندگی بسر کرو جس طرح کوئی راہ چلتا ہوا مسافر ہوتا ہے۔

دنیا کے متعلق فرماتے ہیں الدنیا سجن المؤمن وجنت الکافر۔ مومن کے نزدیک چونکہ دنیا ایک قید خانہ کی حیثیت رکھتی ہے اس لئے مسلمان کو کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ دنیا کے سب کام کرتا ہے لیکن اس کا دل آخرت سے وابستہ رہتا ہے۔ وہ کافر کی طرح موت سے گھبراتا نہیں۔

ف۱ جو کوئی توقع رکھتا ہے اللہ کی ملاقات کی سو اللہ کا وعدہ آرہا ہے۔

ف۲ تو پھر جس کو امید ہو ملنے کی اپنے رب سے سو وہ کرے کچھ کام نیک۔

مسلمانوں کی موت یا لوری

عزیزان من! مسلمان کی موت کیا ہے؟ ایک خوشگوار نیند ہے جو تھپکیاں دے دیکر لائی جاتی ہے۔ تم نے کبھی ماں کو دیکھا ہے بچہ کو کس طرح سلاتی ہے۔ آج کل کی تو ان فیشن ایبل لڑکیوں کی خبر نہیں یہ تو اولاد سے ہی گھبراتی ہیں تو بچوں کو سلانے میں کیا محنت کریں گی۔ پرانے زمانے کی عورتیں بچوں کو لوری دیکر سلایا کرتی تھیں۔ بچہ کا سر سہلا رہی ہیں۔ لوری دے رہی ہیں۔ وہ لوری بھی کیا۔ ٹھنڈی ہوا کرتی تھی سنائیے:۔

آ جا ری نندیا تو آ کیوں نہ جا — میرے بچہ کی آنکھوں میں گھل مل نہ جا

آتی ہوں بیوی میں آتی ہوں — دو چار باتیں سلاتی ہوں

جہاں ماں نے بچے کے سر پر ہاتھ پھیرا بچے نے ایک جمائی لی اور اسکی آنکھیں بند ہوئیں۔ آپ جانتے ہیں ماں کے ہاتھ کی ٹھنڈک، ماں جب سر پر ہاتھ رکھتی ہے تو بچہ کے پاؤں کا تلوا ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ ہمارے نوجوان والدین کو ایک بیکار شے سمجھتے ہیں میں عرض کرتا ہوں ماں باپ اگر زندہ ہوں تو غنیمت جانو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ماں کے پاؤں کے نیچے جنت ہے یعنی ماں کی ادنیٰ سے ادنیٰ خدمت بھی جنت میں لیجانے کا موجب ہے۔ وہ ایک صاحب کا قصہ مشہور ہے باپ کو لکڑی لیکر مارنے لگے، لوگوں نے کہا کمبخت یہ تیرے قبلہ ہیں کعبہ ہیں ان کو لکڑی سے مار رہا ہے، صاحبزادے بولے قبلہ ٹیڑھا ہو جائے تو کیا اسے سیدھا نہ کریں۔ ایک صاحب اپنی والدہ کو مارا کرتے تھے۔ جب ماں کو مارتے تھے تو وہ کہتی تھی ارے بس کر، ارے بیٹا بس کر، ارے میں مر گئی۔ وہ حضرت سعدی علیہ الرحمۃ نے خوب فرمایا ہے۔ ؎

زنان باردار اے مرد ہشیار — اگر وقت ولادت مارزایند

ازاں بہتر بہ نزدیک خردمند — کہ فرزندان ناہموار زاید

اگر آپ میں سے کسی کی والدہ زندہ ہوں تو آج ماں کا ہاتھ اپنے سر پہ رکھکر تجربہ کرلیں کہ ماں کے ہاتھ میں کتنی ٹھنڈک ہوتی ہے۔ بہرحال جب ماں لوری دے دیکر سلاتی ہے تو بچہ ایسا سوتا ہے کہ صبح تک اس کی آنکھ نہیں کھلتی۔ صبح کو ماں اس کو جگاتی ہے کہ اٹھ بیٹا صبح ہوگئی منہ ہاتھ دھوکر ناشتہ کرلے رات بھر بچہ آرام سے سوتا ہے۔ یہ آجکل کی لڑکیاں جو اولاد سے گھبراتی ہیں۔ ان سے محنت نہیں ہوتی بلکہ یہ بچہ کو ڈراکر اور دھمکا کر سلاتی ہیں۔ دیکھ وہ کتا آیا، وہ بلی آئی، بکری آئی، بچہ بیچارا سہم کر سوجاتا ہے اور رات بھر ڈرتا رہتا ہے، صبح کو یہ کسی گنڈے تعویذ والے کو تلاش کرتی ہیں اور سمجھتی ہیں۔ میرے بچہ کو آسیب کی نظر ہوگئی ہے کیونکہ رات بھر ڈرا ہے۔

برتھ کنٹرول

جن عورتوں سے بچے نہیں پلتے وہ برتھ کنٹرول کی فکر میں رہتی ہیں حالانکہ مسلمانوں کی مردم شماری پہلے ہی کم ہے مسلمان عورتوں میں تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے بچے زیادہ مرتے ہیں ایک طرف افلاس دوسری طرف جہالت، ابھی بھٹے کھا رہی ہیں، سنگھاڑے والا آیا سنگھاڑے کھانے لگیں، کبھی بیر کھالئے۔ غرض جو سامنے آیا کھانے سے مطلب اس بے احتیاطی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عام طور سے بچوں کو اڑا ہوجاتی ہے اور اکثر بچے کرتنے کے خلل[1] میں مرجاتے ہیں۔ گنڈے تعویذ والے جو ہاتھ رنگتے ہیں اسکا تو کچھ کہنا ہی نہیں۔

موت کے وقت کی لوری

صاحبو! جس طرح ماں لوری دیکر اور تھپک کر اپنے بچہ کو نیند کے وقت سلاتی ہے۔ اسی طرح حضرت حق اپنے ایماندار اور مخلص بندے کو موت کے وقت لوری دیا کرتے ہیں اللہ یتوفی الانفس حین موتہا۔ اپنے مخصوص بندے کی

[1] دہلی کی عورتیں اس مرض کو جسمیں بچہ کی پسلی چلتی ہو کرتنہ کا خلل کہا کرتی ہیں۔ ۱۲

روح کو اس طرح قبض کرتے ہیں کہ اس کو لوری کی لذت میں پتہ ہی نہیں لگتا ماں کی لوری تو وہی آجا رہی نندیا تو آکیوں نہ جا ہوتی ہے۔ مگر حضرت حق کی لوری کا مضمون عجیب دلکش ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں :-

یاایتھا النفس المطمئنة ارجعی الی ربك راضية مرضية فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔	اے مطمئن انسان اپنے رب کی طرف لوٹ کر چل، تو اس سے راضی ہے اور وہ تجھ سے خوش ہے۔

ذرا ارجعی کو ملاحظہ کیجئے۔ لوٹ چلنا اور لوٹنا اور لوٹ جانا اردو میں بھی تو بولتے ہیں۔ جہاں سے آئے تھے وہاں جانے کو لوٹنا کہتے ہیں۔ ایک شخص صبح کی گاڑی سے شکوہ آباد جائے تو آپ پوچھتے ہیں کب تک لوٹنے کا ارادہ ہے وہ کہتا ہے شام کی گاڑی سے لوٹ آؤنگا یہی مطلب ہے اس آیت کا جو مرنے کی خبر پڑھا کرتے ہو۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ لفظ راجعون بتاتا ہے کہ ہم یہاں کے رہنے والے نہیں ہیں بلکہ عالم قدس اور چمنستان قرب کے رہنے والے ہیں جب مرتے ہیں تو جہاں سے آئے تھے وہیں چلے جاتے ہیں اور چونکہ اپنے وطن جانے کا ہر شخص کو شوق ہوتا ہے اس لئے ہم بھی موت کی راہ تکتے رہتے ہیں اسی کو فرماتے ہیں۔ ان الی ربك الرجعی[۲] تیسواں پارہ سورہ علق اور اسی مضمون کو صحائف ابراہیمی کے حوالے سے سورہ نجم میں فرماتے ہیں۔ وان الی ربك المنتہی۔[۳] بنی نوع انسان کا منتہی اور مرجع حضرت حق کی ذات اقدس ہے اور وہی حقیقت میں

لہ اے وہ جی جس نے چین پکڑ لیا۔ پھر چل اپنے رب کی طرف تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی پھر شامل ہو میرے بندوں میں اور داخل میری بہشت میں۔

ےلہ بیشک تیرے رب کی طرف پھر جانا ہے۔

ےلہ اور یہ کہ تیرے رب تک سب کو پہنچنا ہے۔

ہم سب کا وطن ہے۔ فرق اتنا ہے کہ حضرت حق کو رب کہنے والے اس سفر میں کامیاب ہیں۔ اور حضرت حق کی ربوبیت کے منکر اور دنیا ہی کو وطن حقیقی سمجھنے والے ناکام ہیں۔

هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ	ان بدنصیبوں سے بڑھ کر اور کون محروم القسمت ہوگا جو
اَعْمَالًا اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ	دنیا ہی کو اپنی زندگی کا مقصد اصلی سمجھتے ہیں اور تمام سعی
فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ	دنیا کی زندگی کے لئے ہی کرتے رہتے ہیں اور پھر یہ سمجھتے ہیں
اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا	کہ ہم بہترین کام کر رہے ہیں۔

حب الوطن من الایمان

صاحبو! وطن اصلی تو وہ ہے کافر اس وطن کو سمجھ ہی نہیں سکتا۔ یہ تو انبیاء علیہم السلام کا کام ہے۔ جو حقیقت شناس و معرفت آگاہ ہیں۔ وہی بتا سکتے ہیں کہ وطن کیا ہے اور سفر کیا ہے۔ حضرت عارف رومی نے کیا خوب کہا ہے ؎

معنی حب الوطن آمد درست ——— تو وطن شناس ای خواجہ نخست

تم پہلے وطن تو سمجھ لو افسوس یہ ہے کہ کافروں کی دیکھا دیکھی ہم بھی اس دنیا کو وطن سمجھ بیٹھے ہیں۔ حافظ علیہ الرحمۃ کے جذبات سنئے ؎

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بردم

منزل ویراں سمجھے یہ آپ کی دنیا باوجود ان تمام خوبیوں کے اہل اللہ کے نزدیک منزل ویران ہے۔ جب ہی تو حضرت جامی نے فرمایا تھا۔ ع

چو دونال چند این دیرانہ گشتی

حضرت حافظ فرماتے ہیں۔

سلہ ہم بتادیں تم کو کن کا کیا ہوا گیا اکارت وہ لوگ جن کی کوشش بھٹکتی رہی دنیا کی زندگی میں اور وہ سمجھتے رہے کہ خوب بناتے ہیں کام۔

خورم آن روز کزیں منزل ویراں بروم | راحت از جاں طلبم واز پے جاناں بروم
نذر کردم کہ گر آید بسر این عمر روزے | تا در میکدہ شاداں و غزلخواں بروم

اور سنئے حضرت مولانا رومی فراق کی داستان کس قدر دردناک طریقے سے بیان کرتے ہیں۔

کز نیستاں تامرا ببریدہ اند | از نفیرم مرد وزن نالیدہ ام
سینہ خواہم شرحہ شرحہ از فراق | تا بگویم شرح درد اشتیاق
ہر کسے کو دور ماند از اصل خویش | باز جوید روزگار وصل خویش
سر من از نالۂ من دور نیست | لیک چشم و گوش را آن نور نیست

ایک موقع پر مولانا نے لا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ کے معنی بیان کرتے ہوئے وطنیت کی مزید تشریح فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں ؎

چون مرا سوئے اجل عشق وہواست | نہی لا تلقوا بایدیکم مراست
زانکہ مردن مرا شیریں شداست | بل ہم احیاء پئے من آمدست
اقتلونی یا ثقاتی لائما | ان فی قتلی حیاۃ دائما
ان فی موتی حیاتی یا فتی | کم افارق موطنی حتی متی
فرقتے لو لم تکن دار السکون | لم یقل انا الیہ راجعون
راجع آن باشد کہ باز آید بہ شہر | سوئے وحدت آید از تفریق دہر

عالم روحانیات ومجردات کو اپنا وطن فرماتے ہیں اور کس زور کے ساتھ ارشاد ہوتا ہے۔

اے مسافر با مسافر رائے زن | زانکہ پایت لنگ دارد رائے زن

پہلے مصرعہ کا رائے زن اور ہے اور دوسرے کا رائے زن اور ہے پھر فرماتے ہیں۔

از دم حب الوطن بگذر مایست | کہ وطن آنسوست جاں این سوئے نیست
گر وطن خواہی گزر آن سوئے شط | این حدیث راست را کم خوان غلط
معنی حب الوطن آمد درست | تو وطن نشناس اے خواجہ نخست

شوق وطن اور مقام اصلی کی محبت میں مرنے کا اشتیاق اور موت کی تمنا کرتے ہوئے معترض کو جھاڑ بتاتے ہیں اور اپنی مجبوری کا اظہار کرتے ہیں ؎

تو مکن تہدیدم از کشتن کہ من | تشنۂ زارم بخون خویشتن

اللہ اللہ کیا بیتابی ہے۔ گویا زندگی دوبھر ہو رہی ہے۔

عاشقاں را ہر زمانے مردنیست | مردن عشاق خود یک نوع نیست

آزمودم مرگ من در زندگی ست | چوں رہم زیں زندگی پایندگی ست

اقتلونی اقتلونی یا ثقات | ان فی قتلی حیوۃ فی حیات

یا منیر الخد یا روح البقاء | اجتذب قلبی وجدلی باللقاء

لی حبیب حبہ یشوی الحشا | لو یشا یمشی علی عینی مشا

دیکھا آپ نے انبیاء علیہم السلام کا نقطۂ نگاہ۔ صاحبو! یہ ہے سلمانوں کا عقیدہ اور یہ ہے۔ اسلام کی تعلیم، جس کو آج لوگ فراموش کر چکے ہیں۔ ہماری حالت عادی مجرموں کی طرح جیلخانہ میں رہنے کی ہو گئی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے واقعات میں مذکور ہے کہ

جب ملک الموت قبض روح کے لئے حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا۔

ھل رایت خلیلا یقبض	ملک الموت تم نے کسی دوست کو دوست کی
روح خلیلہ	جان قبض کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

ملک الموت اس جواب کو سنکر آسمانوں کی طرف لوٹ گئے۔ حضرت حق کی طرف سے ارشاد ہوا۔ ہمارے خلیل سے دریافت کرو۔

ھل رایت خلیلا	تم نے کسی دوست کو اپنے دوست کی ملاقات
یکرہ لقاء خلیلہ	سے گھبراتے ہوئے دیکھا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا میری روح اسی وقت قبض کرے۔

حضرت عمر بن الخطابؓ کا واقعہ

جس دن امیر المومنین سیدنا عمر بن الخطابؓ مجروح ہوئے اور آپ کو اٹھا کر مکان میں لائے تو آپ نے مکان میں آکر نماز پڑھی۔ لوگ عیادت کے لئے آنے شروع ہوئے۔ کعب احبار بھی آئے حضرت عبداللہ بن عباس بھی تشریف لائے۔ کعب احبار نے کہا اگر امیر المومنین اس وقت اپنے لئے خود دعا کریں تو مجکو امید ہے کہ ان کی زندگی بڑھا دیجائیگی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے امیر المومنین کو توجہ دلائی حضرت عمرؓ نے کعب احبار کی بات سن کر فرمایا۔ اگر مجھے یہ معلوم ہو کہ میری زندگی میرے کان کے قریب ہے اور ذرا ہاتھ اٹھانے سے میری زندگی میرے ہاتھ میں آجائیگی۔ تو میں زندگی کیلئے اپنے کان تک بھی ہاتھ اٹھانے کو تیار نہیں ہوں۔

لوری کا تتمہ

بہر حال وہ لوری جو حضرت حق کی طرف سے اپنے بندے کو موت کے وقت دیجاتی ہے وہ سن کر ایسا سوتا ہے کہ قیامت تک سوتا ہی رہتا ہے جب آفتاب محشر طلوع ہوتا ہے تو حضرت حق خود ہی اپنے مخلص بندے کو بیدار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں اٹھ صبح ہوگئی منہ ہاتھ دھو کر ناشتہ کرلے۔

یٰعباد لاخوف علیکم الیوم	اے میرے بندو! آج تم پر کوئی غم اور فکر آنے والا نہیں
ولا انتم تحزنون۔ الذین	ہے۔ جو لوگ میری آیتوں پر ایمان رکھتے تھے اور
؁ امنوا بایتنا وکانوا مسلمین	مسلمان تھے ان کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ جنت میں
ادخلوا الجنۃ انتم وازواجکم	داخل ہو جائیں ان کی بیویاں بھی انکے ہمراہ ان کے
تحبرون۔	اعزاز کی غرض سے جائیں۔

؁ اے بندو میرے نہ ڈر ہے تم پر آج کے دن اور نہ تم غمگین ہوگے جو یقین لائے ہماری باتوں پر اور رہے حکم بردار چلے جاؤ بہشت میں تم اور تمہاری عورتیں کہ تمہاری عزت کریں۔

صاجو اسی موت کو تو لقاء الہی کہا گیا ہے اور اسی مزے کی وجہ سے تو حضرت بو علی قلندر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

گر بیاید ملک الموت کہ جانم ببرد ۔۔۔ تا نہ بینم رخ تو روح رمیدن ندہم

میں جب تک آپ کو نہ دیکھ لوں گا ملک الموت کو ہاتھ بھی نہ لگانے دونگا۔ ملک الموت کون ہوتے ہیں جو میری روح کو قبض کریں اسی غزل کا ایک اور شعر ہے ؎

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم ۔۔۔ گوش را نیز حدیث تو شنیدن ندہم

سبحان اللہ کیا غیرت ہے اور کیا صحیح بات ہے اور ہماری آنکھ اور ہے عالم ارواح کی آنکھ اور کان علیحدہ ہیں۔ اور عالم مادیات میں تو غیرت ہی غیرت ہے جب ہی تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :۔

ان لنفسک علیک حقا وان لعینک علیک حقا وان لزوجک علیک حقا۔

اگر ہم اور ہماری آنکھ ایک ہی شے ہوتی تو اضافۃ الشئ الی نفسہ لازم آجاتی کہنے کو حضرت قلندر صاحب مجذوب ہیں۔ لیکن کلام میں وہ رعایت ہے۔ کہ سالکوں کو نصیب نہیں ہے۔

حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ

حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ قلندر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے اور دہلی سے پانی پت تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ایک دن حاضر ہوئے تو اپنی مشہور غزل سنائی جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

قیمت خود ہر دو عالم گفتہ ئی ۔۔۔ نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

خسرو جیسے خریدار کو بھی زیبا تھا۔ جو انہوں نے کہا۔ ہم سے تو پانچ وقت کی نماز پڑھ کر بھی خریدار بننا نہیں آتا، دو عالم تو کیا دیں گے جو سچے عاشق ہیں وہ دل

عالم کے بعد بھی بھاؤ بڑھانا چاہتے ہیں۔ ہاں بھائی طلب صادق اور عشق حقیقی کا مول ہے۔ وہ زلیخا جب حضرت یوسف علیہ السلام کو خرید کر لائی تو عورتوں نے طعنہ دیا کہ تمام خزانے ایک غلام کے پیچھے خالی کرائی۔ وہ اس تمام سب وشتم کو سن کر مسکرائی اور اس نے کہا ؎

گفت اے ناصح خمش کن چند پند　　　پند کم دہ زانکہ بس سخت است بند

تم جب مال کو پہچانتی نہیں اس کی خریداری پر عیب کیوں لگاتی ہو تم کو کیا خبر کہ میں نے کیا خریدا اور کیا دے آئی ؎

جادے چند دادم جاں خریدم　　　بحمد اللہ عجب ارزاں خریدم

حضرت سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب حضرت بلال کو خریدنے تشریف لے گئے اور اُمیہ کو منہ مانگی قیمت ادا کرنے لگے تو امیہ نے کہا تم تو تجربہ کار تاجر ہو پھر ایسے حبشی غلام کی یہ قیمت لگا رہے ہو۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا۔ تو بھی تو مشہور سوداگر ہے لیکن تجھ کو گاہک کے تیور بھی نہیں پہچاننے آئے اگر تو مجھ سے یہ کہتا کہ ابوبکر تم میرے غلام ہو جاؤ جب اس کو آزاد کروں گا۔ تو میں خود غلامی قبول کرتا۔ لیکن بلال کو آزاد کراتا۔ قیمت تو جب بڑھتی ہے جب کسی کو مال کی قدر ہو۔ ایک زمین دگنی اور تگنی قیمت دے کر خرید لیتے ہو۔ اس ممبری اور کونسلوں کیلئے ہزاروں روپے خرچ کر سکتے ہو لیکن خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے دم چراتے ہو۔

حضرت بو علی قلندر رحمۃ اللہ علیہ

بہر حال جب حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ اپنی غزل سُنا چکے تو حضرت قلندر صاحب سے درخواست کی۔ قلندر صاحب نے پہلے تو کہا آپ لوگ سالک ہیں۔ اور ہم تو دیوانے اور مجذوب ہیں لیکن حضرت خسرو کے اصرار پر قلندر صاحب نے یہ شعر سنائے ؎

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم　　گوش را نیز حدیث تو شنیدن ندہم

آپ کے مرزا داغ دہلوی نے بھی اس غیرت کو ادا کیا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ خوب باندھا ہے۔ مرزا داغ کی شاعری کیا ہے دہلی کی زبان کو نظم کے لباس سے آراستہ کر دیا ہے۔ داغ کی اردو حقیقتاً اردو ہے۔ دہلی کی زبان کے ٹکڑے اٹھا اٹھا کر مرزا صاحب نے اپنے دیوان میں رکھ دیئے ہیں۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں ؎

شرکت غم بھی نہیں چاہتی غیرت میری　　غیر کی ہو کے رہے یا شب فرقت میری

یہ تو اردو کے شاعر کا ایک شعر تھا اور میں نے محض ایک مناسبت سے آپ کو سنا دیا ورنہ اولیاء کرام کے خیالات حقیقت پر مبنی ہوا کرتے ہیں اور وہ اس چھوٹی شاعری اور تکبندی سے بالاتر ہوتے ہیں۔ وہاں عشق صادق ہوا کرتا ہے وہاں سچی طلب ہوتی ہے، ان کو ایک لگن ہوتی ہے اُن کو محبوب حقیقی کی سچی دھن ہوتی ہے ان کو اپنے مٹنے اور اپنی تباہی میں ایک لطف آتا ہے وہ خام نہیں ہوتے بلکہ پختہ ہوتے ہیں، ان کا اسلام فنا اور ان کی بقا کفر ہوتا ہے۔ وہ جو کچھ فرماتے ہیں صحیح جذبہ کے ماتحت فرماتے ہیں۔ مولانا نیاز رح نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

رفتیم اندر تہ خاک عشق تبانم باقیست　　عشق جانم بر بود آنت جانم باقیست

سر و سامان وجودم شرر عشق بسوخت　　ہم چو نقش کف پا نام و نشانم باقیست

ہستیم جملہ خیالست و تبمثال سراب　　بالیقیں من نیم و وہم و گمانم باقیست

طمع فاتحہ از خلق نداریم نیاز　　عشق اندر پس من فاتحہ خوانم باقیست

عشق حقیقی کی نیرنگیاں

صاحبو! اس عشق حقیقی کی داستان بڑی دلگداز اور المناک ہے۔ جب یہ چیز کسی دل میں گھر کر جاتی ہے پھر اس کے اثرات عجیب و غریب ہوتے ہیں۔ پھر تو یہ حالت تو ہوتی ہے کہ حضرت خبیب کو سولی پر چڑھایا جاتا ہے اور وہ رجز کرتے ہوئے سولی پر

چڑھ جاتے ہیں بھلا خیال کیجئے کہ ایک شخص پھانسی پر لٹکایا جا رہا ہے اور اس وقت اس کے دماغ کو اتنی حضوری ہے کہ وہ شاعری کر رہا ہے۔ پھانسی سامنے ہے اور ان پر وجد طاری ہے۔ فرماتے ہیں ؎

وما بی حذار الموت انی لمیت | ولکن حذاری حر نار تلفع
فلست بمبد للعدو تخشعا | ولا جزعا انی الی اللہ مرجعی
فذا العرش صبرنی علی ما اصابنی | فقد یضعوا لحمی وضل مطمعی
وذلک فی ذات الالٰہ وان یشأ | یبارک علی اوصال شلو ممزع
ولست ابالی حین اقتل مسلما | علی ای جنب کان للہ مصرعی

جب مجھے اسلام پر موت آرہی ہے تو مجھے کیا غم ہے چاہے کسی پہلو پر قتل کر دیا جاؤں مجھے موت کا غم نہیں ہے اور نہ اپنے مرنے کی فکر ہے نہ تو مجھے دہکتی ہوئی آگ کا اندیشہ ہے جب میں اپنے رب کی طرف لوٹ رہا ہوں تو اندیشہ کی وجہ نہیں ہے مجھے صاحب عرش نے ہر مصیبت کے برداشت کرنے کی ہمت دیدی ہے۔

میرے عزیزو! عاشقوں کی دنیا ہی بالکل نرالی اور جدا ہے بشرطیکہ کوئی صحیح رہنمائی کرنیوالا مل جائے۔ اب تو یہ ان لوگوں کے فسانے ہیں جو ہم سے پہلے گزر گئے حضرت حسین بن منصور کو جب قتل کیلئے لے جایا جا رہا تھا اور ان پر لوگ پتھر پھینک رہے تھے اور ان کے منہ پر طمانچے مار رہے تھے تو وہ اسی حالت میں فرما رہے تھے۔

لما اسلم النفس للاسقام تتلفها | الا لعلمی بان الموت یشفیها
ونفس المحب علی الاٰلام صابرۃ | لعل متلفہا یوما یداویہا

میں نے یہ تمام مصائب جان بوجھ کر اختیار کئے ہیں اور میرا یہ یقین ہے کہ میرے امراض کو موت ہی سے شفا ہو سکتی ہے۔ ایک عاشق کا نفس ہر مصیبت پر اس لئے صبر کرتا ہے کہ شاید بیمار ڈالنے والے کبھی عیادت اور تیمارداری کے بہانہ سے آنکلیں۔

سبحان اللہ کیا حال ہے۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما　　　اے طبیب جملہ علت ہائے ما
اے دوائے نخوت و ناموس ما　　　اے تو افلاطون و جالینوس ما

میں نے عرض کیا تھا کہ ان لوگوں کی دنیا ہی اور ہے۔ اور آج تو ان حضرات کا کلام سمجھنے کی بھی لوگوں میں قابلیت باقی نہیں رہی۔ دہلی کے آخری تاجدار حضرت ابوظفر رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے ؎

یہ دعا ہے دل کی نہ آئے دل　　　کوئی بے وفا نہ دکھائے دل
وہ جو بیچتے تھے دوائے دل　　　وہ دکان اپنی بڑھا گئے

ہاں ان کے نام پر کچھ دکاندار اور تماشی سوداگر بیٹھے ہوئے ہیں ورنہ وہ باتیں اب کہاں اور وہ حضرات اب کہاں۔ یہ جاہل پیر ہیں جو اہل اللہ کا نام لے لیکر دنیا کو دھوکا دے رہے ہیں۔ اور شریعت کو تباہ کر رہے ہیں۔ ان کے کلام کے مطالب کو بگاڑ کر اپنا الو سیدھا کر رہے ہیں۔ بہرحال عشق کی دنیا اور ہے۔ وہ ایک صاحب حال فرماتے ہیں۔

مصحف روئے تو مارا ہست قرآں دگر　　　عاشقاں را دین دیگر ہست ایمان دگر

اب معاذ اللہ کوئی شخص اس کا یہ مطلب بیان کردے کہ ان حضرات نے کسی نئے دین یا نئے مذہب کی بنیاد ڈالی تھی تو اس سے بڑھ کر کون احمق ہو سکتا ہے اور ایسی بات وہی بیوقوف کہہ سکتا ہے جو اس قوم کی اصطلاحات سے واقف نہ ہو۔

بہرحال! جس طرح حضرت قلندر صاحب نے اپنی غیرت عشقی کا اظہار کیا ہے اسی خیال کو حضرت سلطان الہند خواجۂ خواجگان معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ظاہر کیا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

چشم غیر است درین پردہ چو جانش بینم　　　بہتر آنست کہ از دیدہ جانش بینم

او چو از دیدۂ بیدیدہ کیم مے بیند | چارہ آنست کہ من نیز خیالش بینم
پردہ گو نیز فگن امروز ز رخ ورنہ مرا | صبر آن نیست کہ فردا بجمالش بینم

حضرت قلندر صاحب کے کلام میں جو اغلاق تھا وہ بھی حضرت خواجہ صاحب نے دور کر دیا اور جو بات صاف تھی وہ کھدی ۔غرض قلندر صاحب نے اپنی غزل حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کو سنائی تو ان کو وجد آگیا۔

بھائی ہر چند کہ سلوک کا مرتبہ جذب سے بڑھا ہوا ہے لیکن بعض اوقات جذب بھی ایسا ہوتا ہے کہ وہاں سالکوں کی عقل حیران رہ جاتی ہے۔ ہاں تو میں یہ شعر قلندر صاحب کا پڑھ رہا تھا ؎

گر بیاید ملک الموت کہ جانم ببرد | تا نہ بینم رخ تو روح رمیدن نہ دہم

صاحبو! جو لوگ چہرہ دیکھ کر جان دیتے ہوں ان کو موت کی تمنا نہ ہوگی تو اور کس کو ہوگی اور یہ لوگ موت سے کیوں گھبرائیں گے ان کی موت تو واقعی لقاء الٰہی کا صحیح مظہر ہے ان کے نزدیک موت اور لقائے آلٰہی ایک ہی چیز ہے۔ یہ موت پر اسی طرح فریفتہ ہیں جس طرح تم زندگی کے پیچھے دیوانے ہو ان کی موت نہیں ہے بلکہ ایک نئی زندگی کا دور ہے۔ جو پہلے دور سے لاکھوں درجے بہتر ہے۔

سب سے پہلی بات

صاحبو! میں عرض کر رہا تھا۔ قیامت میں اللہ رب العزت سب سے پہلے اپنے مسلمان بندوں سے فرمائیں گے۔ کیا تم کو میری ملاقات کا شوق تھا۔ بندے اثبات میں جواب دیں گے۔ دریافت کیا جائے گا میری ملاقات کا شوق کس لئے تھا بندے عرض کریں گے۔

رجونا مغفرتک | آلٰہی ہمیں تیری رحمت اور مغفرت کی امید تھی
ورحمتک | ہم تجھ سے اچھا گمان کرتے تھے۔

ارشاد ہوگا میں نے اپنی رحمت و مغفرت تمہارے لئے واجب کر دی یہ سب سے پہلا

کلام ہے جو ابھی تک مستقبل کے دامن میں پوشیدہ ہے لیکن میں آج آپ کو مستقبل کی تاریخ سنا رہا ہوں۔ آپ کا یورپ تو زیادہ سے زیادہ یہ کہتا ہے کہ مسیح سے دو ہزار برس قبل یہ ہوتا تھا۔ اور میں عرض کرتا ہوں۔ اب سے ہزار برس کے بعد یہ ہونے والا ہے آپ کے پاس موجودہ زمانہ کے ملحدین کی نئی روشنی ہے۔ اور میرے پاس مشکوٰۃ نبوت کا نور ہے۔

بیسویں صدی کے نوجوان

آج کے نوجوان مولویوں کی باتوں پر ہنسا کرتے ہیں۔ جہاں کسی پیغمبر کے معجزے کا ذکر آیا کسی ولی کی کرامت کا ذکر کیا اور یہ چیخ کر بولے۔ مولوی صاحب اس بیسویں صدی میں آپ ایسی مضحکہ خیز باتیں کرتے ہیں۔ اس زمانہ میں تو آپ کو کوئی معقول باتیں کرنی چاہئیں گویا بیسویں صدی کچھ بہت معقول ہے جس میں اللہ کے مقدس بندوں کی کرامات و معجزات کی گنجائش نہیں ہے۔ معجزہ اور کرامت نامعقول شے ہے؟ میں کہا کرتا ہوں ہاں میاں تم سچ کہتے ہو۔ اس بیسویں صدی میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور بزرگانِ دین کے معجزات و کرامات کی جگہ نہیں ہے لیکن اس بیسویں صدی میں شراب عام طور سے فروخت کی جا سکتی ہے اس بیسویں صدی میں بازاری عورتیں اپنی شرمگاہوں کا علی الاعلان بھاؤ کر سکتی ہیں۔ اس بیسویں صدی میں نہتے باشندوں پر ہوائی جہاز سے بمباری کی جا سکتی ہے اس بیسویں صدی میں ہاتھ جوڑ کر دیسی کپڑے کی سفارش کرنیوالوں کو چھ ماہ کی قید ہو سکتی ہے۔ اس بیسویں صدی میں کروڑوں انسانوں پر ان کی مرضی کے خلاف حکومت کی جا سکتی ہے۔ اس بیسویں صدی میں اہل وطن کا حق وطنیت سلب کر کے اجنبی لوگوں کا وطن بنایا جا سکتا ہے اس بیسویں صدی میں ہر قسم کی بدتہذیبی بے ایمانی اور سخت گیری جائز ہے لیکن خدا کے مقدس بندوں کی تعلیم کے لئے اس بیسویں صدی میں کوئی گنجائش نہیں آپ کی اس

بیسویں صدی میں ایک اجنبی مرد اجنبی عورت کے گلے میں ہاتھ ڈال کر ناچ سکتا ہے۔ لیکن خدائی تہذیب کے لئے اس صدی میں دروازہ بند ہے۔ میں جانتا ہوں کہ آج کل کی دنیا آئینی دنیا ہے۔ آج کی دنیا قوانین کی دنیا ہے۔ آجکل علم کا چرچا ہے ہر محلہ میں ایک دو آنرس فیل مل جاتے ہیں لیکن انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم کیا آئینی نہیں ہے۔ بالخصوص جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس تعلیم تو آئین و قوانین سے بھرپور ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی تو اعجاز ہی اعجاز ہے۔ تم معجزات کا کہاں تک انکار کرو گے۔ چاند کا دو ٹکڑے ہونا شجر و حجر کا سلام کرنا انگلیوں میں سے پانی کا نکلنا اگر یہ باتیں آپ کے نزدیک مضحکہ خیز ہیں تو ایک امی شخص کا بطحے کی کنکریوں پر بیٹھ کر ایک مکمل قانون بنا دینا بھی آپ کے نزدیک معجزہ نہیں ہے۔

ترتیب قوانین

آپ کی اس بیسویں صدی میں کونسلیں ہیں۔ اسمبلی ہے جس میں قانون پیش ہوتا ہے سلیکٹ کمیٹی میں جاتا ہے رائے عامہ کے لئے شائع ہوتا ہے۔ پانچ پانچ ہزار تنخواہ پانیوالے لاء ممبر اس پر غور کرتے ہیں۔ ممبران اسمبلی اس پر بحث کرتے ہیں۔ ان تمام حالات سے گذر کر ایک قانون بنتا ہے اور چند ہی دن کے بعد اس قانون میں ترمیم کی ضرورت پیش آجاتی ہے۔ اگر یہاں کوئی وکیل یا مجسٹریٹ ہوں تو میں دریافت کرنا چاہتا ہوں کیا ضابطہ فوجداری میں ترمیم نہیں ہوئی ہے کیا تعزیرات ہند اب بھی تعزیرات ہند ہے جو لارڈ میکالے نے بنائی تھی؟ آج ضابطہ فوجداری میں اتنی چیپیاں لگی ہوئی ہیں جیسے کسی غریب آدمی کے کپڑوں میں پیوند لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس فقرے کو اس فقرے سے ملا کر پڑھو، یہی کی جگہ یہ عبارت پڑھو اور لے کی جگہ دی کے الفاظ پڑھو اتنی بات تو عوام بھی سمجھتے ہونگے کہ پہلے چور کی ضمانت نہیں ہوتی تھی اب ہو جاتی ہے۔ پہلے وارنٹ لیکر اپنی بیوی کو میکے سے لے آتے تھے اب نہیں لا سکتے، تو بتاؤ قانون میں ترمیم ہوئی یا نہیں؟

مولانا محمد علی کا واقعہ

کل کی بات ہے۔ مولانا مرحوم کی خدا مغفرت کرے کہ انہوں نے دفعہ ۱۵۳-الف میں ترمیم کرائی جب لاہور کے ایک آریہ نے معاذ اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی اور بڑا قصہ چلا تو عام طریقہ سے تم نے تو دلیپ سنگھ پر حملے کرنے شروع کر دیئے حالانکہ ہائی کورٹ کے جج پر اس کی نیت پر حملہ کرنے کو گورنمنٹ کس طرح برداشت کر سکتی تھی لیکن مولانا محمد علی صاحب مرحوم نے قانون کے نقص کو ظاہر کیا اور یہ بتایا کہ دلیپ سنگھ نے قانون کے خلاف نہیں کیا۔ بلکہ قانون میں ایسی گنجائش موجود ہے اور قانون میں نقص موجود ہے۔ تم نے اپنی خبیث عادت کے موافق اس وقت اس بیچارے مرحوم پر بھی ہندو پرستی کا عیب لگایا۔ تم کسی کو کب چھوڑتے ہو۔ تم تو ہر شخص کو اپنی رائے پر چلانا چاہتے ہو۔ آخر گورنمنٹ نے قانون کے نقص کو قبول کر لیا۔ اور ترمیم کے لئے قانون سلیکٹ کمیٹی کے سپرد ہوا۔

آرڈیننس کا مطالبہ

شاید آپ کو یاد ہوگا۔ کہ مولانا محمد علی مرحوم نے بار بار اپنے اخبار میں لکھا۔ خود بھی کئی بار وائسرائے کو توجہ دلائی کہ جب تک ۱۵۳ الف کا فیصلہ ہو یا راجپال کے فیصلہ پر نظر ثانی کی جائے وائسرائے ایک آرڈیننس جاری کر دیں تاکہ انبیاء علیہم السلام کی عزت و آبرو کا تحفظ اس آرڈیننس کے ذریعہ کیا جا سکے لیکن وائسرائے جو کانگریس کی تحریک کو کچلنے کے لئے ہر صبح و شام ایک آرڈیننس بناتا تھا اور اس کے عمال حکومت آرڈیننس کے ذریعہ جلسہ کرنے اور جلوس نکالنے والوں پر بے پناہ مظالم کرتے تھے اس زمانہ میں خاموش بیٹھا رہا اور خدا کے مقدس پیغمبروں کی عزت بچانے اور منہ پھٹ آریوں اور عیسائیوں کی زبان و قلم سے معصوم انسانوں کو بچانے کے لئے ایک آرڈیننس اس سے نہ بنایا گیا۔ آج پھر حکومت اقلیتوں کے تحفظ کا نام لیکر وائٹ پیپر میں اختیارات

تک ہی ہے اور پوری پاور وائسرائے اور گورنروں کے قبضہ میں رکھنا چاہتی ہے کہا یہ جاتا ہے کہ ان اختیارات سے اقلیتوں کو بچایا جائیگا۔ اور مسلمانوں کے ٹوڈی مسلمانوں کو یہ کہہ کر دہوکہ دے رہے ہیں کہ یہ اختیارات تو گورنمنٹ ہمارے لئے اور ہماری حفاظت کے لئے رکھنا چاہتی ہے لیکن ان غداروں اور وطن فروشوں سے دریافت کرو کہ آجتک کبھی گورنر جنرل نے اپنے اختیارات خصوصی تمہارے لئے استعمال کئے ہیں؟ جس دن سے ہندوستان کو ریفارم ملی ہے اور وائسرائے کو اختیارات خصوصی دیئے گئے ہیں اس تمام زمانے میں کبھی آج تک مسلمانوں کے لئے یہ اختیارات استعمال کئے گئے؟ معمولی معمولی باتوں کے لئے بعض دفعہ وائسرائے نے اپنے اختیارات استعمال کئے اور ملکی تحریکات کو کچلنے کے لئے تو یہ اختیارات دن اور رات میں چوبیس مرتبہ استعمال کئے جاتے تھے لیکن یہ خصوصی اختیارات مسلمانوں کے لئے بلکہ عزیز ترین اقلیت کے لئے ایک دن بھی نہ استعمال کئے گئے جس دن اس اقلیت کے پیغمبر اور روحانی آقا پر حملے کئے جارہے تھے خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کے تحفظ کا معاملہ تھا مولانا محمد علی جیسا شخص حکومت سے استدعا کرنیوالا تھا۔ لیکن یہ حکومت مسلمانوں کے کام آئی؟ جب آج تک حکومت نے یہ اختیارات خصوصی مسلمانوں کے لئے نہیں استعمال کئے تو آئندہ مسلمانوں کا نام لیکر وائٹ پیپر میں اختیارات خصوصی کا تحفظ ایک دہوکہ اور عیاری نہیں تو اور کیا ہے؟ اور اس وائٹ پیپر کی حمایت کرنیوالے اپنے ملک کے ساتھ غداری نہیں کررہے تو اور کیا کررہے ہیں۔ کیا وائٹ پیپر کے حامی مسلمانوں کو دھوکہ دے کر مغالطہ میں مبتلا نہیں کررہے ہیں۔

وائٹ پیپر اور کمیونل ایوارڈ

ان مفتریان قوم نے ایک اور بات کہنی شروع کی ہے۔ صاحب اگر خدانخواستہ وائٹ پیپر کو مسترد کردیا گیا تو نصیب اعدا کمیونل ایوارڈ کو بھی ٹھیس لگ جائے گی۔

اور کمیونل ایوارڈ کو نقصان پہنچ گیا۔ تو بنگال میں یورپین حکومت نہ رہے گی جو ہم نے بڑی مشکل سے یورپین کو دس فی صدی سیٹیں دیکر ہمیشہ کے لئے قائم کی ہے۔ انہیں کمیونل ایوارڈ کو صدمہ پہنچنے کا رنج اس لئے نہیں ہے کہ اس سے مسلمانوں کو کوئی نقصان پہنچ جائے گا۔ بلکہ ان کو کمیونل ایوارڈ کی فکر اس لئے ہے کہ اگر نصیب دشمناں اس کو کوئی صدمہ پہنچا تو بنگال میں یورپین حکومت نہ رہے گی۔ کیوں صاحب میں دریافت کر سکتا ہوں کہ وائٹ پیپر کی مخالفت سے کمیونل ایوارڈ کیوں جاتا رہیگا۔ آپ تصریح کر دیجئے اور یہ کہہ کر مخالفت کیجئے کہ ہم وائٹ پیپر کے اس حصہ کی مخالفت کرتے ہیں جس کا تعلق ملک کی آزادی سے ہے۔ اگر تم یہ تصریح کرتے ہوئے۔ وائٹ پیپر کی مخالفت کرو تو تمہاری علی لیکن موہوم اکثریت بھی نہیں جائے گی اور وہ سفید ہاتھی بھی زخمی ہو جائے گا۔ اور اگر تم نے حکومت سے کوئی اس قسم کا ذلیل معاہدہ کر لیا ہے کہ وزیر اعظم کمیونل ایوارڈ کو نہ بدلیں اور ہم وائٹ پیپر کی مخالفت نہ کریں تو کم از کم اس کو ہی ظاہر کر دو۔ ایک طرف تو جناب سب سے زیادہ ایماندار بنتے ہیں۔ اور دوسری طرف وہ خفیہ معاہدہ بھی نہیں بتاتے جو رمزے سے کر آئے ہو۔ جب تک انگلستان میں رہے آپ کرتے کیا رہے۔ وزیر اعظم ہی کی انگلیوں پر تو ناچتے رہے ہو۔ کہو قسم کھا کر اقلیتوں کا معاہدہ رمزے کے مشورے سے نہیں ہوا؟

بہرحال وائٹ پیپر اور کمیونل ایوارڈ دو چیزیں ہیں۔ رہا کانگریس ورکنگ کمیٹی کا یہ کہنا کہ وائٹ پیپر کے ساتھ کمیونل ایوارڈ بھی مسترد ہو جائیگا۔ یہ بالکل صاف ہے قومی اسمبلی اگر منتخب ہو سکی اور اس میں اتنی طاقت ہوئی کہ وہ ہندوستان کیلئے وائٹ پیپر بنا سکی تو یقیناً وہ فرقہ وارانہ فیصلہ بھی بنائے گی اگر وہ اتنی قومی ہوئی کہ وائٹ پیپر کو مسترد کر سکے اور ہندوستان کیلئے کوئی آزاد اسکیم بنا سکی تو یقیناً کمیونل ایوارڈ بھی [illegible] وارانہ طریقے سے بنے گا۔ اس میں کیا اشکال ہے وہ یہ تو کھلی ہوئی بات ہے آزاد

وائٹ پیپر کو بھی مسترد کر دے گی اور فرقہ وارانہ فیصلہ کو بھی مسترد کر دیگی نہ حکومت کا دیا ہوا وائٹ پیپر رہیگا۔ نہ حکومت کا کیا ہوا فرقہ وارانہ فیصلہ رہیگا۔ کانگریس کی تجویز کا یہ مطلب بتانا کہ وائٹ پیپر اگر خدانخواستہ مسترد ہوا تو وہ سونے کی چڑیا ہاتھ سے نکل جائیگی یہ ایک بدترین مطلب ہے جو کانگریس کی بہترین تجویز کا بیان کیا جا سکتا ہے۔

کانگریس کی مخالفت کیوں ہے؟

کیوں صاحب میں دریافت کر سکتا ہوں آپ تو کانگریس کی عدم شرکت کی وجہ یہی بتاتے تھے کہ ہمارے ۱۴ نکات پورے ہو جائیں تو ہم کانگریس میں شریک ہو جائیں گے، اب تو وہ نکات بقول آپ کے پورے ہو گئے، کیونکہ آپ تو کہتے ہیں ہم ۱۴ کے بھی ۱۶ لے آئے اگر وہ نکات پورے نہیں ہوتے تو ہوم ممبر کا ڈھڑھ بھیکے شکریہ کیوں ادا کر رہے ہو اور اگر وہ نکات پورے ہو گئے اور تم کو منہ مانگی مراد مل گئی تو تمہاری شرط پوری ہو گئی، اب کانگریس میں کیوں شریک نہیں ہوتے، آپ جو مانگتے تھے۔ وہ اگرچہ ہندو نے آپ کو نہیں دیا۔ لیکن انگریز نے دیدیا۔ بہر حال مل تو گیا۔ شرط پوری ہو گئی۔ پھر کانگریس میں شریک ہونے پر کیا اعتراض ہے؟ کانگریس اس نازک موقعہ پر جو کچھ کر سکتی تھی اس نے کیا۔ آپ ہی بتائیے ایک مشترک جماعت اس سے زیادہ اور کیا کرتی۔ نہرو رپورٹ کو مسترد نہ کرتی تھی تو آپ ناراض تھے۔ تمام دنیا میں غل مچاتے پھرتے تھے کہ نہرو کانسٹی ٹیوشن اگر رائج ہو گیا تو بس اسلام کا خاتمہ ہے دنیا میں اسلام کا وجود معاذ اللہ باقی نہ رہے گا۔ نہرو رپورٹ کے وقت یوں ناراض تھے کہ کانگریس اسے مسترد کیوں نہیں کرتی کمیونل ایوارڈ کے وقت (جسے آپ اسلام کی بقا اور حیات کا ذریعہ سمجھ رہے ہیں) یوں ناراض ہیں کہ اس کو کانگریس قبول کیوں نہیں کرتی؟ سبحان اللہ کیا منطق ہے گویا کانگریس بھی مسلم کانفرنس ہے اس میں ہندو ہیں نہ سکھ ہیں، نہ عیسائی اور نہ ڈپریس کلاسیز ہیں۔ آخر ایک مشترکہ جماعت کو

سب کی رعایت کرنی ہے۔

۱۵۳۔ الف میں ترمیم

بہرحال مسلمانوں کی چیخ پکار اور مولانا محمد علی مرحوم کی جد و جہد کا نتیجہ یہ ہوا کہ گورنمنٹ نے قانون کے نقصان کو تسلیم کیا، اور قانون میں ترمیم ہوئی۔ اگرچہ مولانا مرحوم جیسا چاہتے تھے گورنمنٹ نے وہ تو نہیں مانا لیکن ترمیم ضرور ہوئی۔ ایک قانون کیا کوئی قانون بھی ایسا ہے جس میں ترمیم نہیں ہوئی۔ دفعہ ۱۰۸ میں ترمیم ہوئی۔ پہلے اس دفعہ میں محض سزا بھی ہو سکتی تھی اور سخت سزا بھی ہوا کرتی تھی۔ اب صرف محض سزا ہو سکتی ہے سخت نہیں ہو سکتی۔ بعض دفعات جو پہلے راضی نامہ کے قابل نہ تھیں اب ان میں راضی نامہ بھی ہو سکتا ہے۔ کس قدر محنت اور غور و خوض کے بعد ایک قانون بنتا ہے اور چند ہی روز کے بعد ترمیم کی ضرورت پیش آجاتی ہے۔ یہ ہے آپ کے آئینی دماغ کی کمزوری اور مجبوری +

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قانون

اس کے مقابلہ میں اس شخص کا قانون دیکھو جو ایک بیوہ ماں کے گھر کا چراغ بنتا ہے۔ اس کو یتیم سمجھ کر ایک غریب گھرانے کی دائی دودھ پلانے کے لئے لیجاتی ہے۔ وہ اسی بے سروسامانی اور غربت میں پرورش پاتا ہے۔ چند دن میں ماں کا سایہ بھی سر پہ نہیں رہتا۔ دادا کا بھی انتقال ہو جاتا ہے۔ کوئی لکھانے پڑھانے والا نہیں جس ملک میں پیدا ہوئے وہ تہذیب و تمدن سے ایسا دور جو لکھنے پڑھنے ہی کو عیب سمجھے لکھے پڑھے لڑکے کا کہیں رقعہ جائے تو محض اس بنا پر واپس ہو جائے کہ یہ لکھا پڑھا کیوں ہے۔ ایسی حالت میں پڑھاتا بھی کون۔ آج کل ماں باپ والے بچے لاکھوں جاہل ہیں۔ بن ماں باپ کے بچے کی تعلیم کا کیا طریقہ ہو سکتا تھا۔ نہ کبھی علم [illegible]

کی صورت دیکھی نہ سلسلہ [illegible] کسی کے [illegible] کبھی کسی [illegible]

استاد کے سامنے زانوئے ادب طے کیا، نہ کسی مدرسے میں داخل ہوئے پھر سارے حجاز میں نہ کوئی کالج، نہ یونیورسٹی، نہ کوئی ہائی سکول، نہ پرائمری سکول، نہ کوئی مکتب داخل بھی کہاں ہوتے۔ اور داخل بھی کون کراتا۔ اور داخل بھی ہو جاتے تو ان کو کوئی پڑھاتا کیا؟

سیدنا عیسٰے علیہ السلام کا واقعہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک قصہ بعض قصص کی کتابوں میں نظر سے گزرا ہے۔ ان کی والدہ نے ان کو کسی مکتب میں بٹھا دیا تھا معلم اور استاد نے کہا بیٹا پڑھو۔ ابجد حضرت عیسیٰ نے فرمایا ابجد کے معنی کیا ہیں۔ اس نے کہا معنی تو میں نہیں جانتا حضرت عیسیٰ نے فرمایا۔ اما الالف فالآء اللہ۔ والباء بھاء اللہ والجیم جلال اللہ۔ والدال دین اللہ الف سے مراد اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں ب سے مراد شیونات کی نیرنگیاں ہیں۔ جا سے مراد اس کا جلال اور دال سے مراد اس کا دین۔ استاد بولے لڑکے خوب کہا۔ اچھا اب ھوز بتا حضرت عیسیٰ نے کہا ھا تو ھو اللہ کی ہے۔ واؤ۔ ویل للمکذبین کا ہے۔ اور زا سے مراد جہنم کے وہ فرشتے ہیں۔ جن کا نام زبانیہ ہے۔ استاد نے کہا حطی کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ حا۔ تو حطت الخطایا کی ہے یعنی خطاؤں کا معاف ہونا۔ اور طا شجر طوبیٰ کی طرف اشارہ کرتی ہے اور یا سے مراد ید اللہ علی خلقہ ہے۔ استاد نے کہا بیٹا کلمن کیا ہے حضرت عیسیٰ نے فرمایا کاف سے مراد کلام اللہ ہے لام سے مراد لقاء اللہ ہے میم سے مراد ملک اللہ اور نون سے مراد نور اللہ ہے۔ غرض استاد دریافت کرتا رہا اور حضرت عیسیٰ بتلاتے رہے۔ جب قرشت پر پہنچے تو استاد نے حضرت مریم کو بلا کر کہا اس بچے کو لے جایئے میں اس کو کیا پڑھاؤں گا اس نے تو مجھ کو وہ پڑھا دیا جو آج تک میں نے نہیں پڑھا تھا۔

اسلامی قانون

بہرحال وہ آمنہ کے گھر کا چراغ پڑھنے جاتا تو کہاں جاتا اسے کوئی پڑھاتا بھی تو کیا پڑھاتا۔ اول تو کوئی سرپرست نہیں، ہمدرد نہیں، تعلیم کا کوئی انتظام نہیں، قصبہ ایسا جہاں تعلیم کا رواج نہیں۔ علاقہ تہذیب و تمدن سے اتنا دور کہ آج بھی اونٹ کا گوشت کھانے اور بکریوں کا دودھ پینے ہی کو جانتے ہیں۔ موجودہ تہذیب سے اتنے ناآشنا کہ سچ مچ عقل کے پیچھے لٹھ لئے پھرتے ہیں۔ اس دور میں جبکہ یورپ ہوا پر اڑ رہا ہے یہ بھلے آدمی موٹر کو جادو کی گاڑی سمجھتے ہیں۔ ابن سعود کے خلاف بغاوت پر ہی آمادہ ہو گئے تھے کہ وہ جادو کی گاڑی میں کیوں چڑھتا ہے ٹیلیفون سے بات کرنے پر کفر کا فتویٰ تیار تھا غرض آج جن کی یہ حالت ہے ۱۴ سو برس پہلے خدا جانے وہ تہذیب و تمدن سے کس قدر دور ہونگے۔ اس وادی غیر ذی زرع میں یہ اُمّی اور یتیم بچہ اپنی پھٹی ہوئی کملی بچھا کر بطحا کے سنگریزوں پر بیٹھ جاتا ہے اور مادی اسباب کے فقدان کے باوجود ایک قانون بناتا ہے۔ نہ اس کے پاس ٹیلیفون ہے۔ نہ مکہ میں کوئی اخبار ہے۔ نہ وہاں کوئی لائبریری ہے، نہ وہاں کوئی اسمبلی اور نہ قانونی مشیر ہے۔ اس تمام بے سروسامانی کے باوجود تن تنہا ایک شخص قانون بنائے، قانون تمام دنیا کے لئے اور قیامت تک کے لئے بنائے اور اس کا قانون ۱۴ سو برس میں بھی ایک ترمیم قبول نہ کرے۔

نوجوانوں سے سوال

کیوں بھائی! جو کچھ میں کہہ رہا ہوں یہ کوئی شاعری ہے یا شاعرانہ تخیل ہے یا محض تفنن طبع کے طور پر کہہ رہا ہوں، یا جاہل میلاد خوان اور قصہ خوانوں کا کوئی قصہ سنا رہا ہوں یہ تو ٹھیک ٹھیک ہے فیکٹ۔ پھر بتاؤ کیا یہ اعجاز نہیں ہے؟ یہ انسانی طاقت کا کام ہے۔ اسلام نے جو قانون بنایا ہے اور اس میں جتنی لچک رکھی ہے وہ سوسائٹی کے قانون میں ہو سکتی ہے آج تم نہیں دیکھ رہے کہ دنیا کے عقلا اور بڑے بڑے قانون داں

کس طرح قانون محمدی کے سامنے دوزانو بیٹھے ہیں۔ کیا امریکہ جیسی قوم نے طلاق کا قانون نہیں بنایا؟ کیا مہاراجہ بڑودہ نے طلاق کا قانون نہیں رائج کیا؟ کیا اب ہندو مہا سبھا اس فکر میں نہیں ہے کہ طلاق کا قانون ہندوؤں کے لئے اسمبلی میں منظور کرائے۔

کیوں صاحب! مہاراجہ بڑودہ تو طلاق کا قانون رائج کر کے قابل مبارکباد سمجھے جائیں۔ اور وہ جس نے قانون طلاق کی ابتداء کی اور ایسے وقت میں ابتدا کی جب کوئی اس لفظ کو جانتا بھی نہ تھا۔ وہ قابل مبارکباد اور خدا کا فرستادہ نہ سمجھا جائے؟ جن قوموں میں پھیرے ہی نہ ٹوٹتے ہوں اور عورت تمام عمر یا تو بیوہ بیٹھی رہتی ہو یا آگ میں جل جاتی ہو۔ وہ بھی آج طلاق جاری کرنے کے لئے مضطرب ہیں۔

ستی کی رسم

ہندوؤں کے ہاں ستی کی رسم تو مشہور ہے اور یہ رسم ایسی ہے کہ ہزار برس میں مسلمان نہ چھڑوا سکے، اور سو برس میں انگریز نہ چھڑوا سکے۔ اب بھی اخبارات میں کوئی نہ کوئی آٹھویں دسویں دن خبر آہی جاتی ہے کہ فلاں مقام پر یہ رسم ادا ہوگئی، پولیس بھاگتی دوڑتی رہی اور وہاں کام بھی ہوگیا۔ ہندوؤں کے سامنے جب اس مذموم رسم کا ذکر آتا ہے۔ تو کہا کرتے ہیں۔ اجی ہمارے ہاں عورت اپنے خاوند سے پریم بہت کرتی ہے۔ اس لئے اپنے پیا کے ہمراہ چتا میں چلی جاتی ہے۔ اور وہاں جاکر جل جاتی ہے۔ غالباً اسی فلسفہ کو مدِنظر رکھتے ہوئے حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا ؎

خسروا در عشق بازی کم ز ہندو زن مباش　　کاں برائے مردہ سوزد زندہ جان خویشتن

حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے اس رسم سے جو استدلال کیا ہے وہ اسی رسم کی ظاہری شہرت کے اعتبار سے بالکل صحیح ہے۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ اس منحوس اور جہل رسم کا دارومدار پریم پر نہیں ہے اگر پریم کی وجہ سے کوئی کسی کے پیچھے جان دیتا تو

ماں ستی ہوا کرتی۔ جہاں محبت صحیح محبت ہوا کرتی ہے۔

ایک بڑھیا کا واقعہ مرنے والے کے ساتھ کون مرتا ہے۔ جب ماں بیٹے پر ستی نہیں ہوتی۔ تو بیوی شوہر پر کیا ستی ہوگی۔ وہ ایک بڑھیا کا قصہ مشہور ہے۔ اس کی بیٹی بیمار تھی وہ روز دعا مانگا کرتی تھی الٰہی میری بچی اچھی ہو جائے میں مرجاؤں، الٰہی اس کی آئی مجھے آجائے ایک دن حسن اتفاق سے ایک گائے نے کسی کے دیگچے میں کھانے یا پینے کو منہ ڈالا منہ ڈال تو دیا لیکن دیگچے میں اس کے سینگ پھنس گئے۔ گائے گھبرائی۔ سر جو اٹھایا تو دیگچہ اس کے منہ پر ڈھک گیا۔ گائے کی آنکھیں بند ہو گئیں وہ گھبرا کر ادھر ادھر بھاگنے لگی اسی گھبراہٹ میں اس بڑھیا کے گھر میں آگھسی۔ رات کا وقت۔ گائے کے منہ پر دیگچہ چڑھا ہوا اس بھیانک شکل کو دیکھ کر بڑھیا سمجھی ملک الموت آگئے۔ بڑھیا بہت گھبرائی اور گھبرا کر کہنے لگی۔ دیکھو ملک الموت ناانصافی نہ کرنا مینتی لڑکی کا نام تھا، اس کی چارپائی کی طرف اشارہ کر کے بولی مینتی وہ لیٹی ہے۔ وہ ہی بیمار ہے میں تو بالکل تندرست ہوں۔ دیکھا آپ نے موت ایسی چیز ہے جب ماں بیٹی پر جان نہیں دے سکتی تو بیوی کس طرح خاوند پر اپنی جان کو نذر آتش کر دیگی ؟

بیوہ کے ساتھ ظلم اصل واقعہ یہ ہے کہ اس ملک میں بیوہ کے ساتھ ایسے وحشیانہ مظالم ہوتے تھے کہ وہ بیچاری اس زندگی پر موت کو ترجیح دیتی تھی۔ اور بیچاری اپنی جان ہلاک کر دیا کرتی تھی۔ چونکہ ہندو تہذیب میں پھیرے بندھ جانے کے بعد نہیں ٹوٹتے۔ وہ پھیرے ایسے مضبوط ہوتے ہیں کہ زندگی میں تو کیا ٹوٹیں گے۔ مرنے کے بعد بھی نہیں ٹوٹتے بیوہ کو مکان کے ایک کونے میں بٹھا دیتے تھے وہ بیچاری بے یار و مددگار پڑی رہتی تھی۔ اس پر سے ساس نندوں کے طعنے، غرض ان تمام مصائب سے نجات

حاصل کرنے کے لئے بیچاری آگ میں جا گرتی تھی۔ آج اس مذموم رسم کی یہ تاویل کی گئی کہ وہ پریم سے مرجاتی تھی۔ غرض یہ کہ پھیروں کو بڑا دخل تھا۔ جو قوم ہزارہا برس سے پھیروں کے پھیر میں پڑی ہوئی تھی۔ وہ بھی طلاق کی فکر کررہی ہے۔ اور اس بات کی کوشش کررہی ہے کہ ضرورت کے وقت اس ہتھیار کو استعمال کیا جائے۔ اگر یہ واقعہ ہے کہ امریکہ اور یورپ نے طلاق کو استعمال کیا۔ مہاراجہ بڑودہ نے اسکو اپنی ریاست میں رواج دیا۔ ملک کا تعلیم یافتہ طبقہ اس فکر میں ہے کہ طلاق کا قانون بنایا جائے تو کیا اب بھی یہ محمڈن لاء کا اعجاز نہیں ہے۔

قوانین اسلام کی ہمہ گیری

صاحبو! ایک طلاق کیا؟ اسلام کا وہ کونسا مسئلہ ہے۔ جو دنیا کی قوموں نے کسی نہ کسی طرح اپنے ہاں رائج نہیں کیا؟ بیوہ کا نکاح، لڑکی کا ورثہ، متبنیٰ کی وراثت سے انکار، معاملات اور عقائد میں صدہا ایسے مسائل ہیں۔ جو دنیا کی قوموں نے اسلام سے لئے ہیں بعض بعینہٖ اٹھا کر رکھ لئے ہیں۔ اور بعض کو تھوڑا بہت بدلکر استعمال کرلیا ہے۔ لڑکیوں کا ورثہ دیا جانا، بیوہ عورت کا ورثہ، بیوہ عورت کا سسرال والوں کی ملک نہ ہونا۔ غرض ایک چیز ہو تو عرض کروں، مجھے تو یہ نظر آرہا ہے کہ آہستہ آہستہ آپ کی پڑھی لکھی دنیا، آپ کی آئینی دنیا، آپ کی فلسفی دنیا، آپ کی سائنسدان دنیا، آپ کی روشن خیال دنیا، آپ کی تعلیم یافتہ دنیا، نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے قوانین غیر مبدلہ کے سامنے عاجز اور شکست خوردہ ہو رہی ہے۔

احسان فراموشی

ہاں یہ ضرور ہے۔ کہ آپ کی پڑھی لکھی دنیا چونکہ ڈپلومیسی اور بے ایمانی کی دنیا ہے۔ اس لئے نہ تو اپنے عجز کا اعتراف کرتی ہے اور نہ اسلام کا احسان مانتی ہے بلکہ یہ احسان فراموش اور محسن کش دنیا اپنی کمزوری کو چھپانے کے لئے سینکڑوں حیلے اور سینکڑوں جھوٹی تاویلیں اور

شرارت آمیز پروپگینڈا کرتی رہتی ہے۔ اپنی بے بضاعتی اور اپنی تہذیب کی کمزوریاں کو چھپانے کے لئے صدہا قسم کے جھوٹ بولتی ہے۔ اور اپنی چرب زبانی اور پروپگینڈے کے زور میں اسلامی قوانین کی خوبیوں کو دبانا اور چھپانا چاہتی ہے۔

دوسرا معجزہ

آپ کے نزدیک تو یہ بیسویں صدی کسی قسم کی کرامت اور معجزہ کا تحمل ہی نہیں کر سکتی۔ اور ایک کرامت اور معجزہ کا کیا ذکر ہے اس صدی میں انبیاء علیہم السلام کی بہترین تہذیب کے لئے گنجائش ہی نہیں ہے اس صدی میں خدا پر ایمان لانا ہی کونسی معقول بات ہے۔ اس صدی میں خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرنا، نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، مزدور کی خدمت کرنا۔ حج کو جانا یہ باتیں ہی کب معقول ہیں۔ یہ بیسویں صدی کیا ہے ایک مصیبت ہے جو خدا کے بندوں پر مسلط ہو گئی ہے۔ آخر وہ معجزہ ایسی کیا چیز ہے کہ جس کے نام سے آپ گھبراتے ہیں۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ایک روحانی طاقت عطا ہوتی ہے جس کے ذریعہ ان سے بعض ایسی باتیں ظاہر ہوتی ہیں جو دوسرے لوگوں سے نہیں ہو سکتیں اور معجزہ کونسی خوفناک چیز ہے جس کا ذکر اس صدی میں مضحکہ خیز چیز ہے؟

جادو اور معجزہ کا فرق

آپ کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ اگر معجزہ کو کوئی اہمیت دی گئی تو پھر جادو اور معجزے میں فرق کرنا مشکل ہو جائیگا لیکن مجھ کو تعجب ہے کہ آپ کو یہ شبہ کیوں ہوا جبکہ آپ کو معلوم ہے کہ مصر میں جادوگروں کا ایک مقدس پیغمبر سے مقابلہ ہو چکا ہے اور اس مقابلہ میں جادوگروں کو شکست ہو چکی ہے۔ اس واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے جادو اور سحر کی جو تعریف کی گئی ہے اس سے جادو کی حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے جادو ایک تخیل اور دہشت بندی کا نام ہے کسی کی نگاہ کو مسخر کر لینا اور کسی چیز کا خلاف حقیقت نظر آنا اور بات ہے اور کسی شے کا حقیقی طور پر تبدیل ہو جانا اور شے ہے +

لکڑی کا واقعی سانپ بن جانا اور لکڑی کا فرضی سانپ دکھائی دینا کیا آپ کے نزدیک ایک ہی بات ہے۔ سورہ طٰہٰ میں فرماتے ہیں۔ حضرت موسیٰ نے جادوگروں سے فرمایا تم کو جو کچھ دکھانا ہے۔ وہ دکھاؤ۔ مصری حکومت کے بڑے بڑے جادوگروں نے جب اپنا عمل کیا تو فاذا حبالھم وعصیھم یخیل الیہ من سحرھم انہا تسعی[۱]۔ جادوگروں کی رسیاں اور لکڑیاں دوڑتی ہوئی معلوم ہونے لگیں۔ دیکھنے والوں کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ ہماری طرف بہت سے سانپ آرہے ہیں۔ اور چونکہ ان کی لکڑیوں اور رسیوں میں ایک حرکت نظر آرہی تھی۔ اس لئے دیکھنے والوں کو خوف معلوم ہوتا تھا۔ اگرچہ واقعہ یہ تھا کہ نہ وہ سانپ تھیں اور نہ ان میں کوئی حقیقی حرکت تھی۔ اس لئے حضرت موسیٰ کو ارشاد ہوا۔ الق ما فی یمینک تلقف ما صنعوا[۲] آپ کے دائیں ہاتھ میں جو کچھ ہے یعنی عصا کو پھینک دیجئے تاکہ وہ ان کی رسیوں اور لکڑیوں کو نگل جائے۔ کیونکہ وہاں محض نظر بندی ہے اور تمہارے پاس حقیقت ہے۔ جادوگر نبوت کے نہ تو مدعی ہیں اور نہ نبی ہیں۔ تم نبوت کے مدعی بھی ہو اور نبی بھی ہو۔ نبی جو خرق عادت فعل کرے وہ معجزہ ہے اور دوسروں کے ہاتھ سے جو غیر مسلم ہوں اگر کوئی ایسی چیز ظاہر ہو جائے وہ جادو یا استدراج ہے۔

معجزے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ ایسے شخص کی طرف سے ہو جو اپنے کو مسلمان اور خدا کا بھیجا ہوا کہتا ہو۔ مفسدین کے اعمال کو خدا کی تائید حاصل نہیں ہوتی لیکن انبیاء علیہم السلام کو حضرت حق کی تائید حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ نے خود بھی اپنی ایک تقریر میں جادوگروں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

---

[۱] پھر تبھی ان کی رسیاں اور لاٹھیاں اس کے خیال میں آئیں اُنکے جادو سے کہ دوڑ رہی ہیں۔

[۲] ڈال جو تیرے داہنے ہاتھ میں ہے کہ نگل جائے جو کچھ انہوں نے بنایا۔

ما جئتم به السحر ان الله سیبطله ان الله لا یصلح عمل المفسدین	تم جو کچھ میرے مقابلہ میں لائے ہو وہ محض جادو ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو شکست دیدے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ مفسدین کے اعمال کا حامی نہیں ہے۔

تمہارے پاس جو کچھ ہے وہ جادو اور نظر بندی ہے جس کو اللہ تعالیٰ مٹا دیگا اور تم ذلیل ہو گے کیونکہ رب العزت مفسدوں کے اعمال و افعال کو سپورٹ نہیں کرتا۔ چنانچہ آپ نے دیکھا فرعون کے حامی جو اُس کے اقبال کی قسمیں کھا کھا کر اپنی کامیابی کا یقین کرا رہے تھے اور تھوڑی ہی دیر پہلے کہہ رہے تھے۔ بعزۃ فرعون انا لنحن الغالبون۔ چند منٹ نہ گزرے تھے کہ دنیا نے اپنی آنکھوں سے یہ تماشہ دیکھ لیا کہ ایک ظالم بادشاہ کے نام کی قسمیں کھانے والے سجدے میں سر رکھے ہوئے کہہ رہے تھے۔ آمنا برب العلمین رب موسیٰ وھرون۔ رب العالمین کہنے کے بعد ان کو مزید تصریح کی ضرورت پیش آئی۔ کیونکہ وہ مردود بھی اپنے آپ کو رب العالمین سمجھتا تھا۔ اس لئے ان کو عام کے بعد خاص کرنے کی ضرورت پیش آئی اور کہا ہم اس رب العالمین پر ایمان لائے ہیں جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔ چند منٹ میں ہزار ہا انسانوں کے قلوب پر قبضہ کر لینا بھی آپ کے نزدیک معجزہ نہیں ہے۔ فرمائیے آپ کی سائنس اس معاملہ میں کیا کہتی ہے۔

جادو کا شر

رہا جادو کا اثر اور اس کا شر تو اس سے کسی سمجھدار آدمی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ اگر جادو کا کوئی اثر نہیں ہوتا تو اُس کے شر سے پناہ مانگنے کی ضرورت کیوں پیش آتی۔ ہر بُری چیز کا ایک اثر ہوتا ہے۔

ساہ جو تم لائے ہو۔ سو جادو ہے۔ اب اللہ اس کو بگاڑتا ہے بیشک اللہ نہیں سنوارتا شریروں کے کام۔

سلہ فرعون کے اقبال سے ہماری فتح ہے۔

انہی بری چیزوں میں سے ایک جادو بھی ہے کسی حاسد کا حسد بھی ہے شیطان کا وسوسہ بھی ہے۔ جنات کا نقصان بھی ہے۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوٹے بچوں کو مغرب کے وقت باہر نکلنے سے منع فرمایا ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ کسی اچھی یا بری چیز کا اثر مستقل بالذات نہیں ہے۔ بلکہ جملہ اثرات حضرت حق کے علم کے تابع ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اعجاز

جس مقدس انسان کی مبارک زندگی کا ایک ایک گوشہ اعجاز نما انقلاب سے لبریز ہو۔ اس کے معجزات کا انکار کس طرح ہو سکتا ہے۔ جس کی مقدس زندگی کا ایک ایک لمحہ اپنے دامن میں ہزارہا انقلاب پوشیدہ رکھتا ہو جس پیغمبر کی تمام زندگی معجزہ ہو، اس کے معجزات سے ایک سمجھدار آدمی کے لئے انکار کس طرح ممکن ہے۔ میں جناب سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم جو علوم اولین و آخرین کے مالک ہوں۔ جن کی شریعت قیامت تک رہنے والی ہو۔ اور جو پیغمبر خدا کا آخری پیغام ہو وہ صرف تئیس سال کی مدت میں ایک انتہائی جاہل اور اجہل قوم کو جو الہیات سے بالکل ناآشنا ہو اتنے بلند مرتبہ پر پہنچا دے، کیا یہ اعجاز نہیں ہے۔ عرب کی جہالت اور علم الٰہی سے ناواقفیت کی تاریخ ایسی نہیں جو کسی سے پوشیدہ ہو۔ اہل عرب کی توہم پرستی بت پرستی اور دین الٰہی سے بیگانگی کے قصے آپ نے بارہا سنے ہوں گے۔ مجھے ان کے دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ خدا کی توحید جو آج کل ایک مسلمہ مسئلہ بن گیا ہے۔ اور جس کی یہ حالت ہے کہ بڑے بڑے بت پرست اور صلیب پرست بھی شرک کے نام سے گھبراتے ہیں اور اس بات کی خواہش کرتے ہیں کہ ہم کو مشرک نہ کہا جائے لیکن آپ کو معلوم ہے کہ جس دن خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور الوہیت کا اعلان کیا ہے۔ اس

دن مشرکین کی جانب سے کیا جواب دیا گیا تھا۔ فاران کی چوٹی پر جب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ الھکم اله واحد۔ لوگو! تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ اس فطری اعلان کو سنکر لوگوں نے کہا۔ اجعل الالھۃ الھاً واحداً[۱] کیا تمام معبودوں کو ملا کر ایک معبود کر دیا جائے یہ بات تو ایسی انوکھی اور غیر معقول ہے۔ جس کا ذکر ہم نے کبھی سنا ہی نہیں۔ [۲] ما سمعنا بھذا فی الملۃ الاخرۃ۔

حضرات جس قوم کی یہ ذہنیت ہو کہ وہ ایک معبود کے نام سے گھبراتی ہو۔ صبح سے شام تک جو قوم ہر اچھے اور خوبصورت پتھر کو اپنا معبود بنا لیتی ہو وہ انبیاء علیہم السلام کی توحید کو کس طرح سمجھ سکتی تھی۔ جو قوم بکریوں کا دودھ پی کر اور اونٹ کا گوشت کھا کر زندہ رہنے ہی کو مقصد زندگی سمجھتی ہو۔ جو نہ خدا تعالیٰ کی ذات اقدس سے واقف ہو اور نہ مرنے کے بعد جینے کے قائل ہو نہ رسالت سے آشنا ہو، جو کھلے الفاظ میں اپنی ملحدانہ ذہنیت کا مظاہرہ ان الفاظ میں کرتی ہو۔

[۳] ما ھی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیا وما یھلکنا الا الدھر — ہماری زندگی صرف دنیا کی زندگی ہے ہمیں پیدا ہوتے ہیں اور مرجاتے ہیں ہم کو زمانہ ہلاک کر دیتا ہے۔

جو اپنے جینے مرنے کا سہارا صرف زمانہ کو جانتے ہوں وہ عالم برزخ کو کیا سمجھتے ہونگے ایک ایسی جاہل قوم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑے عرصہ میں ایسا خدا شناس بنایا جو تمام عالم کیلئے مشعل ہدایت بن گئی۔ اور ایک چراغ سے لاکھوں چراغ ایسے

---

[۱] کیا اس نے کردی اتنوں کی بندگی کے بدلے ایک ہی کی بندگی۔۱۲

[۲] یہ نہیں سنا ہم نے اس سے پچھلے دین میں۔۱۲

[۳] اور کچھ نہیں۔ بس یہی ہے۔ ہمارا جینا دنیا کا ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں۔ اور ہم جو مرتے ہیں زمانے سے۔۱۲

روشن ہوئے جو بڑی تیز اور تند ہواؤں کے مقابلہ میں بھی ثابت قدم رہے اور اپنے نور سے ظلمت کدۂ کفر کو منور کرتے رہے۔ یہی مطلب ہے۔ قد جاءکم من اللہ نور[1] کا۔

اور یہی مطلب ہے اللہ[2] ولی الذین امنوا یخرجھم من الظلمت الی النور کا۔

سراجاً منیرا کی تفسیر

بعض اکابر نے سراجاً منیرا کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چمکتے ہوئے چراغ سے اس بنا پر تشبیہ دی ہے کہ ایک چراغ سے ہزارہا چراغ جلائے جا سکتے ہیں اور چراغ کی روشنی کو ہر مقام پر پہنچایا جا سکتا ہے۔ یہ بات نہ تو آفتاب کو میسر ہے اور نہ ماہتاب کو، آفتاب باوجود ایک جرم کبیر ہونے کے زمین دوز تہ خانوں میں نہیں پہنچ سکتا لیکن چراغ ہزار تاریک سے تاریک مقامات پر پہنچایا جا سکتا ہے اور اس کے نور سے زمین دوز تاریکیوں میں استفادہ کیا جا سکتا ہے اسی وجہ سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اسلام یعنی میرا لایا ہوا پروگرام زمین کے ہر حصہ میں پہنچ جائے گا۔ دنیا کا کوئی پختہ اور خام مکان ایسا نہ رہیگا۔ جہاں اسلام کی آواز نہ پہنچ جائے گی۔ جس طرح چراغ ہر تاریکی میں لیجایا جا سکتا ہے اسی طرح خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے پروگرام سے بھی دنیا کی تمام بسنے والی قومیں آشنا ہو کر رہیں گی۔ چنانچہ آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ دنیا کا گوشہ گوشہ اسلام کی آواز سے گونج چکا ہے اور بتدریج دنیا سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو اپنی زندگی کے پروگرام میں داخل کر رہی ہے۔ والحمد للہ علی ذلک۔

کاش اگر آج ہمارے پاس سیاسی اقتدار ہوتا اور ہمارے ہاتھ میں پروپیگنڈے کی طاقت ہوتی تو ہم آپ کو بتاتے کہ اسلام کو کس طرح قبول کرنے پر دنیا مجبور ہوتی۔

---

[1] بے شک تمہارے پاس آئی ہے۔ اللہ کی طرف سے روشنی اور کتاب ظاہر کرنے والی۔

[2] اللہ مددگار ہے۔ ایمان والوں کا نکالتا ہے ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف۔ ۱۲

میں عرض کیا کرتا ہوں کہ پڑھی لکھی دنیا جاہل دنیا سے اچھی ہے۔ خبر رسانی کے ذرائع اس قدر سہل ہو چکے ہیں کہ تمام دنیا ایک محلہ بن گئی ہے۔ کل شام کو امریکہ اور یورپ میں جو کچھ ہوتا ہے آج صبح کو ہندوستان کے رہنے والوں کو اس کی اطلاع مل جاتی ہے تمام ممالک مہذب ہوں یا غیر مہذب ان کے خیالات، ان کے عقائد اور ان کا تمدن منڈی میں آچکا ہے۔ ہر گوشہ کے بسنے والوں کی تہذیب اور انکا مذہب بازار میں موجود ہے۔ یہ وقت ہے کہ بہترین مال زیادہ سے زیادہ رائج ہو سکتا ہے ہر شخص اسلام اور کفر کا مقابلہ کرکے آسانی کے ساتھ رائے قائم کر سکتا ہے۔

امریکہ میں قحط سالی

امریکہ کی خشک سالی کا چرچا برابر اخبارات میں آرہا ہے۔ گرمی کی وجہ سے لوگوں کی اموات اور پانی کی قلت کے باعث تول تول کر پانی کا ملنا بھی آپ کو اخبارات سے معلوم ہو رہا ہوگا۔ امریکہ دنیا کے ان بر اعظموں میں سے ایک بر اعظم ہے جو اپنی ترقی اور تہذیب میں تمام دنیا سے ممتاز شمار کیا جاتا ہے۔ امریکہ ایک ایسا ملک ہے جہاں کے باشندوں نے شراب نوشی ترک کی اور شراب نوشی کے خلاف جہاد شروع کیا اور ہمارے بعض تعلیم یافتہ نوجوانوں نے امریکہ کے اس فعل سے مدتوں استدلال بھی کیا۔ اور امریکہ کے ڈاکٹروں کی آراء و خیالات کو بڑے فخر و مباہات کے ساتھ بیان کیا۔ اور اس کو اسلام کی فتح بیان کی۔ لیکن آپ جانتے ہیں میں تو اس طریقہ کو پسند نہیں کرتا۔ میں تو کسی ڈاکٹر کی رائے پر اسلام کو نہیں جانچا کرتا کسی ڈاکٹر کی رائے اسلام کے کسی مسئلہ سے موافقت کرے یا نہ کرے۔ بہر حال اسلام ایک خدائی مذہب ہے اور مجھے اس پر ایمان لانا ہے۔ کیونکہ میں جانتا ہوں ڈاکٹروں کی رائے غیر مستقل ہے ان کی رائے کا کیا اعتبار ہے۔ یہ صبح کچھ کہتے ہیں اور شام کچھ کہتے ہیں۔ میرے مذہب کا دارومدار امریکہ اور جرمنی کے ڈاکٹروں کی رائے پر نہیں ہے۔ میرے مذہب کا دارومدار تو

جناب سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقدس فرمان پر ہے۔ یہی امریکہ کچھ دنوں پہلے شراب کا کیسا مخالف تھا۔ لیکن آج شراب کا پورا حامی ہے۔ کل تک یہی امریکہ تھا کہ لندن سے آنے والے شراب کے جہاز کو اپنے ساحل پر غرق کر دیا کرتا تھا۔ لیکن آج یہی امریکہ ہے کہ لندن والوں کو شراب کے لالچ میں سور کا گوشت پہنچاتا ہے۔ دونوں ملکوں کا تجارتی لین دین ہوتا ہے۔ امریکہ کہتا ہے میں انگلستان کے باشندوں کے لئے سور کا بہترین گوشت مہیا کروں گا۔ اور انگلستان کہتا ہے کہ میں آپ کو اس کے بدلے میں بہترین شراب بہم پہنچاؤں گا۔ آپ نے بہترین مہذب ملک کی تہذیب اور تلون مزاجی ملاحظہ کی ؟

بارش حاصل کرنے کا طریقہ

اچھا اور سنئے، اس مہذب ملک میں بارش کا قحط ہے۔ امسال وہاں کے باشندے خشک سالی سے پریشان ہیں۔ پانی طلب کرنے کا طریقہ آپ نے اخبارات میں پڑھا ہوگا امریکہ جیسے مہذب ملک کی لڑکیاں ننگی ہو کر سمندر کے کنارے کے قریب ناچنے گئیں ایک پادری کو سمندر میں دھکا دیکر پھینکدیا گیا۔ کنواری لڑکیاں برہنہ ہو کر خوب ناچیں یہ تمام افعال قبیحہ اس لئے گئے کہ اس مہذب ملک کے باشندوں کا یہ خیال ہے کہ لڑکیوں کے ناچ سے پانی کے دیوتا خوش ہو کر پانی برسا دیا کرتے ہیں۔ اب ذرا اس مہذب ملک کی تہذیب کا استسقاء کی نماز سے مقابلہ کیجئے اور دیکھئے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تہذیب کس قدر بلند ہے۔ اگر خشک سالی اور قحط ہو آسمان سے پانی نہ برسے تو مسلمان کیا کرتا ہے۔ جنگل میں جاکر اپنے معبود برحق کے سامنے روتا اور گڑگڑاتا ہے۔ اس سے دعا کرتا ہے۔ نماز پڑھتا ہے مسلمان کا ہر معاملہ خدا کے ساتھ ہے۔ خوشی اور مسرت کے موقع پر بھی اللہ تعالیٰ کی توحید کا مظاہرہ کرتا ہے اور مصیبت و تکلیف کے وقت بھی اپنے خدا ہی کو پکارتا ہے۔

مکروہ پروپیگنڈا

میرے دوستو! یہ وقت تھا کہ اس آئینی اور مہذب دنیا کے ایک ایک شعبہ سے اسلام کی مقدس تعلیم کا مقابلہ کرکے دنیا کو بتایا جاتا اور دکھایا جاتا کہ صحیح اور مستقیم راہ وہی ہے جو خدا کے پیغمبرﷺ نے بتائی ہے اس کے علاوہ تمام راستوں کا منتہا اور آخری نقطہ گمراہی اور ضلالت کے سوا کچھ نہیں ہے لیکن مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس وقت نہ تو مسلمانوں کا سیاسی اقتدار باقی ہے اور نہ ان کے پاس پروپیگنڈے کی طاقت ہے دشمنوں کے پاس سب کچھ ہے، وہ اپنے اقتدار اور پروپیگنڈے کی طاقت سے اسلام کو بدنام کرنے کی ناپاک مساعی میں مشغول ہیں۔ اور اسلام کے خلاف یورپ و ایشیا میں مسلسل غلط فہمیاں پھیلا رہے ہیں۔ ہماری حالت یہ ہے کہ ہم مذہب کی مدافعت تو کیا کریں گے ہمارے پاس تو اتنی طاقت بھی نہیں کہ ہم اس ملک میں اپنے سیاسی حقوق کی حفاظت کر سکیں۔ دیکھئے اس ملک میں سات کروڑ مسلمان رہتے ہیں لیکن اتنی بڑی قوم کا ایک اخبار بھی روزانہ انگریزی زبان میں نہیں۔ آپ جانتے ہیں۔ حکومت انگریزی ہے جب تک انگریزی اخبار نہ ہو اس وقت تک مسلمانوں کی آواز کا کیا اثر ہے۔

دہلی کا صوبہ ایک چھوٹا سا صوبہ ہے لیکن آپ کو معلوم ہے ہندوؤں کے کتنے روزانہ اخبار نکلتے ہیں؟ اینگلو انڈین کا روزانہ پرچہ بھی نکلتا ہے۔ دہلی کے حکام سو کر نہیں اٹھتے جو ان کے سرہانے ہندوستان ٹائمز، نیشنل کال، اور اسٹیٹسمین رکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ اردو وال طبقہ کے لئے آفتاب نکلنے سے پہلے پہلے تیج اور وطن بازار میں فروخت ہونا شروع ہو جاتا ہے فرمایئے دارالحکومت جہاں دو لاکھ مسلمان رہتے ہیں کوئی پرچہ انگریزی یا اردو کا روزانہ نکلتا ہے؟ ایک بھی روزانہ ایسا نہیں ہے جو مسلمانوں کے حقوق کی نگہداشت کر سکے۔ جب

آپ کی سیاسی حقوق کے متعلق یہ حالت ہے تو بھلا مذہب کی حفاظت اور مذہب کی جانب سے مدافعت کے لئے آپ کیا اخبار نکالیں گے۔ اگر اس وقت بھی مسلمان اس کام کے لئے تیار ہوں کہ اسلام کی مقدس تعلیم اور اس کی فطری خوبیاں شائع کرنے کیلئے اخبار و رسائل کا انتظام کریں۔ اور جو اعتراضات مخالفین اسلام محض اسلام کو بدنام کرنے کے لئے کرتے رہتے ہیں ان کا محققانہ جواب دیکر اسلام کی خوبیوں کو ذہن نشین کرائیں تو آج بھی اسلام اسی سرعت کے ساتھ اقوام عالم کا مذہب بن سکتا ہے، جس سرعت اور تیز رفتاری کے ساتھ آج تک ترقی کرتا رہا ہے اگرچہ آج مسلمانوں کے پاس سیاسی اقتدار نہیں ہے لیکن باوجود اس کے بھی اسلام معقولیت اور دلائل کی قوت کے ساتھ مقبول بنایا جاسکتا ہے لیکن جب قوم کی بےحسی کا یہ حال ہو کہ وہ سیاسی حقوق سے بھی غافل ہو تو ایسی قوم مذہب کی خدمت کیا کرسکتی ہے؟

سیاست اور مذہب

شاید آپ کو تعجب ہو کہ میرے الفاظ سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ میں سیاست کو مذہب سے زیادہ اہم سمجھتا ہوں میں جو کچھ عرض کر رہا ہوں آپ کے نقطۂ نگاہ سے کہہ رہا ہوں، کیونکہ آپکے نزدیک آجکل سیاسی حقوق کا درجہ مذہب سے مقدم ہو رہا ہے۔ اگر سیاسی حقوق آپ کے نزدیک مذہب سے زیادہ اہم نہ ہوتے تو آپ وائٹ پیپر یکمونل ایوارڈ کو ترجیح نہ دیتے۔ آپ نے عین اس وقت ایک مذہبی فریضہ سے احتراز کیا جبکہ اسکا وقت تھا۔ ہندوستان کی آزادی اور اس ملک کو حکومت متسلطہ سے آزاد کرنا ہر کلمہ گو کا بلاواسطہ فریضہ تھا۔ لیکن آپ نے ہندوستان کے ساتھ ٹھیک اس وقت غداری کی جبکہ ہندوستان منزل مقصود کے قریب پہنچ گیا تھا، اور یہ غداری یا مذہبی فریضہ میں کوتاہی محض اس بناپر واقع ہوئی کہ آپ کو سیاسی حقوق کا لالچ دیا گیا اور آپ حکومت کے دھوکہ میں آگئے آپ نے سیاسی حقوق پر مذہب کے احکام کو قربان کردیا۔ اگر آپ کے نزدیک سیاست

مذہب پر مقدم نہیں ہے تو آپ نے ملک کی آزادی میں روڑے کیوں اٹکائے۔ اور ایک مذہبی فرض کو کیوں پس پشت ڈال دیا۔ کیونکہ آپ نے سیاسی حقوق کو مقدم سمجھا اس لئے مجھے بھی یہ عرض کرنے کی جرأت ہوئی کہ جب آپ اپنی محبوب چیز کیلئے روپیہ خرچ کرنے اور انگریزی کا اخبار نکالنے کو تیار نہیں تو مذہب جو آپکے نزدیک غیر ضروری اور ملانوں کا کام رہ گیا ہے اس کے لئے آپ کیا ایثار کریں گے۔ بہر حال یہ امر مسلم ہے کہ وہ موہوم سیاسی حقوق آپ کے نزدیک اتنے اہم ہیں کہ ان پر سے ہندوستان کی آزادی کو قربان کیا جا سکتا ہے۔ اور اب تو ہندو بھی آپ کی طرح انتہائی ذلت آمیز طریقوں پر اتر آئے ہیں ہندوستان کی آزادی اور سوراج کے نام پر بیشمار قربانیاں دینے کے بعد وہ یہ بھی کہنے لگے ہیں کہ خواہ ہندوستان آزاد ہو یا نہ ہو وائٹ پیپر موجودہ حالت سے بھی بدتر ہو جائے لیکن کسی نہ کسی طرح کمیونل ایوارڈ میں تبدیلی ہو جائے۔ اس ذلیل ذہنیت کا جس قدر ماتم کیا جائے کم ہے۔ گویا اتنی بڑی تحریک جس میں ہزار آدمیوں کو جیل جانا پڑا، ہزاروں انسان زخمی ہوئے بعض پولیس کی لاٹھیوں سے جاں بحق ہو گئے، لیکن اتنی بڑی جنگ کا نتیجہ کیا نکلا کمیونل ایوارڈ کا استرداد یا اثبات گویا مسلمانوں کے نزدیک سوراج یہ ہے کہ کمیونل ایوارڈ کو ہاتھ سے جانے نہ دیا جائے اور ہندوؤں کا سوراج صرف یہ ہے کہ جس طرح ممکن ہو کمیونل ایوارڈ کو مسترد کرا دیا جائے۔ جب ہندوؤں کی یہ حالت ہو جو سب سے زیادہ اپنے کو دیش بھگت سمجھتے اور کہتے ہیں اور ہمیشہ مسلمانوں کو یہ طعنہ دیا کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو اپنے وطن سے محبت نہیں ہے بلکہ مسلمان تو بیرون ہند کے مسلمانوں پر مرتے ہیں۔ آج ان دیش بھگتوں کی جب یہ حالت ہے کہ وہ آزادی کی تحریک کو صرف اتنی بات پر قربان کر رہے ہیں کہ اس ملک کے رہنے والے مسلمانوں کو چند سیٹیں کیوں مل گئیں یا صوبہ سندھ کی علیحدگی کا مفروضہ اعلان کیوں ہو گیا تو

خیال کیجئے کہ مسلمان جتنی غداری کریں وہ کم ہے۔ کیونکہ مسلمان تو پہلے ہی اس معاملہ میں بدنام ہیں۔

بہر حال میں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ اشاعت اسلام کا یہ بہترین موقع ہے اگر مسلمان توجہ کریں لیکن مسلمان اپنے سیاسی حقوق کو جب اپنی غفلت کے باعث تباہ کر رہے ہیں تو مذہب کا اس بیسویں صدی میں کیا سوال ہے وہ تو پہلے ہی جاہل واعظ اور جاہل پیر تباہ کر چکے ہیں۔

سندھ کے پیر

معاف کیجئے، میری تقریر کسی قدر طویل ہو گئی ہے لیکن کیا کروں جب بات زبان پر آجاتی ہے تو کہنی ہی پڑتی ہے پنجاب کے نوری فرقہ کی محبت رسول تو آپ کو معلوم ہی ہو گئی کہ انہوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو آدمیت اور بشریت سے ہی خارج کر دیا اب ذرا جہلائے سندھ کو ملاحظہ کیجئے جہاں سے صرف تین سو میل مسقط کا فاصلہ ہے گویا جو ملک عرب کے اتنا قریب ہے وہاں کی پیر پرستی نے کفار مکہ کی ارواح کو بھی شرمندہ کر دیا ہے جب تک یہ جاہل پیر موجود ہیں اس وقت تک مسلمان سندھ میں کیا ترقی کر سکتے ہیں اگر صوبہ سندھ بمبئی سے علیحدہ بھی ہو جائے تو سوائے اس کے کہ سیٹھ عبداللہ ہارون یا مولنا عبدالمجید سندھی وزیر ہو جائیں اس سے زیادہ مسلمانوں کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے؟ سندھ کے ان جاہل پیروں نے صرف یہی نہیں کیا کہ اپنی خدائی کا دعویٰ کر دیا ہو بلکہ سچ مچ سندھ میں حج کرایا جا رہا ہے یعنی باقاعدہ لوگ احرام باندھ کر حج کی نیت سے پیر صاحب کے مکان پر آ کر حج کرتے ہیں۔ حج کے بعد ان کو سند دی جاتی ہے جس پر لکھا ہوتا ہے حج مبارک ایک طرف تو یہ جہال تمام اہل علم کو اس بنا پر کافر کہتے ہیں کہ ان کے خیال میں علماء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معاذ اللہ توہین کا ارتکاب کرتے ہیں اور دوسری طرف ان خبثا کی یہ حالت ہے کہ کعبہ کے مقابلہ میں دوسرا کعبہ بنانے سے بھی نہیں چوکتے

اور اپنی ملعون بستیوں کو معاذ اللہ مدینہ طیبہ کے ہم پلہ سمجھتے ہیں۔ ان جاہل پیروں میں سے ایک جاہل پیر کی بستی کے قصیدہ میں لکھا جاتا ہے ؎

مدینہ زخاکے کہ افراختند ۔۔۔ زمین لواری ازاں ساختند

اور ملاحظہ کیجئے اور مسلمانانِ سندھ کی پیر پرستی اور توہین انبیاء کی داد دیجئے ارشاد ہوتا ہے ؎

در لواری نور حق و شاہ بنیاں آمدہ ۔۔۔ آدم و نوح و خلیل و نور رحماں آمدہ

شاد باشید اے مریدان شاہ شاہاں آمدہ ۔۔۔ شاہ سلطاں اولیا ہا سرِ یزداں آمدہ

مالک ملک نبوت ہم ولایت آمدہ ۔۔۔ در جہاں ایں نور حق ذات مجسم آمدہ

دیکھا آپ نے مسلمانانِ صوبہ سندھ کا ذوق ایمانی اور عشق خدا و رسول فرمائیے جس صوبہ میں اس قسم کے پیر خدائی کر رہے ہیں اور ان کی بستی میں باقاعدہ ہر سال حج کیا جاتا ہو تو کیا یہ صوبہ بھی اس بیسویں صدی میں کوئی ترقی کر سکتا ہے۔ تم انگریزوں سے آزادی حاصل کرنا چاہتے ہو لیکن میں کہتا ہوں جب تک ان جاہل پیروں سے مسلمانوں کو آزاد نہ کراؤ گے انگریزوں سے آزادی حاصل نہیں کر سکتے۔ ان کمبختوں نے کفر و اسلام کو ایسا مخلوط کیا ہے کہ ایک اجنبی آدمی کے لئے دونوں میں فرق کرنا مشکل ہو گیا ہے وہ کونسی کفر کی رسم ہے۔ جو آج مسلمانوں میں رائج نہیں ہے۔ کانگریسی مسلمانوں کو تو ہندو پرست کہا جاتا ہے لیکن سب سے بڑھ کر تو ہندو پرست وہ مسلمان ہیں۔ جو ہندوؤں کی رسومات اور ان کے شعائر کو مسلمانوں میں ترویج دے رہے ہیں اور سب سے بڑھ کر تو لطف یہ ہے کہ ہندو اپنی رسومات کو اس بیسویں صدی میں ترک کر رہا ہے لیکن مسلمان ان رسومات پر ہندوؤں سے زیادہ مضبوطی کے ساتھ جما ہوا ہے۔ ہندو بیوہ عورتوں کی شادی اور نکاح ثانی کے لئے کوشش کر رہا ہے وہ اسمبلی میں اس قسم کا قانون منوانا چاہتا ہے۔ جس سے ہندوؤں کی بیوہ عورتیں اپنے

نکاح کرسکیں لیکن مسلمان اب بھی بیوہ عورتوں کی شادی سے انکار کر رہے ہیں مسلمان اس پیغمبر کے نام لیوا ہیں جس کی نو بیویوں میں سے آٹھ بیوہ تھیں جس پیغمبر نے آٹھ بیوہ عورتوں سے یکے بعد دیگرے شادی کی ہو۔ اس کی امت بیوہ کی شادی کو اپنی ذلت اور توہین سمجھتی ہے۔ ہندو اپنی عورتوں کو ورثہ دلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ لڑکی کو ورثہ دیا جائے۔ لیکن مسلمان ورثہ کے خلاف ہیں۔ آج بھی بمبئی اور پنجاب میں ہزار ہا مسلمان ایسے ہیں جو شریعت کی بجائے رواج پر عمل کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ ہندو اچھوتوں کو مساوی حقوق دلانے کے درپے ہیں وہ اس قسم کا قانون اسمبلی میں بنوانا چاہتے ہیں۔ جس کی رو سے اچھوتوں کو مندروں میں داخل ہونے کی اجازت دیجائے لیکن مسلمان اپنے اچھوتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ مسلمانوں کی مزدور پیشہ اقوام کو آج بھی جوتیوں میں جگہ ملتی ہے کسی پیشہ ور مزدور کی کیا مجال ہے کہ وہ چارپائی یا مونڈھے پر بیٹھ سکے ہندو اپنی اصلاح کے درپے ہے۔ وہ اپنی رسومات قبیحہ سے پریشان ہو کر قانون کے ذریعہ اصلاح کرانا چاہتا ہے۔ اچھوت کے حقوق۔ بیوہ کے حقوق۔ عورتوں کے عام حقوق کے لئے کوشش کرتا ہے لیکن مسلمان اپنی ان ہی رسومات کفریہ کو اپنی قوم میں رواج دینا چاہتا ہے اس پر لڑتا ہے اور ان رسومات قبیحہ پر اصرار کرتا ہے

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

پنجاب کونسل میں ہندو شراب کے خلاف قانون بنوانا چاہتے ہیں۔ لیکن مسلمان شراب کی حمایت کرتے ہیں اور عذر یہ کرتے ہیں کہ شراب کو روکنے سے حکومت کو نقصان ہوگا۔ ہندو یہ چاہتے ہیں کہ شراب کو بند کرا کے حکومت کو نقصان پہنچائیں۔ ایسی حالت میں جب ہندو حکومت کو نقصان پہنچانا چاہیں تو ہمارا فرض ہے کہ ہم حکومت کی امداد کریں۔ کیونکہ حکومت ہم پر بہت مہربان ہے اور

ہم حکومت کے وفادار ہیں۔ جب ان وفاداروں کی سعی سے شراب کے خلاف قانون پاس نہیں ہوتا تو انگریزوں کی اس خدمت پر یہ بہت خوش ہوتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ انہوں نے کوئی بہترین کام کیا ہے۔ الذین ضل سعیھم فی الحیوۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا۔

پست اقوام پر اسلام کا احسان

کیوں صاحب! کیا آپ نہیں جانتے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس تعلیم نے پست اقوام پر کس قدر احسان کیا ہے۔ عرب میں پیشہ کی وجہ سے کوئی عزت یا ذلت نہ تھی، یہ طریقہ عجم کا ہے کہ یہاں پیشوں کی وجہ سے لوگوں کو ذلیل سمجھا جاتا ہے۔ عرب میں خواہ کوئی پیشہ ہو بحیثیت پیشہ کے ذلیل نہیں سمجھا جاتا تھا۔ البتہ غلامی اور حریت مابہ الامتیاز ضرور تھی، ایک غلام یا آزاد شدہ غلام حر کے مقابلہ میں ذلیل سمجھا جاتا تھا۔ دو پشتوں کا آزاد تین پشت والے آزاد سے کم مرتبہ خیال کیا جاتا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک خاص اعلان کے ذریعہ اس تفاوت کو مٹایا۔ اور فرمایا کہ آج سے احمر اور اسود کا ایک ہی مرتبہ سمجھا جائے گا۔ تم سب آدمؑ کی اولاد ہو اور آدمؑ مٹی سے بنائے گئے تھے۔ زید بن حارثہ کو آزاد کیا اور آزاد کرکے اس کو اپنا متبنے بنا لیا۔ پھر اس پر بھی اکتفا نہیں کیا بلکہ زید سے اپنی پھوپی زاد بہن کا نکاح کیا۔ ایک آزاد شدہ غلام کے ساتھ ایک قریشی خاتون کا نکاح ایک ایسا انقلاب تھا جس سے عرب کے لوگ صدہا برس سے ناآشنا تھے۔ عرب کے نزدیک اہل عجم بھی کم مرتبہ سمجھے جاتے تھے لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان فارسی کو اپنی اہلبیت میں داخل کرکے اس مزعومہ برتری کو بھی پاش پاش کر دیا۔ جو عرب نے عجم پر خیالی طور پر کر رکھی تھی۔ اسی طرح حضرت بلال رضؓ کو مسجد نبوی کا مؤذن بنا کر صف اولی میں کھڑے ہونے کا موقعہ دیا تاکہ غلاموں کے ساتھ

جو ذلت کا برتاؤ کیا جا رہا تھا۔ اس کو دور کر دیا جائے جس پیغمبر کی زندگی اس قسم کے ہزار ہا انقلابات سے معمور ہو۔ آج اس کی امت ایک جلاہے کو چارپائی پر نہ بیٹھنے دے تیلی، رنگریز، دھنئے وغیرہ کو محض اس بنا پر ذلیل سمجھنا کہ ان کا پیشہ ذلیل ہے یا مسلمان بھنگیوں کو اس بنا پر مسجدوں سے روکنا کہ ان کا پیشہ مذموم ہے ایک ایسا شرمناک اور افسوسناک جذبہ ہے جو کم از کم مسلمان میں تو ہو نہیں سکتا۔

صنف نازک کی بلندی

اسی طرح عورت کے حقوق کی اسلام نے جس قدر حمایت کی ہے اور عورت کو جتنا بلند کیا ہے اس کی مثال بھی دوسرے لوگوں میں نہیں پائی جاتی تم سمجھتے ہو یورپ نے عورت کو بہت بلند کیا ہے۔ کیونکہ تم نے اکثر یوروپین لوگوں کو دیکھا ہوگا کہ وہ اپنی لیڈی کو دائیں طرف بٹھا کر گاڑی میں نکلا کرتے ہیں۔ تم یہ سمجھ گئے کہ یورپ میں عورت کے حقوق بہت زیادہ ہیں میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اسلام نے عورت کو جو حق اور جو عزت عطا کی ہے اس کی تو یورپ کو ابھی ہوا بھی نہیں لگی دائیں طرف بٹھا کر گاڑی میں نکل جانا بھی کوئی بڑی عزت ہے۔

مجھے بتاؤ یورپ میں عورت کو اس کے خاوند یا باپ بھائی اور اولاد کے مال میں سے ورثہ کیا ملتا ہے؟ یورپ میں عورت کی پروپرٹی کہاں ہے؟ عورت اپنے نام سے بنک میں روپیہ جمع کرا سکتی ہے؟ عورت کے وہ کونسے حقوق ہیں جو شوہر کے ذمہ واجب الادا ہیں؟ اسلام نے عورت کے جو حقوق تجویز کئے ہیں ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ صرف ایک ہی آیت سُناتا ہوں سورۂ بقرہ میں فرماتے ہیں:۔

ولھن مثل الذی	جس طرح مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں۔ اسی
علیھن بالمعروف	طرح عورتوں کے حقوق مردوں پر ہیں۔

سلہ اور عورتوں کا بھی حق ہے جیسا کہ مردوں کا ان پر حق ہے دستور کے موافق ۱۲

آج مہذب دنیا کا قانون آپ کے سامنے ہے۔ آپ مہربانی فرما کر کوئی قانون ایسا جامع بتا سکتے ہیں جس میں عورت کے حقوق کو اس جامعیت کے ساتھ تسلیم کیا گیا ہو یورپ تو اب غور کر رہا ہے کہ عورت اپنے نام سے بینک میں روپیہ جمع کرائے یا نہ کرائے لیکن اسلام عورت کے حقوق مردوں کے قریب قریب بتاتا ہے۔ آج سب سے زیادہ افسوس اسلام کے ماننے والوں پر ہے یہ اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتے ہیں لیکن عورتوں کے حقوق کو اسقدر پامال کر رہے ہیں کہ انکی ان حرکات پر کفر بھی خندہ زن ہے

صاحبو! آج کتنی ہی عورتیں ایسی ہیں جن کے خاوند نہ طلاق دیتے ہیں نہ ان کو روٹی کپڑا دیتے ہیں بلکہ طلاق کا مطالبہ کرو تو کہتے ہیں ہم سڑا سڑا کر ماریں گے۔ جس اسلام نے کھلے الفاظ میں یہ اعلان کیا ہو:-

فامساک[1] بمعروف او تسریح باحسان۔ یا تو بھلے مانسوں کی طرح گھر بساؤ یا شریف آدمیوں کی طرح ان کو چھوڑ دو۔

اس اسلام کے نام لیواؤں کا عورتوں پر یہ ظلم کیا قابل شرم نہیں ہے

کنواری کھائے روٹیاں بیاہی کھائے بوٹیاں

دلی والے ایک مثل کہا کرتے ہیں۔ کنواری لڑکی تو روٹی ہی کھاتی ہے لیکن بیاہی لڑکی کو اگر ماں باپ کے گھر بٹھینا پڑے تو وہ بوٹیاں کھاتی ہے آپ سمجھتے ہیں بیاہی بیٹی کو گھر میں بٹھانا کیا آسان ہے؟ خدا بُرے لڑکوں سے پالا نہ ڈالے کتنی لڑکیاں ہیں جو نالائق خاوندوں کے ہاتھوں دق کے مرض میں مبتلا ہو کر موت کے گھاٹ اتر چکی ہیں۔ بیچارے ماں باپ آٹھ آٹھ آنسو روتے ہیں لیکن کیا کریں داماد نالائق ہو تو کر بھی کیا سکتے ہیں کیونکہ آج ہم کو یہ معلوم ہے کہ انگریزی قانون میں عورت کو طلاق نہیں دلائی جا سکتی

[1] اس کے بعد رکھ لینا موافق دستور کے یا چھوڑ دینا بھلی طرح سے ۱۲۔

اس لئے ہم شریعت کی پرواہ نہیں کرتے۔ میں آپ سے عرض کرتا ہوں۔ انگریزی قانون تو چند روزہ ہے خدا جانے یہ قانون کب تک رہتا ہے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قانون تو قیامت تک رہنے والا ہے۔ تم انسانوں کے بنائے ہوئے قانون کے مقابلہ میں خدائی قانون کو ٹھکرا رہے ہو۔ میں تم کو بتانا چاہتا ہوں قیامت میں انگریزی قانون تم کو دوزخ سے نہ بچا سکے گا۔ قیامت میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ہی کام آئیگی اگر قیامت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے دریافت کیا کہ میں بنی نوع انسان میں مساوات قائم کرکے آیا تھا لیکن تم نے پست اقوام کو ذلیل سمجھا میں نے تم کو حجۃ الوداع کے موقع پر عورتوں کے حقوق پر خاص توجہ دلائی تھی لیکن تم نے ان پر ظلم کیا۔ تو کیوں صاحب آپکے پاس کیا جواب ہوگا؟

رسم و رواج کی پابندی

مجھے تو اس پر افسوس ہوتا ہے اور میں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ غیر مسلم اپنی کمزوریوں کو ترک کر رہے ہیں لیکن مسلمان آج بھی ان کمزوریوں پر جو انہوں نے غیر مسلموں سے لی تھیں اصرار کر رہے ہیں۔ مجھ کو تو یہ اندیشہ ہے کہ اگر ہندوؤں نے بیوہ سے نکاح کی اجازت کے لئے کوئی مسودہ قانون پیش کیا تو کہیں مسلمان اس کی مخالفت نہ کریں اگر ہندوؤں نے لڑکی کے ورثہ کے لئے کوئی بل پیش کیا۔ تو پنجاب یا بمبئی کے مسلمان اس کی مخالفت پر نہ آمادہ ہو جائیں۔ اگر خدانخواستہ بیوہ کے نکاح یا لڑکی کے ورثہ کی مخالفت مسلمانوں کی جانب سے ہوئی تو یہ واقعہ کس قدر شرمناک ہوگا۔ میرا یہ اندیشہ کچھ مستبعد نہیں ہے کیونکہ پنجاب کونسل میں آخر مسلمان شراب کی حمایت کر ہی چکے ہیں مسلمانوں کا تو اب یہ حال ہو گیا ہے کہ ہندو کی جانب سے تجویز آئی اور انہوں نے آنکھیں بند کرکے مخالفت کرنی شروع کی۔ ہندوؤں نے مخلوط انتخاب کا نام لیا تو یہ جداگانہ انتخاب طلب کرنے لگے۔ انہوں نے انگریزوں سے جنگ کی تو یہ انگریزوں کے حامی بن گئے

انہوں نے کمیونل ایوارڈ کی مخالفت کی تو یہ اس کی حمایت کرنے لگے ان بیوقوفوں کو اس سے کچھ بحث نہیں کہ ان کی حمایت یا مخالفت کا مبنی کوئی معقول بات ہونی چاہیئے ہندوؤں کی صرف مخالفت کو اپنا مسلک بنا لینا بھی کوئی سمجھداری کی بات ہے مجھے تو کبھی کبھی یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ اگر ہندو اسلام قبول کرنے کا اعلان کریں جس کا امکان بہت قریب ہے تو کہیں مسلمان اپنے کافر ہونے کا اعلان نہ کر دیں۔

ایسی ضد کا کیا ٹھکانا اپنا مذہب چھوڑ کر میں ہوا کافر تو وہ کافر مسلماں ہو گیا

ابھی شراب کی حمایت تو مسلمان ہندوؤں کی ضد میں کرنے ہی لگے اور رہتک کا تو وہ قصہ مشہور ہی ہے جس دن کانگریس نے شراب پر پکٹنگ لگایا تو مسلمان ایک ہزار روپے کی شراب اسی ضد میں پی گئے کہ گاندھی کے کہنے سے شراب نہیں چھوڑی جا سکتی۔ ایک مسلمان صاحب وہاں سے مجھے بلانے آئے تھے اور جب انہوں نے یہ قصہ بیان کیا کہ مسلمان ہندو رضا کاروں کو دھکے دے کر شراب خرید رہے ہیں تو میں نے ان سے کہا جب نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے تو میرا جانا کیا مفید ہو سکتا ہے۔

دہلی کا واقعہ تو میرے سامنے کا ہے۔ ایک مسلمان طالب علم کو مسلمانوں نے ہی مارا یہ طالب علم شراب پر پکٹنگ کر رہا تھا اسکو مسلمانوں ہی نے مارا اور ایسا مارا کہ پندرہ بیس دن میں وہ بیچارا اچھا ہوا۔ بدیسی کپڑے کی حمایت مسلمان کرتے ہی تھے اور دلیل یہی بیان کرتے تھے کہ بیشک اپنے دیس کا کپڑا پہننے سے ہندوستان کے جلاہوں کو فائدہ ہوگا لیکن گاندھی کے کہنے سے نہیں پہنیں گے۔ جب ذہنیت یہاں تک خراب ہو چکی ہو تو بھائی اگر کل گاندھی کو اللہ تعالیٰ نے توفیق عنایت کی اور اس نے اسلام قبول کر لیا اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا وما ذلک علی اللہ بعزیز تو کیا تم اپنے کافر ہونے کا اعلان کر دو گے؟ ارے بھلے آدمیو کوئی بات تو

سوچ سمجھ کر کہا کرو، یہ بھی کوئی عقل کی بات ہے۔ کچھ اپنے چچا کی بھی خبر ہے۔ وہ حضرت سعدی کیا کہہ گئے ہیں۔

مرد باید کہ گیرد اندر گوش　　گر نبشتست پند بر دیوار

گاندھی جی کی غلطی

گاندھی جی ایک انسان ہیں ان سے غلطیاں بھی ہوتی ہیں اور وہ اپنی غلطیوں کا اعتراف بھی کیا کرتے ہیں میں نے تو ابھی کہا تھا کہ سول نافرمانی کے سلسلہ میں انہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ ان کے لئے بہترین موقع یہ تھا کہ وہ پونہ کانفرنس میں سول نافرمانی کو واپس لے لیتے انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ انفرادی سول نافرمانی کو جاری رکھا اور آخر ان کو اپنی غلطی کا اعتراف کرنا پڑا۔ اتنے بڑے ملک میں انفرادی سول نافرمانی کا چلنا یقیناً مشکل تھا ہمارے سرکاری مسلمان تو یہ کہا کرتے ہیں کہ اجتماعی سول نافرمانی میں بھی انہوں نے غلطی کی، اور دلیل وہی بیان کیا کرتے ہیں جو میں نے ابھی ذکر کی تھی یعنی انہوں نے عام کو خاص پہ قیاس کیا۔ لیکن میں عرض کرتا ہوں کہ یہاں قیاس کا سوال نہیں ہے بلکہ ایک حکومت تسلطہ سے اپنے حقوق طلب کرنے کا سوال ہے اور اس کے لئے آخری طریقہ یہی ہے جو گاندھی جی نے اختیار کیا آپ ہی بتائیے کہ سول نافرمانی کے علاوہ اور وہ کونسا ہتھیار ہے جس سے ہندوستانی حکومت متسلطہ کو مجبور کر سکتے ہیں۔ جب خوشامد کرنے اور صدائے احتجاج بلند کرنے سے معاملہ متجاوز ہو جائے تو پھر کیا چارہ کار ہے۔ مظلوم اور مجبور قوموں کی یہ ایک آخری جدو جہد ہے جو وہ کیا کرتی ہیں اور ایک بہت بڑی قربانی دینے کے بعد کامیاب ہو جایا کرتی ہیں۔ گاندھی جی نے اپنی جس غلطی کا اعتراف کیا ہے اس کا تعلق مطلقاً سول نافرمانی سے نہیں ہے اور نہ مطلقاً سول نافرمانی کے طریقہ کو غلط کہا جا سکتا ہے بہرحال میرا مطلب یہ ہے کہ گاندھی جی کی شخصیت غلطیوں سے پاک نہیں ہے اُنسے غلطیاں

بھی ہوتی ہیں۔ اور بجز انبیا علیہم السلام کے کون شخص ہے جس کو غلطیوں سے پاک کہا جا سکتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کی ہر بات کے خلاف کیا جائے اور ان کی ضد میں شراب پی لی جائے یا بدیسی اشیاء کو ترویج دی جائے یا ہندوؤں کی ضد میں بیوہ کی شادی اور عورتوں کے ورثہ سے انکار کیا جائے۔ میری غرض تو یہ ہے کہ اچھی بات کو ہر جگہ سے قبول کر لینا چاہئے نصیحت اگر دیوار پر بھی لکھی ہو تو قابل قبول ہے اور اچھی بات تو اصل میں ہماری ہی بات ہے خواہ کوئی بھی کہے یاد رکھئے ہر اچھی اور حکمت کی بات مسلمانوں کا گم شدہ مال ہے۔ کلمة الحكمة ضالة المؤمن۔

معجزات کی بحث

صاحبو! گفتگو یہ ہو رہی تھی کہ عرب کی قوم تو ایسی جاہل تھی جو سوائے اونٹ کا گوشت کھانے اور بکریوں کا دودھ پینے کے کچھ جانتی ہی نہیں اور پیغمبر ایسا اولوالعزم جو علوم اولین و آخرین کا مالک۔ قوم نہ توحید سے واقف نہ قیامت سے آگاہ نہ ملائکہ سے واقف نہ حشر و نشر اور عالم برزخ سے خبردار بتوں کا پوجنا اور اس دنیا کی زندگی کو آخری زندگی سمجھنا اس کا مبلغ علم و عمل۔ اور رسول ایسا ذی مرتبہ کہ الیوم[1] اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی اس کا طغرائے امتیاز۔ نبی ایسا جو جملہ انبیاء علیہم السلام کے کمالات کی تکمیل کرنے والا۔ پیغامبر ایسا جو اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام!

مکان کے کونے کا آخری پتھر

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات مقدس کو ایک مثال میں سمجھایا ہے۔ مثال کیا ہے۔ سبحان اللہ! اس میں اپنے آخری پیغام

---

[1] آج میں پورا کر چکا تمہارے لئے دین تمہارا اور پورا کیا تم پر میں نے احسان اپنا ۱۲

ہونے کی طرف بھی تصریح کی ہے اور جملہ انبیا علیہم السلام کے کمالات کے لئے اپنی ذات کو موقوف علیہ ہونے کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے۔ دیکھئے میں نے دو باتیں کہی ہیں ایک یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری پیغام ہیں۔ آپ کے بعد کاذب اور دجال تو آئیں گے لیکن کوئی نبی بحیثیت نبی کے نہیں آئے گا۔

دوسری بات میں نے یہ عرض کی ہے کہ تمام انبیا علیہم السلام کا کمال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر موقوف تھا یہ امر تو مسلمہ ہے کہ وہ تمام کمالات جو فرداً فرداً انبیاء علیہم السلام کو عطا کئے گئے تھے وہ سب کے سب سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم میں جمع کر دیئے گئے تھے

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری انچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اگر آپ ذرا تعمق نظر سے کام لیں تو قرآن شریف نے بھی اسی مضمون کو ظاہر کیا ہے بلکہ شاعر کا مضمون قرآن پاک کی ہی ایک آیت سے ماخوذ ہے۔

ماخوذ پر ایک لطیفہ

ماخوذ کے معنی ہیں اخذ کیا گیا۔ لیا گیا مطلب یہ ہے کہ شاعر نے قرآن شریف کی ایک آیت سے شعر مذکورہ بالا کا مضمون حاصل کیا ہے۔ مجھے اس ماخوذ پر ایک لطیفہ یاد آگیا۔ بعض اخبار یا رسائل جب کسی مضمون کو دوسری جگہ سے نقل کرتے ہیں تو نیچے بریکٹ میں لکھدیا کرتے ہیں۔ (ماخوذ) ایک صاحب ایک رسالہ میں اسی قسم کا مضمون پڑھ رہے تھے۔ جب مضمون ختم کر چکے تو سمجھے۔ ماخوذ کسی رسالہ یا اخبار کا نام ہے۔ مضمون پڑھ کر کہنے لگے یہ ماخوذ کونسا اخبار ہے۔ اس نے بڑا اچھا مضمون لکھا ہے۔ میں نے عرض کیا اس نام کا تو کوئی رسالہ یا اخبار نہیں سُنا۔ فرمانے لگے نہیں جناب میں نے رسالہ میں پڑھا ہے۔ وہ مضمون ماخوذ سے لیا گیا تھا میں نے عرض کیا صاحب وہ رسالہ مجھے دکھائیے یہ صاحب جلدی سے گئے اور ایک رسالہ اٹھا لائے میں نے دیکھا کہ سیرت کے متعلق ایک مضمون تھا۔ اس کے نیچے ماخوذ لکھا تھا میں نے انکو سمجھایا

کہ ماخوذ کسی رسالہ کا نام نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مضمون اخذ کیا گیا ہے یعنی ایڈیٹر کا اپنا نہیں ہے۔ بلکہ کہیں سے نقل کیا گیا ہے۔ اکثر ایڈیٹر اس قسم کی اخلاقی کمزوری کا اظہار کیا کرتے ہیں کہ دوسرے رسالے یا اخبار سے مضمون بھی نقل کر لیتے ہیں اور اس کا نام بھی ظاہر کرنے میں بخل کرتے ہیں۔ تو وہ بجائے منقول عنہ کا نام لکھنے کے ماخوذ لکھدیا کرتے ہیں۔ اردوداں حضرات یہ سمجھ جاتے ہیں کہ یہ شاید کسی اخبار یا رسالے کا نام ہے۔ اس قسم کی غلطیاں اردوداں اصحاب سے اکثر ہو جایا کرتی ہیں، بالخصوص یہ جاہل واعظ تو اس معاملہ میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔

ایک مولوی صاحب کا قصہ

ایک مولوی صاحب ہمارے یہاں دہلی میں آیا کرتے تھے گانا بہت اچھا جانتے تھے جھوٹی روایتیں ان کو بیشمار یاد تھیں، سامعین کو ہنسانے اور رلانے میں کمال رکھتے تھے۔ چونکہ گاتے بہت اچھا تھے اس لئے جاہل ان کو بہت بڑا مولوی سمجھتے تھے وہ اپنے جھوٹے قصے بیان کر کے کہا کرتے تھے، یہ واقعات امام نودی نے اپنی مسلم شریف میں بیان کئے ہیں۔ نووی دال سے بروزن بودی کہا کرتے تھے اور صحیح مسلم کی نسبت امام نودی کی جانب کردیا کرتے تھے۔ ایسے ہی ایک صاحب اور تھے وہ بھی بڑے قصاص اور کذاب تھے وہ کہا کرتے تھے سورۂ مثنوی شریف میں وارد ہے۔ یعنے حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ کی مثنوی کو قرآن کی سورۃ سمجھتے تھے۔ باندے کے ضلع میں ایک جاہل واعظ نے بیان کیا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے ہوئے تو دونوں ٹکڑے آسمان سے اتر کر حضور کے گریبان میں داخل ہوئے ایک ٹکڑا ایک آستین سے نکل گیا اور دوسرا دوسری آستین سے نکل گیا۔ اس واقعہ کو اس کمبخت نے قرآن میں بتایا۔ ایک صاحب نے کہا قرآن میں لکھا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو حضرت پیران پیر رحمۃ اللہ علیہ نے دنیا میں بھیجا ہے

ایک جاہل میلاد خواں نے اپنے میلاد میں شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب میں بیان کیا کہ حضور جب معراج میں تشریف لے گئے تو عرش پر چڑھنے میں بڑی دشواری ہوئی، حضورؐ نے بہت کوشش کی مگر معاذ اللہ ناکام رہے جب حضرت پیران پیر نے آپکو کندھے کا سہارا دیا تو آپ انکے کندھے پر سوار ہو کر عرش پر چڑھ سکے اور اس جاہل نے اس واقعہ کو بیان کرکے کہا کہ یہ حدیث بخاری شریف میں آئی ہے غرض یہ ہے کہ اردو داں حضرات سے اس قسم کی غلطیاں اکثر ہو جایا کرتی ہیں۔

قرآن شریف کی آیت

میرا مطلب یہ تھا کہ شاعر نے جو کچھ کہا ہے وہ قرآن کی آیت سے اخذ کیا ہے۔ یہ مضمون کہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں فرداً فرداً جو اوصاف تھے وہ بتمامہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود تھے ساتویں پارے میں مذکور ہے۔ واذا سمعوا میں ارشاد ہوتا ہے۔ کلا ھدینا ونوحاً ھدینا من قبل ومن ذریتہ داؤد وسلیمٰن وایوب ویوسف وموسیٰ وھٰرون۔ پوری آیت پڑھ لیجئے اس آیت میں سترہ یا اٹھارہ پیغمبروں کا ذکر ہے۔ ان سب کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ اولٰئک الذین ھدی اللہ فبھدٰھم اقتدہ[لے]۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے نبوت کے اوصاف کمالیہ کے ساتھ متصف کیا تھا۔ اے ہمارے رسول آپ بھی ان انبیاء مذکورہ کے اوصاف کمالات کی پیروی کیجئے۔ لفظ اقتدہ میں کس قدر خوبیاں مضمر ہیں ممکن ہے کہ آپ میں سے کوئی یہ کہے کہ انبیاء مقتدا ہوئے اور آپ مقتدی ہوئے لیکن میں عرض کرونگا بحث اس میں نہیں ہے بلکہ یہ بتاؤ کہ مقتدا اور مقتدی میں اتحاد وصفی ہے یا نہیں ایک مقتدی کسی امام کے پیچھے نماز پڑھنے کھڑا ہو اور آپ اس سے یہ کہیں کہ جو امام کرے وہ تم بھی کرنا اور وہ مقتدی آپ کے کہنے پر عمل

لے یہ وہ لوگ تھے جن کو ہدایت کی اللہ نے سو تو چل ان کے طریقہ پر۔ ۱۲

کرے یعنی امام رکوع کرے تو وہ بھی رکوع کرے، امام سجدہ کرے تو وہ بھی سجدہ کرے تو اب اس مقتدی کی نماز اور مقتدا کی نماز میں اتحاد وصفی ہے یا نہیں کیا آپ مقتدی اور مقتدا کی نماز میں یا اعمال نماز میں کوئی فرق کر سکتے ہیں؟ اگر میں یہ کہوں کہ مقتدا کی نماز میں جو کچھ ہے وہ سب کچھ مقتدی کی نماز میں بھی ہے تو میرا یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا۔ کیونکہ مقتدا اور مقتدی کے اعمال میں وحدت تو یقیناً ہے جب آپ نے اس مثال کو سمجھ لیا تو اب قرآن کی آیت کا سمجھ لینا کچھ مشکل نہیں ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پیغمبروں کو ہدایت عطا فرمائی تھی اور ان کو اوصاف نبوت اور اعلیٰ ترین کمالات عطا کئے تھے۔ آپ بھی ان کی اقتدار کیجئے۔ جب حضور کو اقتدا کا حکم ہوا تو آپ نے اس حکم کی یقیناً تعمیل فرمائی ہوگی۔ یہ تو ناممکن ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حق کے حکم کی خلاف ورزی کریں۔ جب آپ نے اقتدار کی تو وہ تمام باتیں جو انبیاء سابقہ میں خدا تعالیٰ نے رکھی تھیں اور جن مناصب علیا اور مراتب حسنیٰ سے ان کو نوازا تھا وہ تمام خوبیاں اور وہ تمام اوصاف کمالیہ ضرور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں ہونے چاہئیں۔ اگرچہ اقتداءً ہی سہی۔ اس تقریر سے میرا مدعا ثابت ہو گیا کہ جملہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو حضرت حق نے جو اوصاف عطا فرمائے تھے وہ تمام کے تمام حضور میں جمع کر دیئے گئے تھے۔

ایک شبہ کا ازالہ

مہربانی فرما کر کوئی صاحب یہ شبہ بھی نہ کریں کہ آیت میں صرف اٹھارہ پیغمبروں کا نام ہے اور دعویٰ عام ہے یعنی دعویٰ تو عام ہے اور دلیل خاص ہے۔ میں عرض کروں گا اول تو جن پیغمبروں کا نام ہے ان کے نام سن لیجئے میں پوری آیت پڑھ دوں ومن ذریتہ داؤد وسلیمٰن وایوب ویوسف وموسیٰ وھٰرون وکذٰلک نجزی المحسنین وزکریا ویحییٰ وعیسیٰ والیاس کل من الصٰلحین واسمٰعیل والیسع ویونس ولوطاً

حضرت اسحاق اور یعقوب اور حضرت نوح کا نام آ ہی چکا یہ تقریباً سترہ یا اٹھارہ نام ہیں جو ایک ہی رکوع میں جمع کر دئے گئے ہیں۔ اب بتائیے بچا کون؟ اولوا العزم پیغمبروں کے تو نام آہی گئے اچھا اور آگے بڑھئے ومن اباۂھم وذریتھم واخوانھم اب فرمائیے کونسا پیغمبر باقی رہا؟ پھر آیت کے آخری حصہ میں یہ بھی فرمایا ہے:۔ ولو اشرکو لحبط عنھم ما کانوا یعملون[1] یعنی اگر یہ پیغمبر شرک کرتے (معاذ اللہ) تو ان کے تمام اعمال ضائع ہو جاتے۔ شرک پر حبط اعمال کا پیغام ایسا پیغام ہے کہ اسمیں تمام انبیا علیہم السلام شریک ہیں اسی پیغام کی طرف آیت میں اشارہ ہے اور یہ بات کہ یہ پیغام تمام انبیاء کو دیا گیا ہے سورۂ زمر کی اس آیت سے ثابت ہے ولقد اوحی الیک والی الذین من قبلک لئن اشرکت لیحبطن عملک ولتکونن من الخسرین[2] ہم آپ کو اور آپ سے پہلے دوسرے تمام نبیوں کو یہ پیغام دے چکے ہیں کہ اگر آپنے خدانخواستہ بفرض محال ہمارے ساتھ شرک کیا تو ہم آپکے تمام اعمال ضائع کر دینگے اور آپ کو خاسرین اور زیاں کاروں میں شامل کر دیں گے ان دونوں آیتوں کو (ولو اشرکو اور ولقد اوحی الیک) ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ واذا سمعوا میں تمام انبیاء مراد ہیں۔ اور تمام انبیاء کی اقتدا کا حکم ہے اور اقتدا کے بعد نتیجہ صاف ہے کہ جن کمالات ہدایت سے وہ تمام انبیا علیحدہ علیحدہ متصف تھے ان تمام کمالات سے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت مجموعی متصف تھے۔ وھو المقصود اور یہی شاعر نے اپنے شعر میں ظاہر کیا ہے ؎

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری | آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

---

[1] اور اگر یہ لوگ شرک کرتے تو البتہ ضائع ہو جاتا جو کچھ انہوں نے کیا تھا۔

[2] اور حکم ہو چکا ہے تجھ کو اور تجھ سے اگلوں کو کہ اگر تو نے شریک مان لیا تو اکارت جائیں گے تیرے عمل اور تو ہوگا ٹوٹے میں پڑا۔

ایک مشہور وصف

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کمالات و اوصاف کا حصر کرنا تو مشکل ہے لیکن ایک مشہور وصف جو جملہ انبیاء میں مشترک ہے وہ خدمت خلق ہے اور یہ خدمت محض اللہ تعالیٰ کیلئے ہوتی ہے وہ مخلوق سے اس خدمت پر کوئی معاوضہ نہیں طلب کرتے ۔ ہر پیغمبر نے اپنی ابتدائی تقریر میں اس امر کا اعلان کیا ہے وما اسئلکم علیہ من اجر ان اجری الا علی اللہ میں تم سے اس خدمت پر کوئی اجر یا مزدوری نہیں مانگتا میری مزدوری تو اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے اسی وصف خاص کیطرف اللہ تعالیٰ نے آگے کی آیت میں ارشاد فرمایا کہ قل لا اسئلکم علیہ اجرا اے ہمارے پیغمبر آپ ان تمام لوگوں کے اوصاف کمالیہ کی اقتدا کیجئے جو آپ سے پیشتر گذر چکے ہیں اور اس امر کا اعلان کر دیجئے کہ میں تم سے اپنی خدمت کا صلہ طلب نہیں کرتا جس طرح اور تمام انبیاء خدا کیواسطے خدمت کرتے تھے اسی طرح میں بھی خدا کیواسطے تمہاری خدمت کرتا ہوں ۔

ملت ابراہیمی کا اتباع

جس طرح واذا سمعوا میں جملہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اقتدا کا حکم دیا ہے اسی طرح سورۂ نحل کے آخر میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کا حکم دیا ہے چنانچہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرماتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے ثم اوحینا الیک ان اتبع ملۃ ابراھیم حنیفا ۔ حضرت خلیل کی ملت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملت کی یگانگت و مماثلت تو ایسی مشہور ہے کہ اس سے کوئی سمجھدار آدمی انکار نہیں کر سکتا الفاظ اتباع کے ہوں یا اقتدا کے مطلب یہی ہے کہ ان تمام اوصاف سے متصف ہونا چاہیئے جو انبیائے سابقین کو فرداً فرداً عطا کیے گئے تھے ۔

لہ پھر حکم بھیجا ہم نے تجھ کو کہ چل دین ابراہیم پر جو ایک طرف کا تھا ۔

اقتداء اور اتباع

رہی یہ بات کہ اس تقدیر پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اقتداء اور اتباع لازم آتی ہے، جو شخص مقتدا اور متبوع ہو اسکو مقتدی اور تابع بنانا اس کے رتبہ کو کم کرنا ہے۔ لیکن میں عرض کرتا ہوں کہ جملہ صفات نبوت وہدایت سے متصف تسلیم کرنے کے بعد اس کا جواب کچھ مشکل نہیں ہے یہ الفاظ تو محض تاخر زمانی کی بناء پر استعمال کیے گئے ہیں۔

صاحبو یہ تو حقیقت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا زمانہ دوسرے نبیوں کے بعد ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام کے تشریف لانے کے بعد آپ کا تشریف لانا بعدیت زمانی کو مستلزم ہے۔ اگرچہ باعتبار وجود اور باعتبار نامزدگی آپکو تمام انبیاء علیہم السلام پر اولیت واولویت حاصل ہے جیسا کہ خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

اول ما خلق اللہ نوری — سب سے پہلے اللہ تعالےٰ نے میرے نور کو پیدا کیا ہے

جس طرح آپ کا نور سب سے پہلے پیدا کیا گیا ہے اسی طرح آپکی نامزدگی اور آپکی نبوت کو بھی اولیت حاصل ہے۔

کنت نبیاً وآدم بین الماء والطین۔ — آدمؑ کے پتلے میں ابھی روح پھونکی بھی نہ گئی تھی کہ مجکو نبی بنا دیا گیا تھا۔

لیکن باعتبار بعثت آپ کو سب سے آخر میں بھیجا گیا ہے اور آپ کا زمانہ یقیناً دوسرے انبیاء کے بعد ہے اور اسی کو بعدیت زمانی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ اور آپکی بعثت آخر میں ہے اور دوسرے پیغمبر آپ سے باعتبار بعثت کے مقدم ہیں اس واسطے آپ کے لئے اقتداء اور اتباع کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ ورنہ مقتدا اور متبوع، مقتدی اور تابع کیسے ہوسکتا ہے۔

دوسرا نکتہ نیز ان الفاظ کے استعمال کرنے میں ان معترضین کا بھی جواب ہے

جو آپ پر ایک نئے دین کا الزام لگاتے تھے اور آپ کی شریعت کو انبیاء سابقین کے شرائع اور ملل کے خلاف بتاتے تھے۔ اور دعویٰ یہ کرتے تھے کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عقیدہ پر ہم لوگ ہیں۔ یہ نبی تو ان کا مخالف ہے اور یہ ایک نئے دین کی بنا ڈالکر اس بہانہ سے عرب کا بادشاہ یا لیڈر بننا چاہتا ہے۔ اور بھی اسی قسم کی ہفوات صبح سے شام تک بکتے رہتے تھے۔ انبیاء سابقین کا نام اہل کتاب عزت سے لیتے تھے اور حضرت ابراہیم کا نام اہل عرب بڑے ادب سے لیتے تھے لیکن سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین اور آپ کی بعثت کے انکار میں سب برابر تھے اور آپکی مقدس ذات پر یہ اعتراض کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم کے آپ مخالف ہیں۔ وہ تو بڑا اچھا آدمی تھا لیکن آپ تو اس کی مخالفت میں نیا دین لیکر آئے ہیں ہم آپ کو کیسے مان لیں۔ اہل کتاب کہتے تھے انبیاء سابقین سب سچے تھے لیکن تم کو ان سے کیا تعلق تم تو ان کے مخالف ہو۔ اس لئے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوتا تھا کہ تم اپنا تعلق ان سے ظاہر کرتے ہوئے اس امر کا اعلان کردو کہ میری ملت اور میرا دین کوئی نئی ملت اور نیا دین نہیں ہے بلکہ میں تو وہی کہتا ہوں جو وہ کہا کرتے تھے۔ اسی مضمون کو مختلف الفاظ میں بار بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر فرمایا ہے۔ مثلاً فرماتے ہیں ملۃ ابیکم ابراھیم[1] میری ملت تو وہی ملت ابراہیمی ہے۔ سورۂ احقاف میں فرماتے ہیں۔

ما کنت بدعا من الرسل	میں کوئی دنیا سے انوکھا رسول نہیں ہوں
وما ادری ما یفعل بی ولا بکم	مجھے نہیں معلوم کہ میرے ساتھ کیا ہوتا ہے
	اور تمہارے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔

[1] دین تمہارے باپ ابراہیم کا۔

[2] میں کچھ نیا رسول نہیں آیا اور مجکو معلوم نہیں کیا ہونا ہے مجھ سے اور تم سے۔

تیسرے پارے میں ارشاد ہوتا ہے۔

ان اولی الناس بابراھیم[1] للذین اتبعوہ وھذا النبی والذین امنوا۔	ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ سب بڑی مناسبت ان لوگوں کو ہے جو ان کے سچے پیرو ہیں اور اس نبی کو اور مسلمانوں کو حضرت ابراہیم کیساتھ مناسبت ہے

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:۔

ماکان ابراھیم[2] یھودیا ولانصرانیا ولکن کان حنیفا مسلما وما کان من المشرکین۔	کفار مکہ اور اہل کتاب حضرت ابراہیمؑ سے اپنا غلط جوڑ لگا رہے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نہ یہودی تھے نہ نصرانی اور نہ وہ مشرک تھے بلکہ وہ تو مسلمان تھے اور ان تمام خرافات سے علیحدہ رہتے تھے۔

جب اُن کا مذہب بھی اسلام تھا تو ان سے کون قریب ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا کفار مکہ اور اہل کتاب؟ اسی مضمون کو ایک اور عنوان سے حضرت حق نے والمحصنت میں ذکر کیا ہے۔

ومن احسن دینا[3] ممن اسلم وجھہ للہ وھو محسن واتبع ملۃ ابراھیم حنیفا۔	اس سے اچھا اور بہتر کس کا دین ہو سکتا ہے جس کا مذہب اسلام اور احسان ہو اور وہ ملت ابراہیمی کا پیرو ہو۔

---

[1] لوگوں میں زیادہ مناسبت ابراہیمؑ سے ان کو تھی جو ساتھ اس کے تھے اور اس نبی کو جو ایمان لائے اس نبی پر۔

[2] نہ تھا ابراہیمؑ یہودی اور نہ تھا نصرانی لیکن تھا حنیف یعنے سب جھوٹے مذہبوں سے بیزار اور حکم بردار اور نہ تھا مشرک۔

[3] اور اس سے بہتر کس کا دین ہوگا جس نے پیشانی رکھی اللہ کے حکم پر اور نیک کام میں لگا ہوا ہے اور چلا دین ابراہیمؑ پر جو ایک ہی طرف کا تھا۔

کیوں صاحب اب تو آپکی سمجھ میں اقتدا اور اتباع کا مطلب آگیا۔ اب آئیے اس پہلی بات پر کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متعلق ایک مثال بیان فرمائی ہے۔ اس مثال سے میرا مدعا نہایت صاف طور پر آپ کی سمجھ میں آجائے گا۔

ختم نبوت کی تمثیل

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ میری اور دیگر انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے مکان بنایا اور اس میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی جو شخص مکان کو دیکھتا ہے تو اس کی تعریف کرتا ہے لیکن ایک اینٹ کی جگہ خالی دیکھکر یہ خواہش کرتا ہے کہ یہاں اینٹ ہوتی تو کیا اچھا ہوتا۔ سرکار نے فرمایا وہ آخری اینٹ میں ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے جس اینٹ کی جگہ خالی تھی وہ میرے آجانے کے بعد پر ہوگئی۔ اب اگر کوئی کاذب نبوت کا دعویٰ کرے تو اس کو صاف جواب دیدینا چاہیئے کہ قصر نبوت کی تکمیل ہوچکی ہے اب اسمیں کسی اینٹ کی جگہ تو کیا ہوگی کسی روڑے کی گنجائش بھی نہیں ہے۔ اگر کسی خبیث النفس انسان کو اس قسم کا شوق پیدا ہوجائے اور وہ نبوت کا دروازہ کھولنا چاہے تو اس کو قصر نبوت کی اس روشن مثال سے مایوس کردینا چاہیئے اس مثال میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا تو ظاہر ہی ہے لیکن میں نے تو ایک دوسری بات عرض کی تھی اور وہ یہ ہے کہ جس طرح اس مثال سے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری نبی ہونا ثابت ہے۔ اسی طرح یہ بھی ثابت ہے کہ تمام انبیائے سابقین کا کمال حضور انور کی ذات مقدس پر موقوف تھا۔ اگر حضور تشریف نہ لاتے تو قصر نبوت میں ایک ایسی کمی رہتی جسکی تلافی ناممکن تھی میں آپ سے دریافت کرتا ہوں کہ جبتک مکان میں آخری اینٹ نہیں لگائی گئی تھی، مکان کامل تھا یا ناقص۔ یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ اس آخری اینٹ پر پورے مکان کی تکمیل موقوف تھی۔ نام کو تو یہ آخری اینٹ ایک ہے لیکن ایسی اینٹ ہے کہ تمام اینٹوں کا

کمال اسی ایک اینٹ کے ساتھ وابستہ ہے سبحان اللہ کیا مثال بیان فرمائی ہے قربان جائیے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے گویا مطلب یہ ہوا کہ یوں تو ہر ایک اینٹ اپنی جگہ کامل ہے اس میں کوئی نقص نہیں ہے۔ لیکن بحیثیت اس کے کہ وہ اینٹ قصر نبوت کا ایک جز ہے۔ اپنے کمال میں ناقص ہے اسکا کمال اس آخری اینٹ پر موقوف ہے جس کے نہ ہونے سے تمام قصر ناقص ہے ہیں سنئے آپ سے دو باتیں عرض کی تھیں ایک سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا ختم المرسلین اور آخری نبی ہونا اور دوسرے تمام انبیاء علیہم السلام کا کمال آپ کی ذات پر موقوف ہونا اور یہ دونوں باتیں اس تمثیل سے صاف ہوگئیں جو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متعلق بیان فرمائی ہے۔

حضرت عیسیٰ کی تمثیل

اس آخری اینٹ کے متعلق سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا جس پتھر کو معماروں نے رد کیا وہی کونے کا سرا ہوا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال میں بھی سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ کونے کا سرا اور مکان کی آخری اینٹ ایک ہی چیز ہے۔

بہر حال ذکر تو یہ ہو رہا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ اور مقدس زندگی تمام کی تمام اعجاز ہی اعجاز ہے۔ ایسے اولوالعزم اور جلیل القدر پیغمبر کو ایسی قوم عطا ہوئی جو خدا کی ذات وصفات سے ناآشنا حشر ونشر سے بیگانہ، دوزخ وجنت سے ناواقف ایسی قوم کو شریعت مطہرہ کی تعلیم دینا کوئی آسان کام تھا؟ میں آپ سے دریافت کرتا ہوں آج ایک بہت بڑے عالم کو چار سال کا بچہ حوالے کرکے اس عالم سے کہئے کہ اس چار سالہ بچے کو بخاری شریف پڑھا دیجئے یا بیضاوی شریف کا درس دیدیجئے یا امور عامہ پڑھا دیجئے۔ یا اقلیدس کی شکلیں سمجھا دیجئے۔ یا تصریح اور شرح چغمینی

کی تعلیم دیدیجئے۔ آپ بڑے سے بڑے عالم کا نام لیجئے، اوّل تو اس دورِ قحط الرجال میں علماء کا فقدان ہی ہے لیکن پھر بھی جو حضرات موجود ہیں مثلاً حضرت مفتی صاحب قبلہ، مولانا حسین احمد صاحب، مولانا شبیر احمد صاحب، مولانا عبدالعزیز صاحب گوجرانوالہ، مولانا محمد سجاد صاحب نائب امیر شریعت، مولانا سید سلیمان صاحب ندوی، مولانا معین الدین اجمیری، یہی دس بیس آدمی ہیں جن کا نام لوگوں کی زبان پر ہے۔ جب کبھی اہلِ علم کا ذکر آتا ہے تو یہی حضرات ہیں جن کی طرف انگلیاں اٹھتی ہیں۔

مولانا سید انور شاہ

ہماری بدقسمتی سے حضرت شاہ صاحب کا تو انتقال ہی ہوگیا، ان کے تبحر علمی کا تو کہنا ہی کیا تھا۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو یگانۂ روزگار تھے۔ اور حضرات باکمال بھی موجود ہیں۔ ان میں سے کسی صاحب کو خدمت سپرد کرکے دیکھئے ہمارے مفتی صاحب کو لیجئے جن کی ذہانت اور فقاہت ضرب المثل ہے۔ اگر میرا تجربہ غلط نہیں ہے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ کم و بیش پچاس ہزار فقہ کی جزئیات تو حضرت مفتی صاحب قبلہ کو زبانی یاد ہوں گی، یعنی اگر آپ پچاس ہزار مختلف فتوے ایک وقت میں ان کے سامنے پیش کردیں تو وہ بدون کتاب دیکھے ہوئے خدا کے فضل و کرم سے لکھدیں گے۔ ذہانت کا یہ عالم ہے کہ آپ کوئی مشکل سے مشکل شبہ حضرت قبلہ کے سامنے پیش کیجئے۔ بس ایک دو دفعہ اس کو رپیٹ کرینگے ہاں تو مولوی صاحب آپکا یہ مطلب ہے، دو تین مرتبہ اس شبہ کو دوہرایا اور لپیٹ لپاٹ کر رکھ دیا۔ شبہ کرنے والا دیکھتا رہ جاتا ہے کہ حضرت نے کیا جواب دیا جواب اتنا معقول اور مسکت کہ جواب پر کسی شبہ کی گنجائش باقی ہی نہیں رہتی۔ آپ حضرت مفتی صاحب قبلہ کو چار یا پانچ سال کا بچہ دے کر فرمائش کیجئے کہ اگر آ

صدرا یا شمس بازغہ پڑھا دیجئے، دیکھئے مفتی صاحب آپ کو کیا جواب دیتے ہیں اگرچہ مفتی صاحب قبلہ کو چالیس سال تعلیم دیتے ہوئے ہوچکے ہیں لیکن ایک جاہل کے بچے کو وہ بخاری یا توضیح وتلویح کس طرح پڑھا سکتے ہیں۔

اہل عرب کی اصلاح

صاحبو! جس طرح ایک عالم متبحر کے لئے یہ مشکل بلکہ ناممکن ہے کہ وہ چھوٹے سے بچے کو درسیات مروجہ پڑھا سکے اس سے کہیں زیادہ یہ مشکل بلکہ اصعب ہے کہ عالم علوم اولین و آخرین عرب کے بدوؤں کو انبیا علیہم السلام کی مقدس تعلیم سے روشناس کر دے آپ اس کام کو مذاق یا دل لگی سمجھتے ہیں کہ عرب کی ایک جاہل اور تمدن وتہذیب سے دور افتادہ قوم کو قلیل مدت میں دنیا و آخرت کے انتہائی رموز ومعارف سے آگاہ کر دیا جائے۔ ایک بت پرست قوم کو بت شکن بنا دینا کیا آپ کے نزدیک یہ اعجاز نہیں ہے۔ آخر معجزہ کس کو کہتے ہیں کیا دنیا کی پست ترین قوم کو ایک قلیل مدت میں اعلیٰ ترین مرتبہ پر پہنچا دینا اور ناشناس فطرت کو آشنائے ذات وصفات بنا دینا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ نہیں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کی جاہل قوم کو جس طرح تعلیم دی ہے اور جن جن تمثیلات کے ساتھ سمجھایا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح اس قوم کی ذہنیت کا اندازہ لگایا تھا۔

صاحبو! خدا جانتا ہے اس طریقۂ تعلیم کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ میری تو سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ سرکار نے کیونکر اس قوم کو آدمیت کی راہ دکھائی۔ اور ایسی گری ہوئی قوم کو کس طرح اتنا اونچا کیا۔ ایک بدوی قوم کو جو اونٹ چرا کر اور بکریوں کا دودھ پی کر اپنی زندگی بسر کرتی ہو اس کو رسالت ونبوت کے رموز سے آگاہ کر دینا اور عالم برزخ کی جزئیات سے ناآشنا بنا دینا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

کامیاب زندگی کا ایک ایسا بڑا کارنامہ ہے جس کی مثال اولوالعزم پیغمبروں کی زندگی میں نہیں ملتی۔

چہ جائیکہ حکماء اور فلاسفہ کی تاریخ میں۔

انبیاء سابقین کا تذکرہ

سیدنا حضرت نوح علیہ السلام جن کو آدم ثانی کہا جاتا ہے اور جن کے زمانۂ تبلیغ کی مدت سب نبیوں سے زیادہ ہے قرآن پاک نے ان کے زمانۂ تبلیغ کی مدت کو۔

فلبث فیھم الف سنۃ الا خمسین عاما۔ [1]	حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو برس اپنی قوم کو تبلیغ کرتے رہے۔

سے تعبیر کیا ہے اتنی بڑی مدت میں اسی یا بیاسی انسانوں کی اصلاح کا پتہ چلتا ہے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کنٹرول یقیناً ایک بہت بڑی قوم پر تھا اور انہوں نے ایک بہت بڑی آبادی کو فرعون کی غلامی سے آزاد کرایا تھا اور مصر کی سلطنت کا مالک بنا دیا تھا۔

فاخرجنھم من جنت و عیون وکنوز ومقام کریم کذلک واورثنھا بنی اسرائیل [2]	ہم نے فرعون اور اس کے ساتھیوں کو مصر کے باغ اور بہتے ہوئے چشمے اور خزانوں اور بہترین آرام و آسائش کے مقامات سے نکال دیا اور ان کی جگہ بنی اسرائیل کو وارث بنا دیا۔

ان تمام نعمتوں سے بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بدولت فائز ہوئے لیکن باوجود ان تمام احسانات کے ایک نازک ترین موقع پر حضرت کلیم کو اس قوم نے صاف جواب دیدیا اور ایسے موقع پر جبکہ قوم کی زندگی اور موت کا سوال تھا انہوں نے نہایت طوطا چشمی کے ساتھ کہہ دیا۔

---

[1] پھر رہا ان میں ہزار برس پچاس کم۔

[2] پھر نکال باہر کیا ہم نے ان کو باغوں اور چشموں سے اور خزانوں اور عمدہ مکانوں سے اسی طرح اور ہاتھ لگا دیں یہ چیزیں بنی اسرائیل کے۔

فاذھب انت وربک فقاتلا انا ھھنا قاعدون۔ [1]

اے موسیٰ آپ اور آپ کا رب دونوں جا کر اس مہم کو سر کرلیں ہم تو یہیں بیٹھے رہیں گے۔

بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی تو مشہور ہے چند دن کیلئے حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پر تشریف لے گئے تھے آپ کی غیبت میں آپ کی قوم نے سامری کی ترغیب سے ایک بچھڑے کی پوجا شروع کردی اور ایک ایسا فتنہ برپا کردیا جو بڑی مشکل سے حضرت موسیٰ کی واپسی کے بعد فرو ہوا اور جب تک حضرت کلیم نے اس گوسالہ کو پھونک کر اس کے ذروں کو دریا میں نہ بہا دیا اور سامری کو خارج البلد نہ کردیا یہ خوفناک فتنہ قبضہ میں نہیں آیا۔ اسی طرح بنی اسرائیل جب دریا سے پار ہوئے اور فرعون سے نجات ملی تو انہوں نے دریا سے پار ہوتے ہی ایک بت پرست قوم کو دیکھ کر حضرت موسیٰؑ سے کہا

اجعل لنا الٰھا کما لھم اٰلھۃ [2]

اے موسیٰ ہمارے لئے بھی ایسے معبود بنا دیجئے جیسے اس قوم کے معبود ہیں۔

حضرت موسیٰؑ کو اس خواہش پر سخت رنج ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے اتنے بڑے احسان کے بعد بنی اسرائیل کی یہ تمنا اس قدر لغو تھی کہ اس پر جس قدر افسوس کیا جائے کم ہے حضرت موسیٰؑ نے افسوس کے لہجہ میں فرمایا۔

انکم قوم تجھلون۔

تم بہت ہی جاہل اور بیوقوف ہو۔

اللہ تعالیٰ نے تم پر کس قدر احسان فرمایا اور تم اس کے ساتھ شرک کرنا چاہتے ہو۔ اس سے بڑھ کر اور کیا حماقت ہوسکتی ہے۔

حضرت علی اور ایک یہودی کی گفتگو

بعض سیر کی کتب میں نظر سے گذرا ہے کہ

[1] سو تو جا اور تیرا رب اور تم دونوں لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔

[2] بنا دے ہماری عبادت کے لئے بھی ایک بت جیسے ان کے بت ہیں۔

ایک یہودی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر اعتراض کرتے ہوئے کہا تھا تمہارے پیغمبر کی وفات کو تیس سال بھی نہیں گزرے کہ تم میں تلوار چل گئی اور تم ایک دوسرے کا خون بہانے لگے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا، تم نے تو دریا سے پار ہوتے ہی جبکہ تمہارے تلوے بھی خشک نہ ہوئے تھے اپنے پیغمبر سے بت پرستی کی خواہش کی تھی۔ تمہارا کیا منہ ہے جو مسلمانوں پر اعتراض کرتے ہو۔ تمہارے پاؤں میں تو سمندر کی نمی باقی تھی اور تم نے حضرت موسیٰؑ سے کہا تھا اجعل لنا الٰھا کما لھم الھۃ۔

اسی سلسلہ میں سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کی قوم کا حال بھی یاد رکھنا چاہیے۔ ایک صاحب کے تو حواریوں نے چند پیسوں کی خاطر (تیس درہم) اپنے استاد کو گرفتار کرا دیا۔ دوسرے صاحب کے بھائیوں نے چند کھوٹے درہم کے عوض بھائی کے کوڑے کر ڈالے۔

وشروہ[لہ] بثمن بخس دراھم یوسفؑ کے بھائیوں نے یوسفؑ کو گنتی کے معدودۃ۔ چند دراہم کے بدلے فروخت کر دیا۔

سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو اپنے شاگردوں کو مطلع بھی کرتے رہے کہ تم مرغ کی اذان سے پہلے پہلے میرے ساتھ غداری اور بیوفائی کرنیوالے ہو۔ بے وفا شاگرد قسمیں کھا کھا کر یقین دلاتے رہے اور آخر وہی ہوا جو سیدنا حضرت عیسٰےؑ نے فرمایا تھا۔

ایک شبہ کا ازالہ

حضرات! میرا یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ دیگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں روحانیت نہ تھی۔ یا معاذ اللہ ان کی نبوت ناقص تھی بلکہ وہ سب کے سب نبی تھے ان سب کو روحانیت عطا کی گئی تھی۔

لہ اور بیچ آئے اس کو بھائی ناقص قیمت کو گنتی کی چونیاں۔

ؔلا نفرق بین احد من رسلہ۔ ہم رسولوں کے درمیان فرق نہیں کرتے۔
البتہ یہ ضرور ہے کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو جملہ انبیائے سابقین پر ایک خاص فضیلت حاصل ہو۔ اور اس قسم کی فضیلت کا اظہار تفریق بین الرسل کو مستلزم نہیں ہے بلکہ میرا مطلب صرف اس قدر ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تئیس سال میں جو اصلاحی کام کیا ہے وہ دوسروں سے عرصہ ہائے دراز میں بھی نہیں ہو سکا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑی سی مدت میں شیطان کو ہمیشہ کے لئے نا امید کر دیا اور فرما بھی دیا کہ حجاز مقدس میں اصنام پرستی سے شیطان نا امید ہو گیا اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ تمہارے مرتد ہونیکا خطرہ نہیں ہے، البتہ یہ اندیشہ ضرور ہے کہ میری امت دنیا کے آرام و آسائش میں مبتلا ہو جائے گی پس حضورؐ نے تھوڑی سی مدت میں جو کامیابی حاصل کی وہ انبیاء سابقین کو حاصل نہ ہوئی اور یہ آپ ہی کی خصوصیات میں سے ہے کہ آپ کی کامیاب محنت کے بعد اعلان کر دیا گیا الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا اور اس تمام نعمت اور اکمال دین ہی کا دوسرا نام ختم نبوت ہے۔ یہ بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال اور آپ کی کامیابی کا اعتراف ہے کہ آپ کی تشریف آوری کے بعد نبوت کا دروازہ بند کر دیا جائے۔ اب اگر کوئی شخص آپ کے بعد کسی نئی نبوت کا تصور کرتا ہے، خواہ وہ ظلی اور بروزی ہو یا حقیقی اور عینی ہو اس سے زیادہ کون اسلام کا دشمن اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا مخالف ہو سکتا ہے؟

لا تفضلونی علی یونس بن متی

میری اس تقریر کے بعد غالباً وہ شبہ بھی دور ہو گیا ہوگا جو عام طور سے حدیث لا تفضلونی علی یونس بن متی پر کیا جاتا ہے

ؔل کہتے ہیں کہ ہم جدا نہیں کرتے کسی کو اس کے پیغمبروں سے۔

فضیلت

جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت یونس بن متی پر مجھے فضیلت نہ دو یا ان پر میری فضیلت بیان نہ کرو جس موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ فرمائے ہیں وہ واقعہ بھی مشہور ہے، ایک یہودی اور مسلمان کے مابین جھگڑا ہو گیا تھا، مسلمان نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اپنا خیال یوں ظاہر کیا کہ آپ تمام عالم سے افضل ہیں یہودی نے کہا حضرت موسیٰ تمام عالم سے افضل ہیں۔ اس پر مسلمان کو غصہ آ گیا۔ اگرچہ حضرت موسیٰ کی افضلیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کو مستلزم نہ تھی لیکن پھر بھی ایک مخلص مسلمان سے یہ قول برداشت نہ ہو سکا اور اس نے یہودی کے منہ پر ایک طمانچہ رسید کر دیا۔ آجکل مسلمانوں میں وہ صحیح جذبہ کہاں ہے، اب تو ہم اتنے بے غیرت ہو گئے ہیں، اور میاں بے غیرت کیا ایمان کی قوت اور اس کی روشنی ہی کم ہو گئی۔

حیا اور ایمان کا تعلق

ایمان اور غیرت تو ایک ہی چیز ہے۔ ایمان اور حیا دونوں توام ہیں، جو بے حیا ہوگا وہ بے ایمان ہوگا۔ اسی لئے حضور نے ایمان کے درجات کا ذکر کرتے ہوئے حیا کا خاص طور پر ذکر فرمایا ہے۔ الایمان بضع وسبعون شعبة افضلها قول لا اله الا الله وادناها اماطة الاذی عن الطریق۔ والحیاء شعبة من الایمان۔

سبحان اللہ کیا خوب تشبیہ ہے۔ ایمان بمنزلہ ایک درخت کے سمجھئے اور ایمان جن خصائل حمیدہ کا نام ہے ان کو شاخیں سمجھئے۔ ان شاخوں میں سب سے اونچی اور پھلنگ کی شاخ تو لا الہ الا اللہ کا اعلان ہے اور سب سے قریب ترین شاخ اس درخت کی یہ ہے کہ راہ میں سے تکلیف کی چیز کو ہٹا دیا جائے قریب ترین کے یہ معنی کہ آسانی سے ہاتھ میں آجاتی ہے یا یہ مطلب ہے کہ اس شاخ کے ذریعہ مقصد کو حاصل کر لینا سہل ہے۔

اماطة الاذی کے معنی

راستہ میں سے تکلیف کی چیز کو ہٹا دینا

اس کے معنی بظاہر تو یہی ہیں کہ سڑک پر یا گلی میں کوئی پتھر پڑا ہو یا کانٹا ہو یا کانٹے دار درخت ہو اس کو صاف کر دیا جائے تاکہ آنے جانے والوں کو تکلیف نہ پہنچے لیکن اس اماطۃ الاذیٰ کے ایک اور معنی بھی ہیں اور وہ یہ ہیں کہ طریق سے مراد وصول الی اللہ کی راہ ہو اور اس راستے کی سب سے بڑی تکلیف دہ چیز اپنے وجود اور عارضی ہستی کو سمجھا جائے۔ اور حدیث کا مطلب یہ ہو کہ اپنی اس عارضی زندگی اور اپنی اس ناپائیدار ہستی کو مٹا دیا جائے اور وصول الی الحق کی راہ سے اس روڑے کو جلد از جلد ہٹا دیا جائے کیونکہ یہ زندگی ایک مستقل حجاب اور اٹکاؤ ہے جو لقاء الٰہی اور وصول الی الحق سے مانع ہے۔ یہ معنی اگرچہ حضرات صوفیا سے منقول ہیں لیکن سچ تو یہ ہے کہ خوب معنی ہیں اس معنی کو موتوا قبل ان تموتوا کی روشنی میں دیکھئے اور بل احیاء عند ربہم کی عینک سے ملاحظہ کیجئے تو آپ کو معلوم ہو کہ اس معنی میں کس قدر حقائق مضمر ہیں اور جب لا الٰہ الا اللہ کے معنی لا موجود الا اللہ کئے جائیں تو پھر اماطۃ الاذیٰ عن الطریق کے معنے سوائے اس کے کیا ہو سکتے ہیں کہ اپنی ہستی کو مٹا کر اس راہ کو صاف کیا جائے جس راہ کا منتہا مقصود حقیقی سے ملا ہوا ہے اور اس راہ کا نام صراط مستقیم ہے و ما من دابۃ میں کیا خوب فرمایا ہے۔

ان ربی علی صراط مستقیم   بیشک میرا پروردگار سیدھی راہ پر ہے۔

اسی صراط مستقیم کے آخری کونے اور منتہی پر اپنا پتہ بتایا ہے وان الی ربک المنتہی۔ صراط مستقیم کی آخری منزل اور صراط مستقیم کا منتہا محبوب حقیقی کی فرودگاہ ہے۔

شاہ عبد القادر صاحب کا منہیہ

حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے منہیہ میں فرماتے ہیں

یعنی جو سیدھی راہ چلے وہ اس سے ملے۔ دیکھا چار پانچ الفاظ ہیں کیا کہہ گئے خدا ان کی قبر میں نور بھر دے اسے علم کہتے ہیں۔ اس سنئے میں کہا کرتا ہوں کہ شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ اور منہیہ دونوں الہامی ہیں۔ بہرحال حدیث میں دونوں مرتبوں کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ حیا ایمان کا ایک بہت بڑا شعبہ ہے۔ شعبۃ کی تنوین تعظیم کی ہے۔ اب تو آپ کو معلوم ہوا حیا اور غیرت و شرم کا تعلق ایمان سے کتنا گہرا اور قریب ہے۔ میں عرض کر رہا تھا آجکل کے مسلمان تو بے حیا ہو گئے ہیں لیکن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا جذبہ ایمان اور انکی حیا اور غیرت اس کو کہاں برداشت کر سکتی تھی کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی دوسرے کو افضل یا برتر سن سکیں۔

توہین انبیاء کے مجرم

آجکل تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلی ہوئی توہین کا لوگ ارتکاب کرتے ہیں اور مسلمان اس کو برداشت کر لیتے ہیں۔ اور اگر کوئی مسلمان جذبہ صادق کے ماتحت اپنے آقا و مولیٰ کی عزت اور حفاظت کیلئے آمادہ ہو کر اپنی جان پر کھیل جاتا ہے تو لوگ اس کو مذہبی دیوانہ اور مذہبی مجنون کہتے ہیں۔ بلکہ بعض موقع پر تو ایسے جاں باز بہادروں پر ملامت بھی کی گئی ہے اور ان پر یہ الزام رکھا گیا ہے کہ ان دیوانوں نے قانون اپنے ہاتھ میں لے لیا، گویا قانون کو ہاتھ میں لے لینا ایسا بڑا جرم ہے کہ اس کے مقابلے میں خاتم المرسلین کی توہین بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ اللہ اللہ اس دور کی بھی کیا تہذیب ہے۔ ملکی انارکسٹ اور وطن کے جذبہ میں بے گناہوں کو قتل کر دینے والے تو قابل ستائش اور مستحق ہمدردی سمجھے جائیں۔ انکو بچانے کیلئے صدہا تدابیر اختیار کی جائیں لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آبرو پر قربان ہونے والوں کو دیوانہ اور مذہبی مجنون کہہ کر قابل مذمت و نفرت سمجھا جائے

عشق مولا کے کم از لیلےٰ بود

بہرحال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو جب اس مسلمان اور یہودی کا معاملہ پیش ہوا تو آپ نے فرمایا مجھے حضرت یونس پر بھی فضیلت نہ دیا کرو۔ اس حدیث کا مطلب وہی ہے جو ابھی آپ سے میں نے عرض کیا کہ ایسی فضیلت جس سے دوسرے انبیاء کی توہین لازم آتی ہو نہ بیان کیا کرو۔ جیسے آجکل بعض جہال اور قصہ گو واعظ کیا کرتے ہیں میں نے جو آپ سے دیگر انبیاء کی روحانیت کے سلسلے میں عرض کیا تھا۔ اور حضرت نوح اور سیدنا موسیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ کیا تھا تو اس کا مطلب معاذ اللہ ان انبیاء کی توہین و تنقیص نہ تھی بلکہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت جو دیگر انبیاء کی توہین کو مستلزم نہ ہو۔ بیان کرنے میں مضائقہ بھی نہیں۔

انبیاء میں تفاوت

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے درجات میں تفاوت ہونا تو مسلمہ امر ہے تیسرے پارے کی ابتدا میں ارشاد ہوتا ہے

تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض۔ — یہ رسولوں کا گروہ ہے ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

جس طرح بعض کو بعض پر فضیلت ہے اسی طرح سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سب پر فضیلت حاصل ہے خود حدیث لا تفضلوانی میں بھی ایک عمیق اشارہ موجود ہے میں آپ سے ہی دریافت کرتا ہوں۔ جھگڑا تو یہودی اور مسلمان کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ کے متعلق تھا، لیکن سرکار نے حضرت موسیٰ کی تعریف و توصیف کرنے کے بعد یوں کیوں فرمایا کہ مجھے حضرت یونس پر فضیلت نہ دیا کرو۔ گویا مطلب یہ ہوا حضرت موسیٰ تو اولوالعزم اور صاحب شریعت حضرات میں سے ہیں، مجھے تو حضرت یونس بن متیٰ پر بھی فضیلت مت دیا کرو جو حضرت موسیٰ سے مرتبہ میں کم ہیں۔ حضرت موسیٰ کیساتھ حضرت یونس کا نام لینا ہی اس امر پر مشعر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے درجات میں تفاوت تسلیم کیا گیا

یہ تفاوت ایک دوسرے کی تنقیص کو مستلزم نہیں ہے۔

حضرت امام الحرمین کا واقعہ

اس سلسلہ میں حضرت امام الحرمین کا واقعہ مجھے یاد آگیا، ان کی مجلس میں ایک دفعہ ایک شخص نے دریافت کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی مکان ہے یا نہیں؟ وہ محدود ہے یا غیر محدود کسی مکان کے ساتھ اس کو مختص کر سکتے ہیں یا نہیں؟ حضرت امام الحرمین نے جواب دیا کہ وہ مکین نہیں ہے اور اس کو کسی مکان کیساتھ مختص یا کسی مکان میں محدود نہیں کر سکتے۔ سائل نے دلیل دریافت کی تو فرمایا لا تفضلوانی علیٰ یونس بن متی سائل کو حیرت ہوئی کہ اس حدیث میں نہ مکان کا ذکر ہے نہ خدا کا اس حدیث سے اللہ تعالیٰ کی لامکانیت پر کس طرح استدلال ہو سکتا ہے حضرت امام الحرمین نے فرمایا کہ آج ہماری مجلس میں بعض ایسے حضرات موجود ہیں جو مقروض ہیں۔ اگر کوئی صاحب دس ہزار درہم انکی جانب سے قرض کے ادا کر دیں تو ہم اس سوال کا جواب دیدینگے۔ چنانچہ ایک صاحب جو علم کے قدر دان تھے اُنہوں نے قرض اپنے ذمہ لے لیا اور حضرت امام الحرمین نے اسی حدیث سے یہ ثابت کیا کہ اللہ تعالیٰ کسی خاص مکان یا کسی خاص جگہ کیساتھ مختص نہیں ہے۔

حدیث سے استدلال

حضرت امام الحرمین نے جو کچھ فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث میں حضرت یونس کا نام اس لئے لیا گیا ہے کہ حضرت یونس کی طرف عام طور سے ذہن منتقل ہو سکتا ہے اور یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ ان کا مرتبہ یقیناً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کم ہوگا کیونکہ حضرت یونس ان حضرات میں سے ہیں جنکو شرف تکلم یا شرف معراج مچھلی کے پیٹ میں حاصل ہوا ہے حضرت یونس کا نام ہی ذوالنون رکھدیا گیا ہے۔ قرآن میں انکو ذوالنون فرمایا ہے وذاالنون[لہ]

لہ اور مچھلی والے کو جب چلا گیا غصہ ہو کر پھر سمجھا کہ ہم نہ پکڑیں گے اس کو پھر پکارا ان اندھیروں میں کہ کوئی حاکم نہیں سوائے تیرے تو بے عیب ہے میں تھا گنہگاروں سے۔

اذذھب مغاضبا فظن ان لن نقدر علیہ فنادی فی الظلمت ان لا الٰہ الا انت سبحٰنک انی کنت من الظلمین ۔ حضرت ذوالنون یعنی حضرت یونس کو جب یہ محسوس ہوا کہ شاید ان کی مقرر کردہ تاریخ پر عذاب نہ آیگا تو وہ پریشانی کی حالت میں نکلے اور ان کو یہ خیال اور وہم ہوا کہ اللہ تعالےٰ ان سے کوئی بازپرس نہ کریگا اور انپر کسی قسم کی تنگی نہ کیجائے گی اور ان سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا اس خیال کی بنا پر نکل کر چلے گئے لیکن وہاں مواخذہ ہوگیا ۔ اور مجبوراً سمندر میں پھینکے گئے اور مچھلی نے انکو لقمہ کرلیا ۔ فالتقمہ الحوت وھو ملیم مچھلی نے حضرت یونس کو نگل لیا اور حضرت یونس سخت رنجیدہ تھے مچھلی اپنے پیٹ میں اس امانت الٰہی کو لیکر سمندر کی تہ میں جا پہنچی حضرت یونس سخت تکلیف اور مصیبت میں تھے ۔ انہوں نے سمندر کی تاریکیوں میں حضرت حق کو پکارا اور حضرت حق کی ذات ہی ہر نا امید کی آرزو اور ہر مایوس کا آخری سہارا ہے اسکو پکارا اور لا الٰہ الا انت کہہ کر پکارا حضرت یونس کی یہ پکار جو مچھلی کے پیٹ اور سمندروں کی تہ میں تھی گویا تاریکی در تاریکی سمندر کا عمق اور مچھلی کا پیٹ ذرا تصور کیجئے ظلمت بعضھا فوق بعض ان تاریکیوں میں پکارا یہ پکارنا ان کے حق میں مفید ہوا بعض تفسیروں میں میری نظر سے گزرا کہ جب حضرت یونس سمندر کی تہ میں پہنچے تو ان کو محسوس ہوا کہ سمندر کی تہ میں کوئی چیز حضرت حق کی پاکی بیان کررہی ہے انکو تعجب ہوا کہ یہاں کون تسبیح کررہا ہے لیکن معلوم ہوا کہ جو کنکریاں تہ میں پڑی ہوئی ہیں وہ خداتعالیٰ کی پاکی بیان کررہی ہیں اسی وقت ان کو احساس ہوا اور اللہ تعالےٰ کو پکارا ان کی پکار سنی گئی ۔

ذکر الٰہی موجب نجات ہے

حضرت حق نے والصّٰفّٰت میں فرمایا ہے
فلولا انہ کان من المسبحین للبث فی بطنہٖ

لہ پھر لقمہ کیا اس کو مچھلی نے اور وہ الزام کھایا ہوا تھا ۔

لہ پھر اگر نہ ہوتی یہ بات کہ وہ یاد کرتا تھا پاک ذات کو تو رہتا اسی کے پیٹ میں جس دن تک کہ مردے زندہ ہوں ۔

الی یوم یبعثون ۔ یعنے اگر حضرت یونس خدا تعالیٰ کی تسبیح نہ کرتے تو وہ قیامت تک مچھلی کے پیٹ ہی میں مقید رہتے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کی تسبیح اس کا ذکر پریشانیوں اور مصائب کو دور کر دیتا ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کوئی بندہ پریشانی اور مصیبت میں مبتلا ہو تو اس کو چاہیئے اللہ اللہ ربی لا اشرك بك شيئا کہا کرے اللہ تعالیٰ اس کی مصیبت دفع کر دیگا۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے بخاری میں مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کرب اور بے چینی کی حالت میں فرمایا کرتے تھے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَلِيْمُ الْحَلِيْمُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ۔ جب حضرت یونس یا صاحب حوت نے خدا تعالیٰ کو پکارا تو انکی پکار سن لی گئی۔ اور مچھلی کے پیٹ سے انکو نکال دیا گیا سورہ نون میں ارشاد ہوتا ہے۔

فاصبر لحکم ربك ولا تكن	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں
کصاحب الحوت اذ نادی	آپ صبر کیجئے اور صاحب حوت کی طرح بے صبری اور
وهو مكظوم لولا ان تدارکہ	گھبراہٹ کا اظہار نہ کیجئے۔ جب اس نے ہم کو پکارا تو وہ
نعمة من ربه لنبذ بالعراء و	نہایت غمگین تھا اگر حضرت حق کا احسان اسکی دستگیری نہ کرتا
هو مذموم۔ فاجتبه ربه	تو خدا جانے وہ کس میدان میں پھینک دیا جاتا لیکن حضرت
فجعله من الصلحين ۔	حق نے اسکو برگزیدہ کیا اور اس کو صالحین میں سے کر دیا۔

حضرت یونس کو صرف مچھلی کی مناسبت سے ذوالنون اور صاحب الحوت فرمایا حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا لقب بھی ذوالنون مچھلیاں پکڑنے کی وجہ سے مشہور ہو گیا اس قسم کی مناسبت

ط اب تو استقلال سے راہ دیکھتا رہ اپنے رب کے حکم کی اور مت ہو جیسا وہ مچھلی والا جب پکارا اُس نے اور وہ غصہ میں بھرا تھا۔ اگر نہ سنبھالتا اسکو احسان تیرے رب کا تو پھینکا گیا ہی تھا چٹیل میدان میں الزام کھا کر پھر نوازا اسکو اس کے رب نے پھر کر دیا اس کو نیکوں میں۔

سے القاب متعین ہو جایا کرتے ہیں۔

حضرت ذوالنون مصری کا واقعہ

مجھے حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ یاد آگیا۔ ایک دفعہ حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ مچھلیاں پکڑ رہے تھے اور مچھلیاں پکڑ پکڑ کے اپنی لڑکی کو دیتے جاتے تھے لڑکی ان مچھلیوں کو دریا میں چھوڑتی جاتی تھی تھوڑی دیر کے بعد حضرت ذوالنون نے لڑکی سے دریافت کیا کہ مچھلیاں کہاں ہیں اس نے کہا میں نے تو دریا میں چھوڑ دیں باپ نے حیرت سے دریافت کیا کہ ایسا کیوں کیا اس نے کہا میں نے آپ سے سنا ہے کہ جب جانور خدا کی یاد سے غافل ہوتے ہیں تو شکار ہو جاتے ہیں اس لئے جو مچھلیاں آپکے جال میں پھنس رہی تھیں وہ وہی مچھلیاں تھیں جو خدا کی یاد سے غافل تھیں۔ مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں ان غافل اور منغفل مچھلیوں کو کھا کر ہم بھی خدا کی یاد سے غافل نہ ہو جائیں۔

حضرت یونس کی معراج

بہر حال حضرت یونس علیہ السلام سے جو مکالمہ یا گفتگو ہوئی وہ سمندر کی تہ میں ہوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ شرف اور درجہ عرش الٰہی پر حاصل ہوا۔ اور آپ سے عرش پر گفتگو ہوئی فاوحی الی عبدہ ما اوحی عرش اور فرش میں چونکہ زمین آسمان کا فرق ہے اسلئے خیال ہوتا ہے کہ سمندر کی تہ میں کلام کرنا اور عرش پر کلام ان دونوں مکانوں میں جو فرق ہے وہی حضرت یونس اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین فرق ہو جس کو عرش پر معراج ہو اس کا مرتبہ یقیناً اس سے زیادہ ہوگا جسکو سمندروں کی تہ میں عزت عطا کیجائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے عرش اور فرش کے فرق کی بنا پر حضرت یونس پر فضیلت نہ دو کیونکہ اللہ تعالے جس طرح میری آواز عرش پر سنتا تھا اسی طرح میرے بھائی یونس کی تحت الثریٰ میں سنتا تھا۔ خدا تعالیٰ کے علم اور سمع کے اعتبار

عرش اور فرش دونوں برابر ہیں اس کے لئے کوئی مکان خاص نہیں ہو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا مکان عرش پر ہے فرش پر نہیں ہو۔ یا وہ عرش کیا تھ مختص ہو فرش کیا تھ نہیں۔ یا وہ فرش پر موجود ہے عرش پر نہیں بلکہ وہ ہر جگہ ہے اور ہر ایک کی سنتا ہے

وھو الذی فی السماء الٰہ و فی الارض الٰہ۔[1] آسمانوں میں بھی وہی معبود ہے اور زمین میں بھی وہی معبود ہے۔

اس لئے میرا عرش پر جانا اور حضرت یونس کا مچھلی کے پیٹ میں کلام کرنا مخاطب کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں رکھتا۔ اور جب مخاطب اور منادی کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہو تو یہ وجہ لائق فضیلت بھی نہیں ہے۔ حضرت امام الحرمین نے جو بات اس حدیث سے اخذ کی وہ یقیناً اچھوتی ہو اگرچہ محل نظر ہے۔ بہر حال حضرت یونس کا نام لینا ہی اس امر پر مشعر ہے کہ انبیا علیہم السلام میں باہمی تفاوت ہے اور اس تفاوت کے اظہار میں مضائقہ بھی نہیں بشرطیکہ اس طرح اس کا اظہار نہ کیا جائے جس سے کسی دوسرے پیغمبر کی توہین لازم آتی ہو جیسے آجکل کے قصاص بیان کیا کرتے ہیں اور اگر کسی نبی میں کوئی بات قابل ترجیح معلوم ہوتی ہے تو اس میں رکیک تاویلیں کیا کرتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تعلیم

میں نے جو کچھ عرض کیا تھا وہ روحانیت کے سلسلے میں عرض کیا تھا۔ اس سے معاذ اللہ کسی نبی کی تنقیص مقصود نہ تھی واقعہ یہ ہو کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت دیگر تمام انبیاء کرام کی روحانیت کے مقابلہ میں اقوی اور محکم تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو ۲۳ سال میں جو کامیابی ہوئی وہ دیگر حضرات کو عرصہ دراز میں بھی نہیں ہوئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کی ہدایت کا جو طریقہ اختیار کیا وہ حیرت انگیز ہے۔ ایسی جاہل قوم کی نبض کو اس ہوشیاری سے دیکھا کہ فن حکمت کا

[1] اور وہی ہے جس کی بندگی ہے آسمان میں اور جس کی بندگی ہے زمین میں۔

کمال ظاہر ہو گیا۔ اسی کو جناب باری نے فرمایا ہے ویعلمھم الکتب والحکمۃ ذات صفات کے عمیق سے عمیق مسائل اور شریعت اسلامیہ کی باریکیاں عالم برزخ کے غوامض سرکار نے اس قوم کو اس طرح سمجھائے کہ اس کے ذہن نشین ہو گئے جو تعلیم کا طریقہ سرکار نے اختیار کیا وہ آپ ہی کا حصہ تھا چھوٹی چھوٹی مثالیں دیکر ایسے اہم مسائل کو ذہن نشین کرایا کہ عرب کے بدو آسمان پر اڑنے لگے۔ وہ مشرک جنکی گھٹی میں شرک پڑا ہوا تھا موحد ہو گئے اور بت پرست خدا پرست بن گئے۔ خدا کی خدائی سے ناآشنا ذات وصفات سے واقف ہو گئے عالم برزخ کے منکر حشر ونشر اور جنت ودوزخ کے قائل ہو گئے ملت ابراہیمی کو فراموش کر دینے والوں نے ملت ابراہیمی کو دوبارہ زندہ کیا اور خانہ کعبہ جو ان بدؤں کے ہاتھوں بتوں کی جلوہ گاہ بنا ہوا تھا از سر نو خدائے وحدہٗ لاشریک کا گھر بنا دیا گیا میں آپکے سامنے چند مثالیں عرض کر کے اپنی تقریر کو ختم کر دونگا ان مثالوں سے آپکو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ تعلیم کا علم ہو جائیگا مستقبل کی تاریخ پھر کسی موقع پر عرض کرونگا۔ ان چند امثال سے آپکو معلوم ہو جائیگا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس محنت اور جانفشانی سے اس کندۂ ناتراش قوم کو جو دنیا کی پست ترین قوم کہلاتی تھی آسمان عزت ورفعت کا تارا بلکہ چاند وسورج بنایا یہ حضور ہی کا کام تھا جو کسی دوسرے انسان سے نہیں ہو سکتا تھا اور اسی کو ہماری اصطلاح میں معجزہ کہتے ہیں۔ میں پھر عرض کرتا ہوں کہ عرب کی جاہل قوم کا تصور کیجیے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امثال پر غور کیجیے کہ کیسے کیسے مشکل مسائل کو آسان بنا کر سمجھایا جا رہا ہے۔ اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد۔

تمثیلات

تمدن وتہذیب سے ناآشنا قوم کو ذات وصفات کے اہم مسائل سے خبردار کرنے کی غرض سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے علاوہ اپنی روحانی اثر کے عام طریقہ سے مثالوں کا استعمال کیا اور چھوٹی چھوٹی روزمرہ کی تمثیلات بیان فرماکر بڑے بڑے باریک مسائل کو ذہن نشین کرا دیا۔ سرکار دو عالم نے تعلیم کا یہ بہترین طریقہ

اختیار کیا اور ان کی ذہنیت کا اندازہ لگا کر اس خوبی کیساتھ مثالیں بیان فرمائیں کہ ذات وصفات کے عمیق مسائل بھی ان کیلئے آسان ہوگئے ہیں آپکے سامنے چند امثلہ ذکر کرتا ہوں جس سے آپکو معلوم ہو جائیگا کہ ان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اعجاز کس طرح ظاہر ہوتا ہے۔ ان امثلہ میں کہیں سوال ہے اور سوال کے جواب میں مثال کے طور پر مسئلہ کو حل کیا ہے اور کہیں ابتدا سے مثال دیکر اصل مقصد کو ظاہر کیا ہے۔

نماز کی مثال

اگر کسی شخص کے مکان کے قریب ایک پانی کی نہر بہتی ہو اور وہ اسمیں پانچ وقت غسل کرتا ہو تو کیا اسکے بدن پر میل باقی رہیگا حاضرین نے جوابدیا یا رسول اللہ پانچ وقت غسل کرنیوالے پر کس طرح میل باقی رہ سکتا ہے؟ فرمایا جس طرح پانچ وقت غسل کرنیوالے پر میل باقی نہیں رہتا اسی طرح پانچ وقت نماز پڑھنے والے کے ذمہ کوئی گناہ باقی نہیں رہتا۔

حج کی مثال

ایک دفعہ درخت کی ایک شاخ جسمیں چند خشک پتے لگے ہوئے تھے ہاتھ میں لیکر ہلائی چونکہ پتے خشک تھے اسلیے وہ سب جھڑ گئے فرمایا اس ٹہنی میں کوئی پتا باقی ہے؟ مخاطبین نے عرض کیا یا رسول اللہ کوئی پتا باقی نہیں ہے۔ فرمایا جس طرح اس خشک ٹہنی کے تمام پتے جھڑ گئے اسی طرح حج کرنے سے تمام گناہ جھڑ جاتے ہیں۔

حسد وحرص کی مثال

اگر دو بھوکے بھیڑیئے بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیئے جائیں تو وہ بکریوں کو کس قدر نقصان پہنچائیں گے؟ حاضرین نے عرض کیا یا رسول اللہ دو بھوکے بھیڑیئے اگر بکریوں کے ریوڑ میں گھس جائیں تو تمام بکریوں کو تباہ کر ڈالیں اور ان کو پھاڑ پھاڑ کر ٹکڑے کر دیں۔ فرمایا جس طرح دو بھوکے بھیڑیئے بکریوں کو تباہ کر دیتے ہیں اسی طرح حسد حرص ایک انسان کی نیکیوں کو تباہ و برباد کر ڈالتے ہیں۔

حسد کی مثال

حسد انسان کی نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ خشک لکڑیوں کو جلا کر خاک کر دیتی ہے۔ الحسد یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب۔

اچھی بری صحبت کی مثال

اچھے آدمی کے پاس بیٹھنے اٹھنے کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی عطر فروش کے پاس بیٹھ جائے۔ اگر اس سے عطر نہ لیگا تو دماغ کو خوشبو کا فائدہ تو پہنچ ہی جائیگا بُرے آدمی کے پاس بیٹھنے کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی لوہار کی بھٹی کے پاس بیٹھ گیا۔ اگر کوئی زیادہ نقصان نہ پہنچے گا تو کم از کم کپڑے ہی سیاہ ہو جائیں گے یا بھٹی کے پتنگوں سے کپڑوں میں سوراخ ہو جائیں گے۔ دیکھا آپ نے باہمی شرکت کے کتنے بڑے مسئلہ کو چند الفاظ میں سمجھایا ہے۔ بھلے آدمی کے پاس بیٹھنے میں فائدہ ہی فائدہ ہے اور بُرے آدمی کی صحبت میں نقصان ہی نقصان ہے۔ کم سے کم فائدے اور کم سے کم نقصان کیطرف اشارہ فرما دیا۔ اسی کو عارف رومی نے کہا ہے۔

صحبت صالح ترا صالح کند　　　صحبت طالح ترا طالح کند

نیک بندوں کی صحبت کے اثرات کا صاحب کیا کہنا ہے۔ افسوس یہ ہے کہ آجکل تو وہ برگزیدہ بندے قبروں میں جا سوئے جنکی صحبت یک ساعت انسان کو مرد کامل بنا دیا کرتی تھی صحبت اور ہم نشینی تو بڑی چیز ہے میں تو عرض کرتا ہوں صرف زیارت ہی نیک بندوں کی مراتب علیا کی ضامن ہوا کرتی ہے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت بایزید بسطامی رح کا ایک واقعہ حضرت مولانا جامی نے نقل کیا ہے ایک دفعہ عراق میں قحط پڑا لوگ بارش کیلئے سخت بےچین تھے آخر مسلمان جنگل میں دعا کیلئے گئے۔ تین دن تک روز

دُعا کرتے اور محروم چلے آتے۔ تیسرے دن بعض یہودیوں نے طنز بھی کیا کہ تم لوگ خدا کے سامنے دُعائیں کرتے ہو اور تمہاری دُعائیں خدا نہیں سنتا۔ اتفاق کی بات ہے کہ جب تیسرے دن مسلمان جنگل سے مایوسانہ واپس آرہے تھے تو ایک شخص نے ان سے دریافت کیا آپ لوگ کہاں سے آتے ہیں؟ مسلمانوں نے کہا کمبخت تجھکو معلوم نہیں تو کیسا مسلمان ہے؟ دنیا قحط سے تباہ ہو رہی ہے ہم لوگ استسقا کیلئے تین دن سے جارہے ہیں لیکن روز محروم واپس آتے ہیں۔ تجھ کو یہ بھی خبر نہیں کہ ہو کیا رہا ہے؟ اس نے کہا آؤ میرے ساتھ آؤ میں دُعا کروں۔ چنانچہ تمام مسلمان اس کے ساتھ ہوگئے وہ جنگل میں گیا اور اس نے ہاتھ اُٹھا کر کہا یا اللہ تجھ کو اس معاملہ کا واسطہ دیتا ہوں جو میری آنکھوں سے تعلق رکھتا ہے۔ اے خدا اپنی مخلوق کو سیراب کردے اس دُعا کے بعد پانی برس گیا۔ لوگوں کو سخت تعجب ہوا کہ یہ شخص کوئی متقی اور پرہیزگار نہیں ہے ایک ناقص مسلمان ہے لیکن اسکی دُعا میں یہ اثر کہاں سے آگیا اور وہ آنکھوں والا معاملہ کیا ہے چنانچہ لوگوں نے اس سے اصرار کیا تو اس نے انکو بتایا کہ ایک دن میں شراب خانے میں بیٹھا ہوا تھا اور اپنے بیہودہ شغل میں مصروف تھا یکایک میں نے سامنے سے ایک انبوہ کثیر کو گزرتے ہوئے دیکھا میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ بھیڑ کیسی ہے، اُنھوں نے کہا بایزید بسطامی تشریف لارہے ہیں۔ لوگ انکے استقبال کو نکلے ہیں میں نے بایزید بسطامی کا نام سُنکر اپنی گردن کو موڑ کر دیکھا تو میری نظر ان پر پڑ گئی اور میں نے دُور سے دیکھا کہ کوئی بزرگ آدمی ہیں جنکے ہمراہ ہزارہا انسان جارہے ہیں میں نے بھی ان کو ایک نظر دیکھ لیا جس دن سے میں نے انکو دیکھا ہے اس دن سے میری تو یہ حالت ہے کہ جب کوئی معاملہ پیش آتا ہے تو میں آنکھوں والے واقعہ کا تذکرہ کرکے دُعا مانگتا ہوں، اور خدا تعالے میری دُعا قبول فرمالیتا ہے۔ اس وقت بھی میں نے اسی واقعہ کا حوالہ دیکر دعا کی تھی اللہ تعالے نے اپنے بندوں کو سیراب کردیا۔

حضرات اللہ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں کہ ان کی رویت اور ان کی زیارت موجب برکات ہوا کرتی ہے اور ان کی یک روزہ صحبت سالہا سال کی عبادت کے برابر ہوجایا کرتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مثال میں جن امور کیطرف اشارہ کیا ہے ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

مسرت حق کی مثال

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ذات سے بالکل ہی ناآشنا ہوں انکو یہ سمجھانا کہ اللہ تعالیٰ ایک مجرم اور گنہگار کی توبہ پر کس قدر خوش ہوتا ہے یہ ایک ایسا مشکل مسئلہ تھا کہ مکہ معظمہ کے نومسلموں کو اس کا سمجھانا آسان نہ تھا۔ یہ امر کہ جب کوئی مجرم اپنے جرائم سے تائب ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے اور اس کو اپنے بندے کا اعتراف جرم کے بعد توبہ کرنا بھلا معلوم ہوتا ہے۔ سمجھا دینا تو کچھ زیادہ مشکل نہ تھا لیکن حضرت حق کی مسرت اور خوشنودی کا کسی مثال سے تصور کرا دینا اور ایک غیر محسوس بلکہ غیر مدرک چیز کو مثال دیکر ذہن نشین کرانا ایک معجزہ ہے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اجی خوش ہونیکو کم و بیش سب ہی جانتے ہیں۔ جس بدنصیب کو کبھی تمام عمر میں خوش ہونیکا موقع نہ ملا ہو وہ بھی خوشی کا مفہوم سمجھتا ہے۔ خوشی اور غم ایسی دو مشترک چیزیں ہیں کہ اس آسمان کے نیچے رہنے والوں کی زندگی اس سے خالی نہیں ہے۔ اور میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ دنیا کی زندگی نام ہی ہے شادی اور غم کے مجموعہ کا۔ دنیا کی زندگی کیلئے خوشی اور غم، راحت اور مصیبت دکھ اور سکھ کے مجموعہ کو زندگی کہتے ہیں ایسا کون شخص ہے جو عناصر اربعہ کے جیل خانہ میں مقید رہا ہو اور اس نے راحت و غم سے کبھی ملاقات نہ کی ہو۔ جو اس زندگی کو قید سمجھتے ہیں ان کے لئے تو یہ دکھ اور درد ہی کی جگہ ہے لیکن جنکو یہ قید خانہ جنت معلوم ہوتا ہے یا جو اس کو جنت سمجھتے ہیں ان کو بھی کبھی نہ کبھی مصائب و آلام سے دوچار ہونا ہی پڑتا ہے۔

الدنیا سجن المومن وجنت الکافر میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ دنیا کی زندگی کافر کے لئے ایک باغ ہے اور اس کو اس زندگی سے بڑی دلچسپی ہے۔ لیکن کیا اس سے انکار ہو سکتا ہے کہ کافر کو اس باغ میں کبھی دکھ نہیں پہونچتا۔ صاحبو! اس زندگی کی بوالعجبیاں آپ کو کیا بتاؤں جو لوگ آٹھوں پہر ہنستے رہتے تھے اور جن کی ہر وقت باچھیں کھلی رہتی تھیں اور جو کبھی رونے کا نام ہی نہیں جانتے تھے میں نے انکو زار زار اور چیخیں مار مار کر روتے دیکھا ہے۔ اور جن کی آنکھ کا آنسو نہیں رکتا تھا اور جو ہمیشہ روتے ہی رہا کرتے تھے ان کو میں نے کھل کھلا کر ہنستے اور ٹھٹے مارتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس زندگی کی بے ثباتی کی بھی کچھ عجیب دردانگیز داستان ہے۔ مرزا صاحب نے ایک شعر میں ان دونوں حالتوں کا خوب نقشہ کھینچا ہے۔

خدا دیتا ہے جن کو عیش ان کو غم بھی ہوتے ہیں
جہاں بجتے ہیں نقارے وہاں ماتم بھی ہوتے ہیں

ان ہی دو حالتوں کو حضرت حق نے صبر و شکر یا انعام و اعراض سے یا لفظ ضر اور خیر سے تعبیر کیا ہے۔ سورۂ یونس کے آخر میں فرماتے ہیں۔

انؕ یمسسك الله بضر فلا کاشف له الا هو وان یردك بخیر فلا راد لفضله۔ اے پیغمبر اگر اللہ تعالیٰ آپکو کبھی تکلیف پہونچانا چاہیں تو ان کی بھیجی ہوئی مصیبت کو بجز انکے کون رفع کر سکتا ہے۔ اور اگر وہ کبھی آپکو نفع اور خیر پہنچانا چاہیں تو انکے فضل کو کون روک سکتا ہے؟

بہر حال میری گذارش یہ ہے کہ دکھ درد اور راحت و آرام سے کون واقف نہیں ہے

۱؎ اگر پہنچا دیوے تجھ کو اللہ کچھ تکلیف تو کوئی نہیں اس کو ہٹانیوالا اس کے سوا اور اگر پہنچانا چاہے تجھ کو کچھ بھلائی تو کوئی پھیرنے والا نہیں اس کے فضل کو۔

ایک شبہ کا ازالہ

بعض حضرات الدنیا سجن المؤمن وجنت الکافر پر یہ شبہ کیا کرتے ہیں کہ کافر کو دنیا میں کیوں تکلیف ہوتی ہے بعض مسلمانوں کو ہم عیش میں دیکھتے ہیں اور بعض کافروں کو دکھ میں مبتلا پاتے ہیں تو یہ شبہ ہوتا ہے کہ جیل خانہ میں عیش کیسا اور باغ میں دکھ کیسا۔ اس شبہ کا ایک جواب تو وہی ہے جو سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیطرف منسوب ہے اور وہ بہترین جواب ہے دکھ اور سکھ کا اعتبار عالم آخرت پر کرنا چاہیئے ۔مسلمان کو کتنا ہی عیش کیوں نہ حاصل ہو جائے لیکن اخروی عیش کے مقابلہ میں وہ عیش کوئی حیثیت نہیں رکھتا اسی طرح کافر کو کتنی ہی تکلیف کیوں نہ ہو لیکن دوزخ اور اس کے عذاب کے مقابلے میں وہ عیش ہی ہے۔ سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا یہ جواب بالکل صاف ہے اور اسکے بعد حدیث کے معنی پر کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔

حدیث شریف کے دوسرے معنی

حدیث مذکور کے عام طور سے تو معنی یہی کئے جاتے ہیں کہ دنیا مومن کیلئے قیدخانہ اور کافر کیلئے جنت ہے اور اس کا مطلب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس عالم میں مومن کیلئے تکالیف اور مصائب ہیں اور اس دنیا میں کافروں کیلئے راحت وعیش ہے۔ یہ ممکن ہے کہ اس حدیث کے یہی معنی ہوں اور کثرت وقلت کے باعث مصائب کا ایک جانب اور آرام کا دوسری جانب ذکر کر دیا گیا ہو یعنی عام طور سے مسلمانوں پر تنگی اور کفار پر آسانی ہوگی یہ مطلب نہیں کہ کسی کافر کو تکلیف ہی نہیں ہوگی یا کسی مسلمان کو عیش ہی نصیب نہیں ہوگا بلکہ عام طور سے کفار کے ساتھ آسانی کا اور مسلمانوں کے ساتھ سختی کا برتاؤ کیا جائیگا۔ جیساکہ ایک روایت کے مضمون سے یہ ظاہر بھی ہوتا ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر دو گروہ کو اپنی دعا میں شامل کیا ہے۔ اگر زندگی میں یہ فرق کبھی نمایاں نہ بھی ہو تو موت کے وقت

اس کا فرق ضروری ہے۔ جیسا کہ خود حضور نے دُعا فرمائی ہے۔ یا اللہ جو تجھ پر ایمان لایا ہو اور مجکو رسول جانتا ہے تو اس کے دلمیں اپنے دیدار کی محبت پیدا کر دے اور اس پر موت آسان کر دے لیکن اس کو دنیا تھوڑی دے اور جو تجھ پر ایمان نہیں لایا اور میری رسالت کا اقرار نہیں کیا اس کو دنیا بہت دے لیکن اپنے دیدار کی محبت اسکے قلب سے سلب کر لے اور اس پر موت کو مشکل کر دے۔ غالباً یہ روایت ابن حبان کی ہے اس حدیث سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ آخرت کا عیش اور وہاں کا آرام واطمینان یہاں کے مصائب کا صلہ یا یہاں کے دکھ درد کی قیمت ہے۔ بہرحال حدیث شریف کے یہ معنی تو ظاہر ہی ہیں کہ قید خانہ دُکھ کی جگہ ہے اور باغ راحت کا مقام ہے لیکن کبھی کبھی یہ خیال ہوا کرتا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مفہوم کو ان الفاظ میں کیوں ادا کیا۔ یہاں کی زندگی کو قید خانہ اور باغ سے کیوں تعبیر کیا گیا۔ لیکن جیل میں جانے کے بعد ایک اور بات سمجھ میں آئی۔

قید خانے کی زندگی

قید خانے میں صرف یہی بات نہیں ہے کہ قیدی کو تکلیف ہوتی ہے یا اس کو دُکھ پہونچایا جاتا ہے بلکہ قید خانے میں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ڈسپلن کی بہت زیادہ پابندی کیجاتی ہے گھنٹی کی آواز پر کھانا شروع کرنا گھنٹی کی آواز پر کھانا ختم کرنا، گھنٹی کی آواز پر پاخانے کے لئے بیٹھنا، گھنٹی کی آواز پر پاخانہ سے کھڑا ہو جانا۔ ہر بات میں پابندی اُٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا کوٹھریوں میں بند ہونا نکلنا، غرض ہر قسم کی حرکات پر پابندی۔ کوئی کام بلا اجازت کے قیدی نہیں کر سکتا اور نہ کسی حکم کی مخالفت کر سکتا ہے گویا یوں سمجھیے کہ ایک مطیع ومنقاد اور فرمانبردار اونٹ کی طرح ہے کہ جب اسکو کھڑا کیا جاتا ہے تو کھڑا ہو جاتا ہے اور جب اس کو بٹھایا جاتا ہے تو بیٹھ جاتا ہے۔ ہر قسم کی پابندی اور آزادی کے سلب ہو جانیکا نام قید خانہ ہے۔ کوئی کام اپنی خوشی اور اپنے ارادہ سے نہیں کر سکتے

جو کام کرتا ہے اپنے افسر کی اجازت سے ہی کرتا ہے حتی کہ کھانا پینا اور پیشاب پاخانہ میں بھی آزاد نہیں رہتا۔ ہر قسم کی آزادی اور خود مختاری کے سلب ہو جانے کو جیل خانہ کہتے ہیں اس کے مقابل دوسرے مقام کا نام جنت رکھا گیا ہے۔ باغ میں انسان آزاد ہوتا ہے جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے جو پھل چاہتا ہے وہ کھاتا ہے جہاں چاہتا ہے بیٹھتا ہے جہاں چاہتا ہے لیٹتا ہے۔ غرض ہر اعتبار سے آزاد ہوتا ہے۔ کسی دوسرے شخص کی اجازت کا محتاج نہیں ہوتا گویا باغ کی زندگی جیل کی زندگی کے بالکل مقابل ہے ایک طرف پابندی ہی پابندی ہے، اور دوسری طرف مطلق العنانی اور آزادی ہی آزادی ہے جب آپنے ان دونوں باتوں کو سمجھ لیا تو اب حدیث کے معنی سمجھ لینے میں کوئی دشواری نہیں ہے دنیا مومن کا قید خانہ ہے۔ یعنی مسلمان اس زندگی میں آزاد نہیں ہے بلکہ اسکی تمام زندگی کا ایک ایک گوشہ شریعت اسلامیہ کے قبضے میں ہے شریعت کے خلاف نہ کھا سکتا ہے نہ پی سکتا ہے نہ چل سکتا ہے، نہ بیٹھ سکتا ہے۔ غرض تمام زندگی اللہ و رسول کے حکم کے تابع ہے نہ تو خدا اور رسول کی بلا اجازت کوئی حرکت کر سکتا ہے نہ انکے حکم کی تعمیل میں تامل و تاتی سے کام لے سکتا ہے۔

سلب اختیار چنانچہ فرماتے ہیں وما کان لمومن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امراً ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم[۱]

یعنی کسی مومن مرد اور مومنہ عورت کو اللہ اور اس کے رسول کا حکم سننے کے بعد یہ اختیار باقی نہیں رہتا کہ وہ اس کے حکم کو بجا نہ لائے جب خدا اور اسکا رسول کوئی فیصلہ کر دے تو مسلمان مرد اور عورت کا اختیار ہی ختم ہو جاتا ہے یعنی اس فیصلہ کے خلاف کا اختیار ہی باقی نہیں رہتا اور ہر مرد و عورت پر آڈر کی تعمیل واجب ہو جاتی ہے اگرچہ یہاں اختیار

---

[۱] اور کام نہیں کسی ایمان دار مرد کا اور نہ ایمان دار عورت کا جبکہ مقرر کر دے اللہ اور اس کا رسول کوئی کام کہ ان کو رہے اختیار اپنے کام کا۔

شرعی مراد ہے اختیار طبعی مقصود نہیں ہے لیکن اختیار شرعی کے سلب ہو جانے ہی کا نام توایمان ہے۔ اختیار طبعی سے تو ہماری بحث بھی نہیں ہے۔ اختیار طبعی باقی ہو اور پھر اللہ ورسول کے حکم کے خلاف نہ کرے اسی کو تو ایمان کہتے ہیں۔

حضرات! آپنے مسلمان کی زندگی کو سمجھا، یہ ہے قید خانہ کی زندگی اور یہی معنی ہیں بلیٰ من اسلم وجہہ للہ وھو محسن[1] کے یعنی اپنی ذات کو صاحب السجن کے حوالے کئے بیٹھے ہیں۔ دنیا میں جیل خانہ کے سپرنٹنڈنٹ کو رب السجن یا رئیس السجن کہتے ہیں ہر ایک قیدی اس کا مطیع وفرمانبردار ہوتا ہے۔ مسلمانوں کا رب السجن وہ ہے جس نے عالم مجردات کے ان طیور کو عناصر کی جیل میں مقید کردیا ہے۔ اپنا مالک السجن اور رئیس السجن وہی ہے جس نے گلستان ربوبیت کی عنادل کو عناصر کے سجن میں پا بہ زنجیر کردیا ہے۔

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہور ترکیب موت کیا ہے انہی اجزا کا پریشاں ہونا

جس طرح ایک قیدی قید خانہ میں رب السجن کا مطیع ہوتا ہے۔ اسی طرح مسلمان اپنے ہر کام میں اپنے پروردگار کا مطیع ومنقاد ہے۔

ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین لا شریک لہ[2] میری نماز اور میری عبادت میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العلمین کیلئے ہے اور اسی کے احکام کے ماتحت ہے جسکا کوئی شریک نہیں ہے

اسی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

المؤمن ھینون لینون کالجمل الانف ان قید انقاد واذا انیخ علی صخرۃ استناخ۔ مومن ایک نکیل ڈالے ہوئے اونٹ کی طرح بالکل مطیع وفرمانبردار ہوتا ہے جب اسکو ٹھہرایا جائے تو ٹھہر جاتا ہے اور جب کسی جگہ بٹھایا جائے تو بیٹھ جاتا ہے۔

مومن کی زندگی کی کیا خوب مثال فرمائی ہے اس کے مقابل کافر کی زندگی ہے جو خدا تعالیٰ کے کسی حکم کا

---

[1] کیوں نہیں جس نے تابع کردیا منہ اپنا اللہ کے اور وہ نیک کام کرنے والا ہے۔

[2] میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا اللہ ہی کیلئے ہے کوئی نہیں اسکا شریک۔

پابند نہیں ہے جو چاہتا ہے کھاتا ہے جو چاہتا ہے پیتا ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے مسلمان جو قدم اٹھاتا ہے پہلے احکام خداوندی کی طرف دیکھتا ہے لیکن کافر ان تمام قیودات سے پاک ہے اولئک کالانعام بل ھم اضل دور نہ جائیے کافر کو پیشاب یا پاخانہ کی ضرورت ہوتی ہے تو جس طرف اس کا جی چاہتا ہے منہ کر کے بیٹھ جاتا ہے لیکن ایک مسلمان کو دیکھئے جب وہ ان ضرورتوں میں سے کسی ضرورت میں مبتلا ہوتا ہے تو یہی سوچتا رہتا ہے کہ قبلہ کس طرف ہے اس کو یہ خوف ہوتا ہے کہ کہیں قبلہ کیطرف منہ یا پیٹھ نہ ہو جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب اور پاخانہ کی حالت میں قبلہ کی سمت منہ کرنے اور پیٹھ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ دیکھا آپنے کافر اور مسلمان کی زندگی کا فرق اسی فرق کیطرف اشارہ فرمایا ہے الدنیا سجن المؤمن وجنت الکافر یعنی مومن کی زندگی ہر اعتبار سے مقید ہے وہ کوئی کام ہماری بلا اجازت کے نہیں کر سکتا اور کافر کی زندگی آزاد زندگی ہے اسکو کبھی ہماری اطاعت و فرمانبرداری کا خیال بھی نہیں آتا میں سمجھتا ہوں کہ میری اس تقریر کے بعد وہ تمام شبہات دور ہو گئے ہونگے جو عام طور پر بعض حضرات کیجانب سے کئے جایا کرتے ہیں مسلمان خواہ کتنے ہی عیش میں ہو۔ لیکن اسکی زندگی مقید ہے اور کافر کتنے ہی دکھ میں ہو لیکن اسکی زندگی آزاد ہے گویا فرق دکھ سکھ کا نہیں ہے، بلکہ اطاعت اور نافرمانی کا ہے۔

توبہ کی مسرت کا تصور

بہر حال دکھ سکھ کا تو ہر شخص کو تصور ہوتا ہے لیکن اللہ رب العزت کی مسرت کا تصور کرانا اور وہ بھی حجاز کے بدوؤں کو کتنا بڑا مشکل کام ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر مشکل مسئلہ کو کس طرح حل کیا ہے یہ تو آپ جانتے ہیں کہ عرب ایک ریگستان ہے جہاں میلوں پانی نہیں ملتا۔ حجاز کی آب و ہوا وہاں کی خشکی اور ریگستان ایسا ہی ہے جیسا آپکا راجپوتانہ اب حضور کی مثال سنیئے۔ فرماتے ہیں ایک شخص اپنا کھانا اور پانی ایک اونٹ پر رکھے ہوئے جنگل میں سفر

لہ وہ ایسے ہیں جیسے چوپائے بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ۔

کر رہا ہو اتفاق سے وہ ایک درخت کے نیچے آرام لینے بیٹھ گیا ہو اسی حالت میں تھوڑی سی نیند آگئی اور اس سے اونٹ کی رسی چھوٹ گئی جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ وہ اونٹ جس پر سامان زندگی لدا ہوا تھا وہ غائب ہو گیا۔ یہ اس اونٹ کو تلاش کرنے لگا جنگل کی دھوپ گرمی۔ لق و دق میدان میں ہر طرف دوڑتا پھرا لیکن اونٹ کا کہیں پتہ نہیں لگا آخر تھک کر ایک جگہ لیٹ گیا اور موت کا انتظار کرنے لگا۔ پیاس بڑھتی جاتی ہو اور دم کھنچ رہا ہو غرض ہر طرح موت کے آثار ظاہر ہو چکے ناامیدیوں نے اس مسافر کا محاصرہ کر لیا اسی ناامیدی کی حالت میں ہلکی سی آواز کان میں آئی آنکھ کھولکر دیکھا تو وہ سرمایۂ زندگی سر پانے کھڑا ہی۔ بتاؤ اس مایوس انسان کو اس اونٹ کے ملنے کی کیسی خوشی ہو گی؟ حاضرین نے عرض کیا یا رسول اللہ اس کی خوشی کا اندازہ کیا ہو سکتا ہے۔ اس نے تو دوبارہ زندگی حاصل کی گویا موت کے منہ سے نکل آیا۔ فرمایا جتنی خوشی اس قریب الموت مسافر کو اونٹ کے ملجانے سے ہوتی ہو اس خوشی سے کہیں زیادہ خوشی اللہ تعالیٰ کو اس وقت ہوتی ہو جب کوئی بندہ اس سے اپنے جرائم کی توبہ کرتا ہے اور آیندہ کے ملئے ترک جرم کا عہد کرتا ہے کسی بندے کے تائب ہونے پر حضرت حق کی مسرت کا تصور عرب کے نومسلم تو کیا کر سکتے تھے قدیم مسلمان بھی اس کا اندازہ لگانے سے معذور ہیں یہ وہ پر کیف حقیقت ہے کہ اہل ذوق ہی اس کو سمجھتے ہیں۔

اہل دل کا فقدان

اب وہ اہل دل کہاں ہیں جن کے روبرو کوئی بات کہی جائے۔ آپ جیسے سمجھداروں کے سامنے تو بات کہہ کر اپنی بات بھی کھونی ہو۔ خدا جانے تم کیا سمجھوگے اور کس طرح میری بات نقل کروگے آپکو کیا معلوم ہے کہ کسی جرم پر توبہ کرنا اور اپنی خطا پر نادم ہونا ایک ایسے مرتبہ کا مالک بنا دیتا ہے جہاں بندہ برسوں کی صلاۃ تہجد سے بھی نہیں پہونچ سکتا حضرت عارف رومی نے اپنی مثنوی میں ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک

صحابی کی جماعت فوت ہوگئی تھی جب وہ مسجد پر پہنچے تو دیکھا لوگ نماز پڑھ کر نکل رہے ہیں۔ انہوں نے حیرت زدہ ہوکر دریافت کیا آپ لوگ کہاں جارہے ہیں؟ دوسرے حضرات نے جواب دیا کہ نماز ہوچکی ہم نماز سے فارغ ہوکر اپنے اپنے مکانوں کو جارہے ہیں اس صحابی نے پھر دریافت کیا کہ کیا جماعت ہوگئی؟ لوگوں نے کہا ہاں بھائی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سلام پھیر دیا اور جماعت ہوچکی۔ اس صحابی کو فوت جماعت کا اس قدر صدمہ ہوا کہ انکے منہ سے ایک آہ نکل گئی۔ یہ آہ ایسی دلسوز تھی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ اس شخص کا کلیجہ جل گیا۔ جو لوگ نماز پڑھ کر نکلے تھے ان میں سے ایک شخص نے اس صحابی کو علیحدہ لیجا کر کہا، آپ جماعت کی نماز کا ثواب چاہتے ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں میں جماعت کا ثواب چاہتا ہوں۔ اس شخص نے کہا جماعت کا ثواب میں تم کو اپنا دیدیتا ہوں بشرطیکہ تم مجھے یہ آہ دیدو۔ یہ صحابی رضامند ہوگئے آہ اسے دے کر اور جماعت کا ثواب اس سے لیکر چلے آئے۔ رات کو خواب میں دیکھا کوئی شخص دریافت کرتا ہے اے خدا کے بندے آج کیا فروخت کر آیا، اس نے کہا ایک آہ منہ سے نکلی تھی وہ فروخت کر آیا اس دریافت کرنیوالے نے کہا وہ آہ تو اتنی قیمتی تھی کہ اگر قیامت کے دن اہل محشر پر تقسیم کردی جاتی تو تمام اہل محشر کی نجات کے لئے وہ آہ کافی ہوتی۔ صاحبو! گناہ کے بعد توبہ کرنا اور اپنی ندامت کا اظہار کرنا یہ ایسی قیمتی اور مزیدار چیز ہے کہ بعض متقی اور پرہیزگار حضرات گناہ کرنے کے لئے مجبور ہوگئے ہیں۔

مخلوق کی اقسام

بھائی اگر آپ مجھے معاف فرمائیں اور میری بات کسی سے نہ کہیں تو میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ شاید ہماری پیدائش اور ہماری خلقت اسی لطف اندوزی کیلئے کی گئی ہے کہ ہم گناہ کریں اور گناہ کے بعد روئیں توبہ کریں استغفار کریں۔ اور اپنی توبہ و استغفار سے کسی نقاب پوش اور پردہ نشین محبوب کی مسرت کا سامان مہیا کیا کریں۔ کیونکہ گناہ کرنا اور اسکے بعد توبہ کرنا یہ بھی

مخلوق کا خاصہ ہے جسکو انسان کہتے ہیں حضرت حق کی مخلوق کو گناہ اور نیکی کے اعتبار سے چار حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اول ملائکہ، یہ وہ مخلوق ہے جو گناہ کرنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتی۔ جس کی سرشت میں خالص ملکیت ہو وہاں گناہ کا امکان کس طرح ہو سکتا ہے سورہ تحریم میں فرماتے ہیں۔

لا یعصون اللہ ما امرھم[1] جس چیز کا ملائکہ کو حکم دیا جاتا ہے وہ اس کے خلاف نہیں کرتے اللہ کے فرشتے گناہ تو کیا کرتے انکو تو عبادت ہی سے فرصت نہیں وہ تو چوبیس گھنٹے اللہ رب العزت کی عبادت ہی میں مصروف رہتے ہیں اور باوجود اس دائمی عبادت کے نہ تو کبھی تھکتے اور کمزور ہوتے ہیں اور نہ کبھی اپنی عبادت پر تکبر اور نخوت کا اظہار کرتے ہیں۔ سورہ انبیاء میں ارشاد فرماتے ہیں۔

ومن عندہ[2] لا یستکبرون عن	اللہ کے پاس ایسی مخلوق ہے جو اس کی شب و روز عبادت
عبادتہ ولا یستحسرون یسبحون	اور تسبیح و تقدیس سے نہ تھکتی ہے نہ اسکی عبادت میں سستی
اللیل والنھار لا یفترون -	کرتی ہے اور نہ اپنی اس کثرت عبادت پر تکبر کرتی ہے۔

سورہ اعراف کے آخر میں فرماتے ہیں۔

ان[3] الذین عند ربک	اللہ رب العزت کے پاس ایسی مخلوق ہے جو اپنی عبادت پر
لا یستکبرون عن عبادتہ	تکبر نہیں کرتی۔ اللہ تعالے کی پاکی بیان کرتی رہتی ہے
ویسبحونہ ولہ یسجدون	اور صرف خدا تعالے ہی کی عبادت کیا کرتی ہے۔

---

[1] نافرمانی نہیں کرتے اللہ کی جو بات فرمائے ان کو۔

[2] اور جو اس کے نزدیک رہتے ہیں سرکشی نہیں کرتے اس کی عبادت سے اور نہیں کرتے کاہلی یاد کرتے ہیں۔ رات اور دن نہیں تھکتے۔

[3] بیشک جو تیرے رب کے نزدیک ہیں وہ تکبر نہیں کرتے اسکی بندگی سے اور یاد کرتے ہیں اسکی پاک ذات کو اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں۔

اسی مضمون کو ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔

فان استکبروا فالذین عند ربک یسبحون لہ باللیل والنہار وھم لایسئمون[لہ] | اگر انسان ہماری عبادت سے اعراض کرے تو ہمیں اسکی کیا پرواہ ہوسکتی ہے۔ ہمارے پاس ایک اور مخلوق ہے جو دن رات ہماری پاکی بیان کرنے میں لگی ہوئی ہے۔ اور باوجود کثرت عبادت کے اس پر کمزوری کے آثار مرتب نہیں ہوتے۔

گناہ کی صلاحیت وعدم صلاحیت

یہ ایک دوسری بحث ہے کہ فرشتوں میں گناہ کرنے کی صلاحیت بھی ہے یا نہیں؟ اگرچہ یہ ایک طویل بحث ہے اور صحیح بات یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معصوم پیدا کیا ہے ان کو جو حکم دیا جاتا ہے اس کو بجا لاتے ہیں۔ یفعلون ما یؤمرون اس وقت آپکے سامنے فریقین کے دلائل پیش کرنیکا موقع نہیں اہل سنت کا صحیح اور محقق مسلک یہی ہے کہ وہ معصوم ہیں۔ صلاحیت اور عدم صلاحیت کا مسئلہ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ صاحب روح البیان کا یہ کہنا کہ نحن نسبح بحمدک ونقدس لک کہنے والے فرشتوں کو آگ کا عذاب کیا گیا اور ہزارہا فرشتوں کو جلا کر خاکستر کر دیا گیا۔ یہ انہی موضوعات میں سے ایک موضوع روایت ہے جس سے موصوف کی تفسیر لبریز ہے اور اس قسم کی مفوات اہل علم کیلئے قابل توجہ نہیں ہیں۔ ہاروت وماروت کا قصہ بھی اس مسلک کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اس لئے کہ جو لوگ اس واقعہ کے قائل ہیں اور ہاروت وماروت کو فرشتوں سے تعبیر کرتے ہیں وہ اس کے بھی قائل ہیں کہ ان کو گناہ

[لہ] پھر اگر غرور کریں تو جو لوگ تیرے رب کے پاس ہیں پاکی بولتے رہتے ہیں اس کی رات اور دن اور وہ نہیں تھکتے۔

کی قدرت اور طاقت علی العصیان عطا کر دی گئی تھی۔ بہر حال اللہ تعالے کی مخلوق میں سے ایک قسم ملائکہ کی ہے جہاں صرف عبادت و طاعت کا ظہور ہے اور کسی قسم کی نافرمانی کا صدور نہیں ہے۔

شیاطین اور جنات

دوم شیاطین ہیں جن سے کسی نیکی اور بھلائی کی توقع نہیں ہو۔ جس طرح فرشتے کوئی گناہ نہیں کر سکتے اسی طرح یہ گروہ کوئی نیکی نہیں کر سکتا۔ جنات خبیثہ اور شیاطین کی یہ حالت ہے کہ بدی اور ارتکاب جرائم ان کی سرشت میں داخل ہو چکے ہیں۔ ملائکہ نوری اور خبیث گروہ ناری ہو۔ ان خبائث کا کام یہ ہے کہ خود بھی نافرمان ہیں اور دوسروں کو بھی نافرمانی کی ترغیب دیتے رہتے ہیں۔ اگر یہ کبھی کسی مسلمان کو نیک بات کی ترغیب بھی دیتے ہیں تو اس میں بھی کوئی نہ کوئی مکر و فریب دجل و خدع مضمر ہوتا ہے۔

حضرت امیر معاویہؓ کا واقعہ

مثلاً حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو نماز کے لئے بیدار کرنا جیسا کہ حضرت عارف رومی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی مثنوی میں ذکر فرمایا ہے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نماز کیلئے کسی مسلمان کو بیدار کر دینا یا جگا دینا بڑا اچھا کام ہے لیکن جب حضرت امیر معاویہ نے اس سے دریافت کیا کہ تجھ کو نماز سے کیا دلچسپی ہے تو اس نے اول تو ان کو دہوکہ دینا چاہا۔ پھر مناظرہ شروع کر دیا اور بالآخر جب انہوں نے اس خبیث کو تنگ کیا تو کہنے لگا ایک روز آپکی جماعت فوت ہوگئی تھی تو آپ اس قدر روئے تھے کہ آپ کو جماعت سے زیادہ ثواب مل گیا تھا میں نے خیال کیا کہ آپ کو سلانے کی بجائے جگا دینا ہی زیادہ بہتر ہے جو گروہ خدا کی مخلوق کو گمراہ کرنے پر قسم کھا چکا ہو اور جس نے اپنے حسد کا مظاہرہ کرنے میں انتہا کر دی ہو

اس سے کسی نیکی کی توقع کرنا ایک بے سود اور مہمل اُمید ہے حضرت حق نے جن الفاظ میں شیطان کا قول نقل کیا ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شیطان اور اسکی ذریت اور اسکے معاونین جنات اور ارواح خبیثہ اپنے کیرکٹر اور اخلاق کے اعتبار سے کس قدر گری ہوئی مخلوق ہے فرماتے ہیں۔

وقال لا تخذن من عبادك	تیرے بندوں میں سے ایک حصہ مقررہ حاصل کروں گا
نصیبا مفروضا ولاضلنهم و	اور میں انکو گمراہ کرونگا اور میں ان کو غلط اُمیدیں
لامنينهم ولامرنهم فليبتكن	دلاؤں گا اور ان کو حکم کرونگا تاکہ وہ جانوروں کے
اذان الانعام ولامرنهم	کان کاٹ کر اور نشان لگا کر بتوں کے نام پر چھوڑیں
فليغيرن خلق الله ۔	اور میں ان کو امر کرونگا تاکہ وہ خدا کی پیدا کی ہوئی
	شکل وصورت میں تغیر کریں۔

سورہ بنی اسرائیل میں اس مردود کا قول ہے ۔

هذا الذى كرمت على لئن	یہ شخص جس کو تونے مجھ پر ترجیح دی ہے اور جس کا مرتبہ
اخرتن الى يوم القيمة لا	تونے مجھ سے بڑھادیا ہے اگر تونے مجھکو قیامت
حتنكن ذريته الا قليلا	تک جینے رہنے کا موقع دیدیا تو اس شخص کی یعنی آدم
	کی اولاد کو تباہ کرکے چھوڑوں گا البتہ تھوڑے
	لوگوں پر میرا قبضہ نہ چل سکے گا۔

سلہ اور کہا شیطان نے کہ میں لونگا البتہ تیرے بندوں سے حصہ مقررہ اور انکو بہکاؤنگا اور ان کو اُمیدیں دلاؤں گا اور ان کو سکھلاؤں گا کہ چیریں جانوروں کے کان اور ان کو سکھاؤں گا کہ بدلیں صورتیں بنائی ہوئی اللہ کی۔

سلہ یہ شخص جس کو تونے مجھ سے بڑھادیا اگر تو مجکو ڈھیل دیوے قیامت کے دن تک تو میں اس کی اولاد کو ڈہانٹی دے لوں مگر تھوڑے سے ۔

سورہ اعراف میں ہے۔

فبما اغویتنی[لہ] لاقعدن لھم صراطک المستقیم ثم لاٰتینھم من بین ایدیھم ومن خلفھم وعن ایمانھم وعن شمائلھم ولا تجد اکثرھم شٰکرین۔	چونکہ تو نے میری گمراہی کا سامان پیدا کیا ہے اور آدم کو میری تباہی کا باعث بنایا ہے اس لئے میں اولاد آدم سے انتقام لونگا۔ اور وہ سیدھی راہ جو تجھ تک پہنچتی ہے اس کے درمیان بیٹھ جاؤں گا اور اولاد آدم کی گمراہی کیلئے ہر چار طرف سے ان پر حملہ کروں گا اور جہاں تک ہو سکے گا ان کو شکر گزار نہ بننے دونگا۔

ایک شبہ کی مدافعت

یہ خیال کرنا صحیح نہیں ہے کہ شیطان نے اولاد آدم کے متعلق جو کچھ کہا تھا وہ غیب کی بناء پر کہا تھا، یا شیطان کو علم غیب تھا کیونکہ عالم الغیب تو اللہ رب العزت ہی کی ذات ہے۔ اس کے علاوہ کس طرح کسی دوسرے کو عالم الغیب کہا جا سکتا ہے؟ شیطان نے جو کچھ کہا وہ اپنے گمان کی بنار پر کہا اور انسانی طبیعت اور انسانی سرشت کو سمجھ کر ایک رائے قائم کی۔ اسی رائے کی بنار پر مستقبل کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا اور یہ سمجھ لیا کہ انسان مختلف عناصر کا مجموعہ ہے اور اس کی سرشت میں متضاد جذبات پنہاں ہیں اسلئے اس پر قابو پا لینا آسان ہوگا۔ اس نظریہ کو مدنظر رکھتے ہوئے شیطان نے یہ ادعا کیا اور اتفاق کی بات ہے کہ وہ اپنے خیال میں صحیح ثابت ہوا۔ اس سے زیادہ ان توقعات کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔ چنانچہ اسی چیز کو حضرت حق نے سورۂ سبا میں ظاہر فرمایا ہے۔

لہ تو جیسا تو نے مجھے گمراہ کیا ہے میں بھی ضرور بیٹھوں گا ان کی تاک میں تیری سیدھی راہ پر پھر ان پر آؤنگا ان کے آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں سے اور نہ پائے گا تو اکثروں کو ان میں شکر گذار۔

ولقد صدق علیھم ابلیس ظنہ فاتبعوہ الا فریقا من المومنین۔

ابلیس نے جو گمان قائم کیا تھا اور اولاد آدم کے متعلق جو رائے قائم کی تھی اس نے اپنے گمان کو اور اپنی رائے کو سچا کر دکھایا اور نتیجہ یہی ہوا کہ مخلصین و کاملین کے علاوہ عام طور سے لوگوں نے اس کو اپنا متبوع بنا لیا۔

شیطان کی اتباع

صاحبو آج آپ جس شیطان کو اپنا متبوع اور پیشوا بنائے ہوئے ہیں اسکی حالت بھی آپ کو معلوم ہے؟ آج آپ اس کی چکنی چپڑی باتوں میں آرہے ہیں۔ اور آج شیطان نے آپ کے برے اعمال کو ایسا مزین اور آراستہ کیا ہے کہ آپ اندھے ہوگئے ہیں ہر برے عمل کو آپ اچھا سمجھ رہے ہیں۔ آپ کے دل میں برائی کا احساس ہی باقی نہیں رہا ہے۔

افمن زین لہ سوء عملہ فراٰہ حسنا۔

اس شخص کی کیا حالت ہے جس کے برے اعمال اس کی نظر میں بھلے معلوم ہو رہے ہوں۔

یہ تو انتہا درجہ کی بد قسمتی ہے کہ کسی شخص کو اپنی برائی بھلی معلوم ہونے لگے۔ اور فرماتے ہیں

وزین لھم الشیطان اعمالھم فصدھم عن السبیل فھم لا یھتدون۔

کمبخت شیطان نے بنی نوع انسان کے برے اعمال کو اتنی زینت دی اور انکے اعمال کو ایسا مزین کیا کہ لوگوں کی ہدایت کی راہ مسدود ہوگئی اور سیدھی راہ کی تلاش سے مستغنی ہوگئے

لہ اور سچ کر دکھلائی ان پر ابلیس نے اپنی اٹکل پھر اسی کی راہ چلے مگر تھوڑے سے ایماندار۔

لہ۲ بھلا ایک شخص کہ بھلی سمجھائی گئی اس کو اس کے کام کی برائی۔

لہ۳ اور بھلے دکھلاتے ہیں ان کو شیطان نے ان کے کام پھر روک دیا ہے ان کو رستہ سے سو وہ راہ نہیں پاتے۔

کیونکہ وہی شخص اپنی اصلاح کے لئے کوشش کرسکتا ہے جو اپنے آپکو غلطی پر سمجھتا ہو لیکن جس بدنصیب کا مرض یہاں تک بڑھ گیا ہو کہ اس کو اپنے مرض کا احساس ہی باقی نہ رہا ہو وہ اپنی اصلاح کی فکر کس طرح کرسکتا ہے۔

شیطان کا فریب

واقعہ یہ ہے کہ ہم میں سے بعض کو شیطان نے اپنے مکروفریب میں ایسا ملوث کیا ہو کہ کبھی اپنے گناہوں کو چھوڑنے اور توبہ کرنے کا خیال تک بھی نہیں آتا۔ لیکن میں آپکو بتانا چاہتا ہوں کہ جس کی دوستی میں آپ اس قدر گمراہ ہو رہے ہیں اسکی بیوفائی کا جس وقت مظاہرہ ہوگا اس وقت آپکو معلوم ہوگا آج تو ہماری یہ حالت ہو کہ انبیا علیہم السلام کے احکام کو ہم نے پس پشت ڈال دیا ہے اور شیطان کے ایک اشارہ پر مطیع و فرمانبرداروں کی طرح چل پڑتے ہیں۔ لیکن ایک دن ایسا بھی آنیوالا ہے جہاں آپکا اس مردود سے مقابلہ ہوگا۔ غلط امیدوں کی بناء پر اس امر کی خواہش کرینگے کہ شیطان آپ کی اعانت وامداد کرے۔ لیکن آپ کو معلوم ہے شیطان کیا جواب دیگا۔ اگر آپ قرآن کا مطالعہ کرتے رہتے تو آپ کو میری تقریر سمجھنے میں بہت آسانی ہوتی ارشاد فرماتے ہیں۔

شیطان کا کورا جواب

جب ہر ایک کا فیصلہ ہوجائے گا اور مجرموں کو عذاب میں بھیجدیا جائے گا تو شیطان ان مجرموں کو خطاب کرتے ہوئے کہے گا۔

اِنَّ اللّٰہَ وَعَدَکُمْ وَعْدَ الْحَقِّ [1] — اللہ تعالیٰ نے تم سے جو وعدہ کیا تھا وہ وعدہ سچا تھا اور

---

[1] بے شک اللہ نے تمکو دیا تھا سچا وعدہ اور میں نے تم سے وعدہ کیا پھر جھوٹا کیا اور میری تم پر کوئی حکومت نہ تھی مگر یہ کہ میں نے بلایا تمکو پھر تم نے مان لیا میری بات کو سو الزام نہ دو مجکو اور الزام دو اپنے آپکو نہ میں تمہاری فریاد کو پہنچوں نہ تم میری فریاد کو پہنچو۔

ووعدتكم فاخلفتكم وما كان لي عليكم من سلطن الا ان دعوتكم فاستجبتم لي فلا تلوموني ولوموا انفسكم ما انا بمصرخكم وما انتم بمصرخي ـ

میں نے تو جھوٹا وعدہ کیا تھا میں تمہارے اوپر کوئی حکمراں یا بادشاہ نہ تھا جو تم سے زبردستی گناہ کرا لیتا میں تو گناہ کی جانب صرف پکارا کرتا تھا لیکن تم میری پکار پر دوڑ نکلتے تھے تو آج تم مجکو ملامت کرنے اور برا بھلا کہنے کی بجائے خود اپنے آپکو ملامت کرو۔ آج نہ میں تمہاری یاوری کرسکتا ہوں اور نہ تم میرے کام آسکتے ہو۔

ھذا جو آپ نے شیطان کا کورا جواب سُنا اور بھائی ایک شیطان کیا قیامت میں تو ہر ایک کا یہی حال ہوگا جس دن آدمی اپنے رشتہ داروں اور بھائی بیٹوں سے بھاگا بھاگا پھرے گا اس دن کب کوئی کسی کے کام آسکتا ہے۔ [1] یوم یفر المرء من اخیه وامه وابیه وصاحبته وبنیه لکل امرئ منهم یومئذ شان یغنیه ـ اس دن تو عجیب ایک استغنا اور بے پروائی کا معاملہ ہوگا۔ انسان اپنی محبوب سے محبوب چیز کو بھی فراموش کر دیگا۔ اس دن جب انسان ہی انسان کے کام نہ آئے تو شیطان کیا خاک کام آسکتا ہے۔ [2] الاخلاء یومئذ بعضهم لبعض عدو الا المتقین ـ اس دن کی پریشانیوں کا یہ عالم ہوگا کہ دوست دشمن بن جائیں گے البتہ متقی اور پرہیزگاروں کی دوستی قائم رہے گی چونکہ یہی طبقہ ہے جسکو اسدن اطمینان نصیب ہوگا تو اس کی دوستیاں دشمنیوں سے تبدیل نہ ہونگی۔

---

[1] جس دن کہ بھاگے مرد اپنے بھائی سے اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے اور اپنی گھر والی اور اپنے بیٹوں سے ہر مرد کو ان میں سے اس دن ایک فکر لگا ہوا ہے جو اس کیلئے کافی ہے

[2] جتنے دوست ہیں اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہونگے مگر جو لوگ ہیں ڈر والے۔

ملائکہ اور شیاطین

برادرانِ ملت! خدا کی مخلوق ایک یہ بھی ہے جو نیکی کے پاس سے بھی ہو کے نہیں گزری۔ اس سے نیکی کا وقوع ایسا ہی ناممکن ہے جیسا ملائکہ سے گناہ کا صدور ناممکن ہے یہ خود نیک کام کیا کریگی۔ یہ تو بنی نوع انسان ہی کو گمراہ کرنے کی فکر میں لگی رہتی ہے جس طرح ملائکہ میں صلاحیت و عدم صلاحیت کا سوال تھا ویسا ہی یہاں بھی یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے کہ شیاطین اور مردۃ الجن میں نیکی کی صلاحیت بھی ہے یا نہیں؟ ہر چند کہ مسئلہ مختلف فیہا سہی لیکن اس امر سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ملائکہ کیلئے نیکی اور شیاطین کیلئے برائی طبیعت ثانیہ بن گئی ہے۔ نہ تو ملائکہ سے گناہ کی توقع کی جا سکتی ہے اور نہ شیطان سے نیکی کی! حضرت حق جل مجدہٗ کی ایک تیسری مخلوق بھی ہے جو نہ گناہ کرتی ہے نہ نیکی، وہ جانور ہیں جو غیر ذوی العقول بھی ہیں اور غیر مکلف بھی۔

چوتھی قسم

مخلوق کی ان تین قسموں کے علاوہ ایک چوتھی قسم بھی ہے اور عقلاً اعمال کے اعتبار سے مخلوق کی چار ہی قسمیں ہو بھی سکتی تھیں ایک وہ جو صرف گناہ ہی گناہ کرتی ہو، ایک وہ جو صرف نیکی ہی نیکی کرتی ہو، ایک وہ جو نہ گناہ کرتی ہو نہ نیکی، ایک وہ جو نیکی بھی کرتی ہو اور گناہ بھی۔ آپ ہی فرمائیے ان چار کے علاوہ کوئی اور قسم بھی ہو سکتی ہے؟ چوتھی قسم جو گناہ بھی کرے اور نیکی بھی کرے وہ جناب ہیں آپکی وہ مثل ہے قاضی جی نکاح میں بھی اور قاضی جی طلاق میں بھی۔ ابھی آپ وعظ میں بیٹھے ہوئے رو رہے ہیں اور ابھی آپ سینما میں تالیاں بجا کر قہقہے لگا رہے ہیں غرض آپ بھی ایک تماشہ ہیں مکھی کی طرح نہ تو نجاست پر بیٹھنے سے آپ کو عار ہے اور نہ مٹھائی پر بیٹھنے سے آپکو باک ہے۔ آپکا نقشہ حضرت حق نے خوب کھینچا ہے سورۂ والشمس میں فرماتے ہیں۔ اول تو سات قسمیں کھائی ہیں۔

قرآن کی قسمیں

آجکل تو بعض احمق یہی کہا کرتے ہیں کہ خدا کو قسم کھانیکی

کیا ضرورت پیش آئی قسم تو انسان کے کلام میں ہوا کرتی ہے خدا کے کلام میں قسموں کا کیا ذکر، گویا خدا تعالے ابھی جناب کے مشورے سے کلام کرتا۔ مجھے تو اسکا افسوس ہے کہ صاحبو! دنیا سے علم ہی اُٹھ گیا۔ ایک طرف تو کلام الٰہی کی فصاحت و بلاغت کے آپ قائل ہیں اور دوسری طرف قسموں پر شبہ ہے۔ ارے! کلام تو فصیح و بلیغ جب ہی ہوگا جب مقتضائے حال کے موافق ہو۔ کلام جامع ہو اور مقتضائے حال کے موافق ہو تب ہی تو اس کو بلیغ کہا جائے گا ورنہ کلام بے موقع نہ ہو جائیگا فرض کیجئے آپکا مخالف تو ایک بات کو بڑے زور سے ثابت کر رہا ہے اور آپ اسکے مقابلہ میں بہت ہلکی تردید کر رہے ہیں، تو کیا آپ کی یہ تردید صحیح ہو گی؟ اس کی تو سینکڑوں مثالیں اُردو میں موجود ہیں۔

کلام کو موکد کرنا

کلام کو موکد کرنے کے لئے قسم کھائی جاتی ہے۔ آپکا مقابل کہتا ہے خدا کی قسم آج چاند نہیں ہوا۔ اب اگر آپ کہیں کہ آج چاند ہو گیا تو یہ کلام کمزور ہے مقابل کا صحیح جواب نہیں ہے بلکہ اگر آپکو بولنے اور کلام کرنے کی تمیز ہے تو آپکا فرض ہے کہ آپ بھی قسم کھا کر کہیں کہ نہیں خدا کی قسم آج چاند ہو گیا میں نے خود دیکھا ہے تو جھوٹا ہے۔ کلام کی خوبی یہ ہے کہ تاکید کے موقع پر تاکید کیجائے اور تاکید کی ضرورت نہ ہو تو تاکید کو ترک کر دیا جائے۔ یہ تم سے کس پاگل نے کہدیا ہے کہ خدا کے کلام میں قسم نہ ہونی چاہیئے۔ کافر تو قسمیں کھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کریں اور اللہ تعالے بدون تاکید کے اپنے رسول کی تصدیق کرے تو کیا دوسرا کلام پہلے کلام کا ہم وزن ہو سکتا ہے؟ کافر تو کہیں لات وعزیٰ کی قسم آپ اللہ کے رسول نہیں ہیں اور اللہ تعالے صرف اتنا کہدے کہ تو ہمارا رسول ہے تو اللہ تعالے کا یہ جواب درست ہوگا؟ بلاغت کا مقتضا یہ ہے کہ جس زور سے کافر آپکی رسالت کی تکذیب کریں اتنے ہی زور سے تصدیق کیجائے اور کہا جائے۔

والقرآن الحکیم انک لمن[1] المرسلین۔ — ہم قرآن حکیم کی قسم کھاتے ہیں بے شک آپ پیغمبروں میں سے ہیں۔

اگر آپ کلام کی قوت وضعف سے واقف نہیں ہیں تو میں کہتا ہوں آپ کلام کرنا ہی نہیں جانتے۔ رہا یہ معاملہ کہ اللہ تعالےٰ نے فلاں فلاں چیز کی قسم کیوں کھائی؟ تو بھائی یہ ایک بہت وسیع مضمون ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ میں اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ لکھوں اگر مجھے موقع ملا اور اللہ تعالےٰ نے میری امداد فرمائی تو میں اس مضمون کو ایک رسالہ کی شکل میں ترتیب دونگا۔ اگر وہ رسالہ مرتب ہوسکا تو اس وقت آپکو معلوم ہوگا کہ ان اشیاء مختلفہ کی قسموں میں کس قدر غموض وحکم ہیں اور کیا کیا مصلحے پوشیدہ ہیں حضرت حق نے ہر موقع پر کس قسم کی رعایت رکھ کر قسم کھائی ہے۔

حضور کی زندگی کی قسم

دیکھئے ایک موقع پر اللہ رب العزت نے اپنے محبوب جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی قسم کھائی ہے فرماتے ہیں۔

لعمرک[2] انہم لفی سکرتہم یعمھون۔ — اے محمد تیری جان کی قسم وہ لوگ اپنی نافرمانی اور سرکشی کے نشے میں بہک رہے تھے۔

اب سوال یہ ہے کہ اس موقع پر حضرت حق نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو قسم کھانے کے لئے کیوں منتخب کیا ہے؟ کیوں بھائی! آپکا مطلب یہی تو ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جابجا مختلف چیزوں کی قسمیں کیوں کھائی ہیں۔ میں عرض کرتا ہوں کہ ذرا اس معاملہ پر غور کیجئے۔ حضرت لوط علیہ السلام کے معزز مہمانوں پر یورش ہے، ایک شریف آدمی کے مہمانوں کی بے عزتی پر اگر کوئی آمادہ ہو تو تصور کیجئے کہ اس شریف انسان پر کیا

---

[1] قسم ہے اس سچے قرآن کی تو تحقیق ہے بھیجے ہوؤں میں سے۔

[2] قسم ہے تیری جان کی وہ اپنی مستی میں مدہوش ہیں۔

گزرتی ہے؟ پھر بے عزتی بھی کس قسم کی؟ یعنی قوم کا مطالبہ یہ ہے کہ ان مہمانوں کو ہمارے حوالے کردو تاکہ ہم ان کو وضع فطری کے خلاف استعمال کریں حضرت لوط کو بھی یہ نہیں معلوم کہ یہ فرشتے ہیں۔ بتائیے اللہ کے ایک پیغمبر پر وہ عت کس قدر شاق ہوگی؟

حضرت لوط اور ابراہیم علیہما السلام

یہ تو شاید آپ کو معلوم ہوگا کہ حضرت لوط کی بستیوں پر عذاب کے لئے جن فرشتوں کو مقرر کیا تھا وہی فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی بشارت دینے کیلئے بھی مقرر ہوئے تھے اور حکم یہ تھا کہ پہلے ہمارے خلیل کو بیٹے کی بشارت دینا اور پھر لوط کی قوم کو تباہ کر دینا کیونکہ اس قوم کی سرکشی حد سے تجاوز کر چکی ہے۔ چنانچہ یہ فرشتے پہلے تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے چونکہ یہ فرشتے عام انسانوں کی شکل میں آئے تھے اس لئے حضرت ابراہیم انکو آدمی سمجھے اور اپنی مہمان نوازی کی بنا پر جلدی سے سلام دعا کے بعد ایک گائے کے بچھڑے کا تلا ہوا گوشت ان کے سامنے کھانے کیلئے رکھدیا۔ ھل اتٰک حدیث ضیف ابراھیم المکرمین اذ دخلوا علیہ فقالوا سلما قال سلام قوم منکرون فراغ الی اھلہ فجاء بعجل سمین فقربہ الیھم قال الا تاکلون۔ اے محمد آپکو ابراہیم کے معزز مہمانوں کا واقعہ معلوم ہے؟ جب وہ مہمان حضرت ابراہیم کے پاس آئے اور اس زمانہ کی تہذیب کے موافق سلام کیا تو حضرت ابراہیم نے جواب دیا اور اپنے دل میں خیال کیا کہ یہ لوگ اجنبی معلوم ہوتے ہیں کیونکہ ان سے کوئی

بھلا کیا پہونچی ہے تجکو بات ابراہیم کے مہمانوں کی جو عزت والے تھے جب اندر پہنچے اسکے پاس تو بولے سلام وہ بولے سلام ہے یہ لوگ ہیں اوپرے پھر دوڑا اپنے گھر کو تو لے آیا ایک بچھڑا گھی میں تلا ہوا پھر ان کے سامنے رکھا کہا کیوں تم کھاتے نہیں؟

تعارف نہ تھا اس کے بعد مکان میں لے گئے اور بچھڑے کا بھنا ہوا گوشت لاکر مہمانوں کے سامنے رکھدیا اور جب انہوں نے کھانے کیلئے ہاتھ نہ بڑھایا تو حضرت ابراہیم کا دل پکڑ اگیا اور کچھ خوف معلوم ہوا کہ شاید یہ مہمان کسی بری نیت سے آئے ہیں لیکن ان مہمانوں نے حضرت ابراہیم کو اطمینان دلایا اور بتایا کہ ہم انسان نہیں ہیں بلکہ انا ارسلنا الی قوم لوط۔[1] ہم تو فرشتے ہیں جو لوط کی قوم پر تعذیب کی غرض سے آئے ہیں اسکے بعد حضرت ابراہیم کو بشارت دی کہ آپ کے ہاں لڑکا پیدا ہوگا۔ اس بشارت کو سُنکر سیدنا ابراہیم کی اہلیہ محترمہ نے بطور تعجب فرمایا۔ یویلتی ءالد وانا عجوز وھذا بعلی شیخا ان ھذا لشئ عجیب[2] ۔ ہائیں اب میرے ہاں اس بڑھاپے میں بچہ ہوگا؟ میں بڑھیا ہوگئی اور یہ میرے شوہر بھی بڈھے ہوگئے اس عمر میں بچہ ہونا ایک عجیب وغریب بات ہے۔ فرشتوں نے اس جواب کو سُنکر کہا اتعجبین من امر اللّٰہ[3] کیا آپ کو اللہ تعالےٰ کی قدرت اور اس کے حکم پر تعجب ہوتا ہے اس کے نزدیک تو یہ امر کوئی مشکل نہیں ہے جب وہ بدون ماں باپ کے پیدا کرسکتا ہے تو ماں باپ کی موجودگی میں کیا مشکل ہے؟

قوم لوطؑ کے لئے سفارش

جب یہ قِصہ ہوچکا تو حضرت ابراہیمؑ نے لوط علیہ السلام کی قوم کیلئے سفارش شروع کردی کہ ابھی ان پر عذاب نہ بھیجا جائے اور ان کو غور کرنے کا موقع دیا جائے یجادلنا فی قوم لوط۔ ان ابراھیم لحلیم اواہ منیب[4] - ابراہیم چونکہ بڑا رقیق القلب

---

[1] ہم بھیجے ہوئے آئے ہیں طرف قوم لوط کی۔

[2] اے خرابی کیا میں بچہ جنوں گی اور میں بڑھیا ہوں اور یہ خاوند میرا بوڑھا یہ تو ایک عجیب بات ہے

[3] کیا تو تعجب کرتی ہے اللہ کے حکم سے۔

[4] جھگڑنے لگا ہم سے قوم لوط کے حق میں البتہ ابراہیم تحمل والا نرم دل ہو رجوع رہنے والا۔

بردبار اور ہماری طرف رجوع کرنیوالا بندہ تھا، اس لئے اس نے لوط کی قوم کے متعلق ہم سے جھگڑا شروع کر دیا جب اس نے زیادہ سفارش کی تو ہم نے صاف طور سے کہدیا یا ابراھیم اعرض عن ھذا انه قد جاء امر ربك وانھم اٰتیھم عذاب غیر مردود۔[1] اے ابراہیم تم اس معاملہ میں مداخلت نہ کرو، تمہارے رب کا آرڈر جاری ہو چکا ہے اور اب ان پر سے عذاب واپس نہ کیا جائیگا۔ حضرت ابراہیم اس حکم کو سُنکر خاموش ہو گئے اور ملائکہ کیجانب متوجہ ہو کر فرمایا اس بستی میں لوط بھی تو ہے کیا تم تمام بستی کے رہنے والوں کو تباہ کر دو گے۔ قال ان فیھا لوطا قالوا نحن اعلم بمن فیھا[2]۔ ملائکہ نے جواب دیا آپ اطمینان رکھئے ہم کو بستی کے رہنے والے سب معلوم ہیں۔ ہم سدوم بستی کے ایک ایک شخص سے واقف ہیں ہم لوط اور اس کے متعلقین کو بچا لیں گے۔ البتہ اس کی بیوی کے ہم ذمہ دار نہیں ہیں۔ لوط کی بیوی کا انجام بھی وہی ہوگا جو اور کا فروں کا ہوگا۔

حضرت لوط اور فرشتے

سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے فارغ ہو کر یہ فرشتے حضرت لوط کیخدمت میں حاضر ہوئے

حضرت لوط نے ان کو مہمان سمجھا اور مہمان بھی ایسے جوامرد بھی اور حسین بھی حضرت لوط کو اپنی قوم کا ایرانی المذاق ہونا معلوم ہی تھا ان خوبصورت مہمانوں کو دیکھکر بہت گھبرائے سیئ بھم وضاق بھم ذرعا وقال ھذا یوم عصیب[3]۔ اور ان کو ان مہمانوں کا آنا ناگوار بھی گزرا اور انہوں نے اپنے دل میں کہا آج خدا خیر کرے۔ آج کا دن بڑا سخت ہے باوجود اس گھبراہٹ کے بھی اپنی مشہور رواداری کی بنا پر انکار نہ کر سکے مہمانوں کا گھر میں آنا

[1] اے ابراہیم چھوڑ یہ خیال وہ تو آچکا حکم تیرے رب کا اور ان پر آتا ہے عذاب جو لوٹایا نہیں جاتا۔

[2] بولا اس میں تو لوط بھی ہے وہ بولے ہم کو خوب معلوم ہے جو کوئی اس میں ہے۔

[3] غمگین ہوا ان کے آنے سے اور تنگ ہوا دل میں اور بولا آج دن بڑا سخت ہے۔

غضب ہوگیا۔ سدوم کے بدمعاشوں نے حضرت لوطؑ کے گھر پر چڑھائی کردی اور مطالبہ کیا کہ یہ خوبصورت مہمان ہمارے حوالے کردو۔ حضرت لوطؑ سخت پریشان ہوئے ایک طرف مہمانوں کی آبرو اور عزت کا خیال دوسری طرف بدمعاشوں اور اوباشوں کی چڑھائی ہر طرح قوم کو سمجھاتے ہیں خوشامد کرتے ہیں:۔ لا تخزون فی ضیفی الیس منکم رجل رشید خدا کے واسطے میرے مہمانوں کے معاملہ میں مجھے رسوا نہ کرو کیا تم میں کوئی شخص بھی اتنا شریف اور سمجھدار نہیں ہو جو میری عزت و آبرو کا پاس کرے جب زیادہ پریشان ہوتے ہیں تو فرماتے ہیں اگر تم خواہش نفسانی سے ایسے ہی معذور ہو تو میری بیٹیاں موجود ہیں ان سے نکاح کرلو۔ یہ کام شرعاً جائز بھی ہو اور اخلاقاً پاکیزہ بھی ہے۔ ھولاء بناتی ھن اطھر لکم[1]۔ یہ میری بیٹیاں موجود ہیں اور یہ تمہارے لئے بہت پاکیزہ ہیں۔ اب خیال کیجئے حضرت لوطؑ پر کیا گزری ہوگی خود حضرت لوطؑ کے الفاظ سے ان کی پریشانی ٹپک رہی ہو۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ان کی خوشامد کا کوئی اثر نہیں نہیں ہوتا تو گھبرا کر ان کے منہ سے نکلا۔ لو ان لی بکم قوۃ او اوی الی رکن شدید[2] کاش مجھے تمہارے مقابلہ کی قوت ہوتی یا میرا کوئی زبردست سہارا ہوتا تو میں اس کی پناہ میں چلا جاتا۔

حضرت لوط کی لغزش

حضرت لوط علیہ السلام کے یہی الفاظ تھے جبکی بنا پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

یرحم اللہ لوطا لقد کان یاوی الی رکن شدید اللہ تعالیٰ لوط پر رحم فرمائے کہ وہ حوادثات کا مقابلہ نہ کرسکے اور ان کے منہ سے ایسی بات نکل گئی جو

---

[1] اور مت رسوا کرو مجکو میرے مہمانوں میں کیا تم میں ایک مرد بھی نہیں نیک چلن۔

[2] یہ میری بیٹیاں حاضر ہیں یہ پاک ہیں تم کو ان سے۔

[3] کاش مجکو تمہارے مقابلہ میں زور ہوتا یا جا بیٹھتا کسی مستحکم پناہ میں۔

ان کی شان کے مناسب نہ تھی۔ دیکھا آپ نے اس کو امتحان کہتے ہیں خیال کیجئے ایسے نازک وقت میں اتنی سی بات منہ سے نکلی تھی اسی پر اعتراض ہو گیا کہ کیوں کوئی سہارا خدا کے علاوہ تلاش کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کی حمایت کیوں نہ طلب کی گئی۔ اسی حدیث کا ایک ٹکڑا اور بھی ہے وہ بھی سن لیجئے۔ بڑے لوگوں کو کس قسم کی مشکلات پیش آتی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ ولبثت فی السجن ما لبث یوسف لاجبت الداعی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر میں قید خانے میں اتنی مدت تک جتنی مدت حضرت یوسفؑ رہے ہیں رہتا تو میں تو بلانے والے کے ساتھ ہو لیتا اور یہ نہ کہتا کہ جاؤ پہلے میرے مقدمہ کی تحقیق کرو جب باہر آؤں گا۔

حضرت لوط اور یوسفؑ کی شرکت

میں نے ابھی عرض کیا تھا کہ حضرت یوسفؑ کو ایک سیاسی معاملہ میں مصر کی حکومت نے قید کر دیا تھا۔ ایک عرصہ کے بعد خواب کی تعبیر کے سلسلے میں حضرت یوسفؑ کی رہائی کے احکام صادر کئے گئے اور جب شاہی حکم لیکر قاصد پہونچا اور حضرت یوسفؑ کو معلوم ہوا کہ میری رہائی کا حکم آیا ہے تو انہوں نے حکم لانیوالے قاصد سے کہا کہ پہلے میرے کیس کی تحقیقات کراؤ جب تک میرے مقدمہ کی تحقیقات نہ ہوگی میں جیل سے باہر نہیں آؤنگا۔ تقریباً سات سال یا بارہ سال جیل خانے میں رہنے کے بعد حضرت یوسفؑ کا یہ صبر و استقلال یقیناً اس قابل تھا کہ اس کی تعریف کیجاتی چنانچہ سرکار نے فرمایا اگر میں اتنے زمانہ تک قید خانے میں رہتا اور میرے نام حکم آتا تو میں فوراً جیل سے باہر آجاتا اور جو شخص رہائی کا حکم لیکر آیا تھا اسی کے ہمراہ جیل سے نکل آتا۔ بظاہر تو ان الفاظ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی تعریف و توصیف مقصود ہے۔ ان کے عزم انکی ہمت ان کے صبر و استقلال کو سراہنا مقصود ہے کہ جو کام حضرت یوسفؑ نے کیا

وہ میرے بھی بس کا نہ تھا، اگر مجھے اتنے عرصہ تک قید میں رہنے کی نوبت نہ آتی تو میرے لئے یہ دشوار تھا کہ میں مقدمہ کی تحقیقات تک جیل میں بیٹھا رہتا اگرچہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا بطور تواضع کے تھا ورنہ آپ کا صبر واستقلال تو ہر ایک پیغمبر سے زیادہ تھا۔

حدیث شریف کے ایک اور معنی

صاحبو! حدیث کے دوسرے ٹکڑے کا ایک مطلب تو یہی ہے جو میں نے عرض کیا اور ظاہر یہی معنی ہیں لیکن ایک اور معنی بھی ہیں اور وہ یہ ہیں کہ جس طرح پہلے ٹکڑے میں حضرت لوط کیلئے یرحم اللہ لوطاً اور یغفر اللہ لوطاً فرماکر حضرت لوطؑ کی ایک لغزش کیطرف لطیف اشارہ فرمایا ہے اسی طرح اس دوسرے ٹکڑے میں بھی حضرت یوسفؑ کی ایک لغزش کی جانب خفیف سا اشارہ فرمایا ہے۔ اور وہ یہ کہ حضرت یوسفؑ کا یہ فعل اگرچہ ان کے صبر واستقلال اور عزم وہمت کی کھلی ہوئی دلیل ہو لیکن رضا بالقضا کی شان کے مناسب نہیں ہے۔ رضا بالقضا کی شان تو یہ ہونی چاہئے تھی کہ جب قید میں جانے کا حکم ہوا چلے گئے اور جب نکلنے کا حکم ہوا تھا تو نکل آتے۔ حضرت یوسف کو یہ کیا حق تھا کہ اپنی صفائی کی کوشش کرتے بلکہ رضا بالقضا کا تقاضا یہ تھا کہ جب اخراج کا حکم موصول ہوا تھا اور حضرت حق کی جانب سے اخراج کے اسباب پیدا ہوئے تھے تو یوسف کو تعمیل کرنی چاہیئے تھی اور اپنے ارادہ کو دخل نہیں دینا چاہئے تھا اگر میرے ساتھ یہ معاملہ پیش آتا تو میں رضا بالقضاء کا پورا ثبوت مہیا کرتا اور اپنی طرف سے ایک لفظ بھی نہیں کہتا یہ معنی جو میں نے عرض کئے ہیں انکی تقدیر پر حضرت لوط اور حضرت یوسف علیہما السلام کی خفیف اور معمولی سی لغزشوں کی جانب اشارہ ہوگا اور حدیث کے دونوں ٹکڑوں میں ربط بھی ہوجائے گا۔

اوی الی رکن شدید

حضرت یوسفؑ کے متعلق جو کچھ میں نے عرض کیا ہے یہ اس تقدیر پر صحیح ہوگا جب حضرت لوط علیہ السلام کے الفاظ کا یہ مطلب ہو کہ انہوں نے غیر اللہ کا سہارا تلاش کیا اور پریشانی کے وقت یہ کہا کہ اگر میرے رشتے دار اور کنبے قبیلے کے لوگ ہوتے تو وہ میری حمایت کرتے اور میں ان کا سہارا لے لیتا لیکن اگر ان کے الفاظ کا مطلب یہ ہو کہ انہوں نے رکن شدید سے اللہ تعالیٰ کی ذات کا سہارا مراد لیا ہو اور خدا کی پناہ تلاش کی ہو تو پھر ان کی لغزش کی طرف اشارہ نہ ہوگا بلکہ ان کی قابل رحم حالت کا تذکرہ ہوگا اور اسی قابل رحم حالت اور ان کی پریشانی کے تذکرہ پر ان کیلئے دعائیہ کلمات فرمائے ہونگے اور مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالےٰ لوطؑ پر رحم فرمائے اور انکی مغفرت کرے۔ انہوں نے اپنی نالائق قوم کے ہاتھوں کیسی کیسی مصیبتیں اٹھائیں اور کس قسم کی افسوسناک پریشانیوں میں مبتلا کئے گئے اور جب حدیث کے پہلے جملے کے یہ معنی کئے جائیں کہ حضرت لوطؑ کے مصائب و آلام کا ذکر کرکے انکے صبر کی تعریف کرنا مقصود ہے تو پھر حضرت یوسفؑ کے متعلق بھی یہی معنی ہونگے کہ ان کے عزم و استقلال کی تعریف فرمائی ہو تاکہ دونوں جملوں کا ربط معنوی باقی رہے۔

حدیث شریف کا تیسرا ٹکڑا

اسی روایت میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا ذکر بھی کیا ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں نحن احق بالشك من ابراهیم اذ قال له او لم تؤمن قال بلی ولکن لیطمئن قلبی اس جملے میں بھی دونوں احتمال موجود ہیں لیکن انکی تفصیل کا تو موقع نہیں ہے۔ انشاء اللہ پھر کسی موقع پر عرض کرونگا۔ دیکھئے اتفاق کی بات کہ بات کہاں سے کہاں پہونچ گئی میں تو عرض کر رہا تھا کہ حضرت حق نے اپنے کلام میں جن چیزوں کی قسم کھائی ہے وہ خاص مصالح کے ماتحت ہی۔ ابھی پر میں نے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی قسم کھانے کا تذکرہ کیا تھا اور چونکہ یہ قسم حضرت لوط علیہ السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے کھائی گئی ہے اس لئے حضرت لوطؑ کا ذکر آگیا اور بات لمبی ہوگئی۔ بہرحال حضرت لوط علیہ السلام کی اس پریشانی کا تصور کیجئے جو انکو اسوقت پیش آئی جبکہ ان کی نالائق قوم نے ان کے معزز مہمانوں پر حملہ کیا اور اللہ تعالیٰ کے ایک پیغمبر کی آبرو اور اس کی عزت خطرے میں پڑگئی ایسے نازک وقت میں آپ ہی فرمایئے کہ حضرت لوط پر کیا بنی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ حضرت لوطؑ کی اس پریشانی کا ذکر فرماتے ہوئے قسم کھاتے ہیں۔ لعمرك انهم لفی سكرتهم يعمهون اے محمدؐ آپ کی زندگی کی قسم سدوم کے کافر اپنی سرکشی اور شہوت پرستی میں مدہوش تھے۔ اب میں جناب سے دریافت کرتا ہوں ایک پیغمبر کی عزت و آبرو کا ذکر ہے اس موقع پر اگر ایک پیغمبر ہی کی جان کی قسم کھائی جائے تو کیا نامناسب ہے؟ اس سے بہتر اور کیا مناسبت ہوسکتی ہے کہ ایک پیغمبر کی بے کسی اور پریشانی کا ذکر کرتے ہوئے اس اندوہناک اور دلخراش واقعہ پر دوسرے پیغمبر کی زندگی اور حیات کی قسم کھائی جائے۔ یہ تو کلام کی انتہائی خوبی ہے۔ اسی طرح ہر موقع پر جہاں جہاں اللہ تعالیٰ نے قسمیں کھائی ہیں وہاں کوئی نہ کوئی رعایت ضرور ملحوظ رکھی گئی ہے۔

والشمس کی سات قسمیں

یہ ذکر غالباً سورۂ والشمس کی قسموں سے چلا ہے اس سورت میں حضرت حق نے سات چیزوں کی قسمیں کھائی ہیں۔ والشمس وضحها والقمر اذا تلها والنهار اذا جلها[1]

---

[1] قسم سورج کی اور اس کے دھوپ چڑھنے کی اور چاند کی جب آئے سورج کے پیچھے اور دن کی جب روشن کرے اس کو اور رات کی جب اس کو ڈھانک لیوے اور آسمان کی اور جیساکہ اسکو بنایا اور زمین کی اور جیساکہ اس کو پھیلایا اور جی کی اور جیساکہ اس کو ٹھیک بنایا پھر سمجھ دی اس کو ڈھٹائی اور بچکر چلنے کی۔

والیل اذا یغشٰہا والسماء وما بنٰہا والارض وما طحٰہا ونفس وما سوٰہا فالہمہا فجورہا وتقوٰہا۔ سورج کی قسم اور اس کی روشنی کے تیز ہونے کی قسم چاند کی قسم جب وہ چاند سورج کے پیچھے چلے۔ دن کی قسم جب اس کو روشن کرے اور رات کی قسم جب اس کو ڈھانک لے۔ آسمان اور اس کے بنانے کی قسم زمین اور اس کے پھیلاؤ کی قسم نفس کی قسم اور اس کے ترتیب وتسویہ کی قسم ان تمام قسموں کے بعد انسان کا نقشہ ذیل کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے فالہمہا فجورہا وتقوٰہا یعنے انسان کا نفس اور اس کی طبیعت فجور وتقویٰ کیساتھ ترکیب دی گئی ہے گویا انسان کیا ہے فجور وتقویٰ کا مجموعہ ہے۔ جناب کی کچھ سمجھ میں آیا آپ کون ہیں نیکی اور بدی کی آپ ایک پوٹ ہیں۔ آپ میں ملکیت اور شیطنت دونوں شامل ہیں آپکی طبیعت دو مختلف ملکوں سے مرکب کی گئی ہے۔ نہ آپ خالص فرشتے ہیں کہ آپ سے گناہ کا وقوع ہی نہ ہو اور نہ جناب شیطان ہیں کہ گناہ کے بعد توبہ اور نیکی کا صدور ہی نہ ہو۔ آپ حضرت حق کی صفت رحمت وغضب کے مظہر ہیں اور اسی وجہ سے آپکو اللہ تعالےٰ کے دونوں ہاتھوں کی بنائی شئے کہتے ہیں۔

ما خلقت بیدی

شیطان نے جب آپ کے والد بزرگوار کے سامنے حلف وفاداری سے انکار کیا اور اسپر مقدمہ قائم ہوگیا تو دوران مقدمہ میں حاکم کیطرف سے سوال کیا گیا کیوں جی تم نے ایسے شخص کا اقتدار تسلیم کرنے سے کیوں انکار کیا جسکو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا ہے' دونوں ہاتھوں سے بنانیکا مطلب یہ ہے کہ انسان کو میں نے اپنی صفت جلال وجمال کا مظہر بنایا ہے۔ تواضع اور استکبار کے دونوں وصف انسان میں موجود ہیں دونوں ہاتھوں کا مطلب جو میں نے عرض کیا ہے یہ مطلب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب سر الاسرار میں فرمایا ہے۔ میری گذارش کا خلاصہ یہ ہے کہ

مثلاً چار ہی قسم کی مخلوق ہوسکتی تھی اور وہ چاروں اقسام اس طرح پوری ہوگئیں ان چاروں میں سب سے زیادہ نمایاں اور اقرب الی المقصود آپ ہی ہیں۔ غالباً اس تقریر سے آپکو اپنی پیدائش کا منشا بھی معلوم ہوگیا ہوگا۔ بات کہنے کی نہیں ہے اور اس وجہ سے نہیں کہ بات غلط ہے بلکہ تمہاری بیوقوفی سے ڈرتا ہوں ہم کو اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ ہم کسی کی مسرت کا سامان مہیا کریں۔

مسلم شریف کی حدیث

شاید آپ نے سنا ہوگا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تمام انسان گناہ کرنا ترک کردیں اور سب کے سب نیک ہی بن جائیں اور فرشتوں کی طرح نیکی ہی کے کام کریں اور گناہوں کا دروازہ ہی بند کرلیں تو اللہ تعالےٰ انکو باقی نہ رکھے بلکہ انکی جگہ اور ایک ایسی قوم پیدا کرے جو گناہ بھی کرے اور نیکی بھی کرے۔ میں آپ سے دریافت کرتا ہوں اگر انسان کی پیدائش سے یہ مقصود نہ تھا تو پھر اس کھلونے کو پیدا کرنے کی ضرورت کیا تھی۔ تسبیح و تقدیس کے لئے ملائکہ اور گناہ کیلئے شیاطین کافی تھے لیکن یہ دونوں متضاد چیزیں ایک مادہ میں جمع نہ تھیں۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف دو متضاد قوتوں کو یکجا کرکے اسکا نام انسان رکھ دیا ہے اس سے بڑھ کر اور انسان میں کیا ہے لیکن آپ نہیں جانتے کہ انسان (دو متضاد قوتوں کے مجموعہ) نے ایک نئی شان پیدا کردی یہ مجموعہ کیا ہے کسی چھپی ہوئی طاقت کی خوشنودی اور اس کی مسرتوں کو مہیا کرنے والا ہے۔

صاحبو! میں کس طرح آپ کو سمجھاؤں اور کن الفاظ میں آپکو بتاؤں کسی کریم کا بے غایت کرم اپنی شہرت و اعلان کے لئے مضطرب تھا کسی سخی کی بے غایت بخشش سائلوں کی تلاش میں پریشان پھر رہی تھی۔ کسی غفار کی مغفرت اپنے ظہور کیلئے بے چین تھی کسی رحیم کی بیکراں رحمت اپنا ٹھکانا ڈھونڈ رہی تھی۔ کسی تواب کو

توبہ قبول کرنے کا شوق تھا لیکن کوئی توبہ کرنے والا نہیں ملتا تھا کسی معاف کرنے والے کو اپنی معافی کا اعلان کرنا مقصود تھا۔ لیکن معافی کی درخواست کرنے والا معدوم تھا۔

صاحب اسرار الفاتحہ کا ایک واقعہ

صاحب اسرار الفاتحہ اپنی تفسیر میں قیامت کا ذکر کرتے ہوئے ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت میں ہر ایک پیغمبر کو حکم ہوگا کہ تم اپنی اپنی امتوں کو حاضر کرو۔ تمام پیغمبر اسکی تعمیل کرینگے۔ میں اپنے اصحاب اور دیگر رفقاء سے مشورہ کرونگا کہ مجکو کیا کرنا چاہئے سب لوگوں کی رائے یہ ہوگی کہ آپ کی امت میں بیشمار نیک لوگ ہیں انکو اپنے ہمراہ لیجائیے اور پیش کردیجئے۔ آپکی امت کو جنت میں داخل ہونیکا حکم دیدیا جائیگا سرکار فرماتے ہیں میں اپنی امت کے نیک لوگوں کو جمع کرکے پیش کرونگا تو ارشاد ہوگا اے محمدؐ یہ تو سب کے سب نمازی اور تہجد گزار ہیں وہ لوگ کہاں ہیں جو کبھی نماز ہی نہیں پڑھتے تھے' یہ تو سب کے سب وہ ہیں جو نفلی روزے بھی ترک نہیں کرتے تھے لیکن وہ کہاں ہیں جو رمضان میں علی الاعلان کھاتے پھرتے تھے' یہ تو وہ ہیں جو زکواۃ کے ساتھ نفلی خیرات بھی کرتے تھے لیکن وہ بخیل کہاں ہیں جن کے دروازے پر کوئی سائل کبھی کامیاب ہی نہیں ہوا' یہ تو وہ ہیں جو ہمیشہ ماں باپ کی اطاعت کرتے تھے لیکن وہ کہاں ہیں جو ماں باپ پر ظلم کیا کرتے تھے۔ یہ تو وہ ہیں جو پڑوسیوں کی حفاظت کرتے تھے لیکن پڑوسیوں پر ظلم کرنیوالے کہاں ہیں۔ یہ تو وہ ہیں جو ہمیشہ سچ بولا کرتے تھے لیکن جھوٹے اور دروغ گو کہاں ہیں۔ جب اس تفصیل کیساتھ جرائم پیشہ لوگوں کی حاضری کا مطالبہ کیا جائیگا تو میں عرش الہٰی کے نیچے ایک طویل سجدہ کرونگا اور اس میں اللہ رب العزت کی حمد بیان کرونگا اور حمد بھی ایسی بیان کروں گا

جو تمام پیغمبروں کی حمد سے بڑھ جائے گی ۔ میں عرض کرونگا الٰہی میری امت کے گناہگاروں کو طلب کر کے مجھے میدان محشر میں رسوا نہ کریں ان روسیاہوں کو لاکر میدان محشر میں کیا کرونگا، مجکو تو یہ توقع تھی کہ میں نیک بندوں کو دکھا کر تمام امت کی بخشش کا اعلان کرالوں گا ۔ الٰہی تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ میں تمکو راضی کر دونگا ۔ اے میرے آقا تیرا وہ وعدہ کہاں ہے ۔ میری امت کے معاملہ میں میری رسوائی اور ذلت کا سامان نہ کر ۔ جب میری حمد اور گریہ وزاری حد سے بڑھ جائیگی تو ارشاد ہوگا اے محمدؐ سر اٹھاؤ جو مانگو گے دیا جائیگا اور جس کی شفاعت کروگے قبول کیجائیگی تم نے یہ کس طرح سمجھ لیا کہ میں تمہاری امت کے گناہگاروں کو تمہاری رسوائی کیلئے بلا رہا ہوں ۔ تم یہ تو بتاؤ جب تک گناہگار نہ ہوں میں اپنی مغفرت اور کرم کا اظہار کس پر کروں گنہگاروں کا مطالبہ اس غرض سے کیا جارہا ہے کہ انپر کرم و مغفرت کا اظہار کیا جائے انکی حاضری کا حکم اسلئے نہیں دیا گیا ہے کہ تمکو ذلیل یا رسوا کیا جائے ۔ امیر مینائی نے کیا خوب کہا ہے

وہ کرشمے شانِ رحمت نے دکھائے روزِ حشر
چیخ اٹھا ہر بے گناہ میں بھی گناہگاروں میں ہوں

ہر کمال کا شوق

صاحبو! یہ تو کھلی ہوئی بات ہے ہر کمال نمایاں ہونے کیلئے مضطرب ہوا کرتا ہے ہم تو فانی حسن کی روزمرہ یہ زورازوری دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی جانب متوجہ کرنے کیلئے سو جتن کرتا ہے ۔ بھلا حسن حقیقی اور کمال ازلی کو یہ خواہش نہ ہوگی کہ اس کا ظہور ہو ۔ انسان کی پیدائش یا متضاد قوتوں کے اجتماع کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ کسی کے کمال رحم و کرم اور مغفرت کا اظہار کیا جائے ۔ اور یہ اس پر موقوف تھا کہ کوئی مانگنے والا آئے کوئی روتا ہوا حاجتمند آئے، کوئی گناہگار اپنے گناہوں سے نادم اور منفعل ہوتا ہوا دروازے پر حاضر ہو ۔ کوئی مظلوم عدل و انصاف طلب کرتا ہوا خدمت میں پیش ہو تا کہ کوئی کریم

اپنے کرم کا کوئی رحیم اپنی رحمت کا کوئی سخی اپنی سخاوت کا کوئی معاف کرنے والا اپنی معافی کا کوئی حکیم اپنی حکمت کا کوئی غفار اپنی مغفرت کا کوئی ستار اپنی پردہ پوشی کا کوئی حلیم اپنے علم اور بردباری کا، کوئی تواب توبہ قبول کرنیکا، کوئی رزاق اپنے رزق دینے کا مظاہرہ کرے اور اس طرح بندے کی ضرورت پوری ہوجائے اور بندہ نواز کو اپنی بے غایت وبیکراں شانوں کے اظہار کا موقع ملجائے فسبحان الذی بیدہٖ ملکوت کل شئی والیہ ترجعون۔

سائل اور تائب کی تلاش

حضرات اگرکسی کو اپنے کمالات ازلیہ کے اظہار کا شوق دامنگیر نہیں ہے تورات کے پچھلے حصہ میں کیوں ایک ایک کے گھر پہ دستک دیجاتی ہے اور کیوں یہ دریافت کیا جاتا ہے کہ

ھل من سائل ھل من داع ھل من مستغفر ھل من مسترزق ھل من مبتلی۔	کوئی مانگنے والا ہے؟ تاکہ میں اس کو دیدوں ۔ کوئی پکارنیوالا ہے؟ تاکہ میں اسکی پکار کو قبول کرلوں کوئی بخشش طلب کرنیوالا ہے؟ تاکہ میں اسکی بخشش کردوں۔ کوئی رزق طلب کرنے والا ہے؟ تاکہ میں اس کو رزق دیدوں۔ کوئی بیمار ہے؟ تاکہ میں اس کو شفا دیدوں ۔

آپ ہی بتائیے اگر کوئی دینے والا اپنی دین کے لئے مضطرب نہیں ہے تو راتوں کو در در کیوں پھرا کرتا ہے اور سُنئیے ۔

ان اللہ یبسط یدہ باللیل لیتوب مسئی النہار ویبسط یدہ بالنہار حتی تطلع الشمس	اللہ تعالٰے اپنا ہاتھ رات کو پھیلاتا ہے تاکہ دن کے گناہ کرنیوالوں کی توبہ قبول کرلے ۔ اور دن کو ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ رات کے گناہ گاروں کی توبہ

من مغربہا۔ قبول کرے اور جب تک توبہ کا دروازہ بند نہ ہو جائے اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ جاری رہے گا۔

اللہ اللہ! دیکھا آپ نے شوقِ عطا، اگر کوئی سخی اپنی سخاوت کے لئے مضطرب نہیں ہے تو صبح اور شام کیوں ہاتھ پھیلا کر گناہگاروں کی تلاش کیا کرتا ہے۔

دوزخ سے آخری نجات پانے والا

شاید آپکو یاد ہوگا کہ ایک مسلمان اپنے گناہوں کے باعث سب سے آخر تک دوزخ میں رہے گا۔ جب اس کے نکلنے کا وقت آئیگا تو ارشاد ہوگا کیوں چیخ رہا ہے وہ عرض کریگا میرے آقا مجھے دوزخ نے کھالیا تمام گناہگار مسلمان دوزخ سے نکل گئے لیکن میرے لئے اتنا تو کردیا جائے کہ مجھے دوزخ کے کنارے پر کھڑا کردیا جائے اور وسط جہنم سے نکالدیا جائے۔ ارشاد ہوگا اگر تیری یہ تمنا پوری کردی جائے تو پھر کچھ سوال تو نہیں کریگا، وہ عرض کریگا اے میرے رب پھر میں کچھ طلب نہیں کرونگا۔ چنانچہ اس کو کنارے پر کھڑا کردیا جائیگا ایک عرصہ تک یہ خاموش رہے گا، پھر چیخنا شروع کریگا ارشاد ہوگا اب کیا کہتا ہے؟ یہ عرض کریگا الٰہی مجکو دوزخ سے باہر کھڑا کردیا جائے، ارشاد ہوگا تو نے کہا تھا میں کچھ اور طلب نہیں کرونگا، یہ عرض کریگا مجھے آپ کے عزت وجلال کی قسم اگر آپنے میری یہ درخواست قبول کرلی تو پھر کچھ نہیں کہونگا۔ ارشاد ہوگا اچھا اس کو باہر کردیا جائے۔ دوزخ سے باہر نکلنے کے بعد اسکو ایک درخت نظر آئیگا ایک عرصہ تک جب تک اللہ چاہے گا یہ خاموش رہے گا۔ عرصہ کی خاموشی کے بعد پھر عرض کریگا اے میرے پروردگار اگر تو مجھے اس درخت کے نیچے پہنچادے تو میں آرام سے بیٹھا رہونگا اور پھر کچھ نہیں کہونگا۔ ارشاد ہوگا ابن آدم تو بڑا کذاب ہے تو نے تو قسمیں کھاکر کہا تھا میں اب کچھ اور نہیں کہونگا۔ یہ عرض کریگا الٰہی تیری عزت وجلال کی قسم کھاکر

کہتا ہوں کہ درخت کے نیچے پہنچ جانے کے بعد پھر کچھ عرض نہیں کرونگا۔ چنانچہ یہ درخواست منظور کرلی جائے گی۔ درخت کے نیچے پہونچ جانے کے بعد ایک طویل عرصہ تک جسکی مقدار اللہ تعالےٰ ہی جانتا ہے خاموش رہے گا لیکن درخت کے نیچے پہنچنے کے بعد اس کو جنت کا دروازہ نظر آجائیگا، یہ بندہ ایک زمانۂ دراز تک خاموش رہیگا۔ جنت کے دروازے کو دیکھے گا اور خاموش ہوجائیگا یہاں تک کہ جب ایک طویل مدت گزرجائیگی تو پھر عرض کریگا۔ الٰہی اگر مجھ کو جنت کے دروازے تک پہونچا دیا جائے تو پھر میں کوئی چیز طلب نہیں کرونگا ارشاد ہوگا، ابن آدم تو بڑا کذاب اور جھوٹا ہے ہر بار قسمیں کھاتا ہے اور توڑتا ہے تو نے نہیں کہا تھا کہ درخت کے نیچے پہنچنے کے بعد پھر کچھ نہیں کہونگا بندہ پھر عزت وجلال کی قسمیں کھاکر وعدہ کریگا اور نہایت مُوثق طریقہ پر وعدہ کرے گا الٰہی جنت کے دروازے تک پہنچ جانے کے بعد پھر مجھے کونسی ضرورت باقی رہ جائے گی۔ دروازے پر بیٹھا بیٹھا جنت کو دیکھا کروں گا اور آپ سے کچھ نہیں کہوں گا۔ چنانچہ پھر درخواست قبول کرلی جائے گی اور جنت کے دروازے پر پہنچا دیا جائے گا۔

سائل اور سخی میں کشمکش

حضرات! جنت کے دروازے پر پہنچنے کے بعد یہ شخص خاموش ہوکر بیٹھ جائے گا اور یہاں تک ضبط سے کام لیگا کہ باوجود انتہائی شوق کے ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالے گا ؎

شوق کہتا ہے ابھی عرض تمنا کیجئے
دل یہ کہتا ہے کہ پڑتی نہیں ہمت میری

خدا جانے اس خاموشی اور ضبط کا سلسلہ کبتک جاری رہیگا۔ یہاں تک کہ سخی کا انتظار حد سے گزرجائیگا۔ کسی کے شوق عطا اور جذبۂ جود وکرم کا تقاضا

یہ ہوگا کہ سائل کچھ مانگے اور میں دوں۔ سائل کو یہ ضد ہو ہو گی کہ میں اپنی زبان سے اب کچھ نہیں کہونگا۔ کیا مزیدار ضد بحث ہو گی کہ سائل خاموش بیٹھا ہے اور دینے والے منتظر کھڑے ہیں کہ کب اس کے منہ سے اپنی حاجت کا اظہار ہو اور میں پورا کروں۔ زمانہ گزر جاتا ہے لیکن سائل ٹس سے مس نہیں ہوتا جب ایک مدت گزر جائیگی جسکی تعداد اللہ ہی جانتا ہے۔ اور باوجود طویل مدت کے سائل نہ بولیگا تو سخی فرمائیگا۔ اے بندے اب کچھ نہیں مانگتا۔

دیکھا آپ نے شوق سخاوت !! اس ضد بحث کا نتیجہ کیا نکلا۔ بھلا سائل اور سخی کی ضد بحث اور پھر سخی کی ہار! ہر دفعہ سائل سے صبر نہ ہوتا تھا اور داتی فیض کریم سے ضبط نہ ہوسکا۔ بھلا کوئی دریافت کرے کہ جناب کو اس امر کے دریافت کرنے کی کیا پڑی تھی کہ اب کچھ مانگتا نہیں۔ اگر سائل چُپ ہوگیا تھا تو آپ کو اسے چھیڑنے کی کیا ضرورت تھی۔

صاحبو! میں کیا عرض کروں معاملہ ایسا ہے کہ جس کا کہنا مشکل ہے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ مانگنے والے سے دینے والا زیادہ بے قرار ہے۔ جب کریم کی جانب سے دریافت کیا گیا تو سائل عرض کریگا مجھے شرم آتی ہے کئی مرتبہ قسمیں کھا کھا کر توڑ چکا ہوں ارشاد ہوگا ہم سے مانگنے میں کیا شرمانا، ہم جانتے ہیں تو جنت میں جانا چاہتا ہے جا ہم نے تجھ کو بخشدیا۔ یہ سُنکر بندہ جنت میں جانیکا قصد کریگا لیکن اس کو جنت میں کوئی خالی بالاخانہ نظر نہ آئیگا۔ چونکہ سب سے پیچھے داخل ہوگا تو تمام جگہ بھری ہوئی معلوم ہوگی۔ یہ جنت کے دروازے میں کھڑا ہو کر کہیگا اتستہزئ منی وانت رب العلمین آپ رب العالمین ہو کر مجھ سے مذاق کرتے ہیں۔ ارشاد ہوگا ہم مذاق نہیں کرتے بلکہ تیرے لئے دنیا سے دس گنی بڑی بادشاہت وحکومت موجود ہے۔

خلاصہ کلام

اس تمام تقریر کے بعد غالباً آپ سمجھ گئے ہونگے کہ ملکات مختلفہ کو ایک مادے میں جمع کرنے اور اسکا نام انسان رکھنے کا اصل مقصد کیا ہے۔ بات ایسی ہے کہ اس کا کہنا بھی مشکل اور نہ کہنا بھی مشکل۔ مجھے افسوس ہے کہ بعض الفاظ میرے منہ سے ایسے نکلے جو حضرت حق کی شان کے لائق نہ تھے۔ میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے اضطراب اور مجبوریوں سے پاک ہیں وہ اس سے بالاتر ہیں کہ وہ کسی سے ہار جائیں یا کسی کے آگے ہاتھ پھیلائیں۔ لیکن بھائی کیا کروں میں اس مفہوم کو آپکے سامنے کس طرح ادا کرتا۔ میں آپسے صاف عرض کرتا ہوں کہ میں جو کچھ خلق انسانی کو سمجھے ہوئے ہوں مجھے افسوس ہو کہ میں اب بھی آپ کو نہیں سمجھا سکا اور اللہ معاف کرے اس سعی اور کوشش میں بعض الفاظ ایسے بھی نامناسب اور ناملائم نکلے جنکی ظاہری سطح حضرت حق کی شان برتر و اعلیٰ کے ہرگز لائق نہیں ہے۔ جو چیز میں نے آپکو سمجھانے کی کوشش کی وہ اصل میں سمجھانے کی چیز نہیں ہے۔ اول تو آپ کچھ سمجھے ہی نہ ہوں گے۔ اور اگر کچھ سمجھے بھی ہوں تو میں آپ سے کہتا ہوں ناسمجھ بن جائیے۔ کیونکہ اس راہ میں نادانی بے وقوفی اور دیوانگی ہی محفوظ و مامون راہ ہے۔

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

اسی کو حضرت عارف رومی نے فرمایا ہے اور کیا خوب فرمایا ہے۔

آزمودم عقل دور اندیش را
بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

قسموں کی مناسبت

ایک بات درمیان میں آگئی تھی ہیں وہ بھی عرض کردوں اور وہ یہ ہے کہ قرآن حکیم میں

جن اشیاء کی قسمیں کھائی ہیں وہاں مقسم علیہ سے کوئی مناسبت ضرور ہے
چنانچہ والشمس میں جو قسمیں کھائی ہیں وہ مختلف اشیاء کی قسمیں ہیں جو آپس میں متضاد
ہیں مثلاً سورج کے اثرات چاند سے مختلف ہیں اور دن رات کی ضد ہے آسمان اور
زمیں میں باہمی فوق اور تحت کا تقابل ہے۔ نفس انسانی اور اسکا تسویہ و تعدیل
دو مختلف چیزیں ہیں جس طرح مقسم بہم متضاد اور باہمی مختلف ہیں اسی طرح مقسم علیہ
بھی ملکات متضادہ کا مجموعہ ہے جو فجور و تقویٰ کی آمیزش سے ترکیب دیا گیا ہے۔

ایک اور مثال

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقۂ تعلیم کے متعلق میں عرض کر رہا تھا کہ بڑے بڑے اہم اور ادق مسائل کو سرکار نے چھوٹی چھوٹی مثالیں دیکر اس طرح سمجھایا ہے کہ عرب کے بدو جو ہر قسم کی تہذیب و تمدن سے نا آشنا تھے وہ دنیا کے استاد بن گئے اور آج اگرچہ مسلمانوں کے پاس سیاسی اور پولٹیکل اقتدار باقی نہ رہا لیکن جہانتک اسلامی تہذیب کا سوال ہے اس کے سامنے دنیا کے ارباب عقول اور اہل علم اور بڑے بڑے فلاسفہ و حکماء اسی طرح مغلوب ہیں جس طرح باطل ہمیشہ حق کے سامنے مغلوب رہا ہے۔

میں نے چند تمثیلات آپ کو سنائی تھیں اس سلسلے میں حضرت حق کی مسرت اور ان کے خوش ہونے کی بھی ایک مثال کا ذکر آ گیا تھا اور وہ بات اتنی طویل ہو گئی کہ آپکو تو یہ یاد بھی نہ رہا ہوگا کہ بات کہاں سے شروع ہوئی تھی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعجاز اور آپکے معجزات کی بحث میں یہ چیز آئی تھی کہ اگر ہمارے تعلیم یافتہ بھائی معجزات کے قائل نہیں، تو کیا تیئیس ۲۳ سال کی مدت میں ایک پست قوم کو اتنا بلند کر دینا اور نا آشنائے فطرت کو آشنائے فطرت بنا دینا بھی اعجاز نہیں ہے؟ یہ دوسری بات ہے کہ نبوت کے دلائل اور اثبات نبوت میں معجزات کو دخل ہے یا نہیں۔

میں اس وقت اس بحث میں مبتلا ہونا نہیں چاہتا یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ

پڑھے لکھے اور سمجھدار آدمی ہمیشہ معقول دلیل تلاش کیا کرتے ہیں، وہ خرق عادات یا معجزات وکرامات سے متاثر نہیں ہوا کرتے لیکن ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو دلائل کے سمجھنے سے عاری ہے اس کا مقابلہ معجزات اور خرق عادات سے ہی ہو سکتا ہے وہ دلائل کو کیا جانیں اسلئے یہ دعوی کہ اثبات نبوت میں معجزات کو کوئی دخل نہیں ایسا ہی لغو اور مہمل ہے جیسے کوئی یوں کہے کہ جس کے پاس معجزہ نہ ہو وہ نبی نہیں یا جسکے پاس کرامت نہ ہو وہ ولی نہیں دلائل نبوت میں معجزات اور خرق عادات کو من وجہ دخل ضرور ہے۔

بہرحال معجزات کی بحث کے سلسلے میں حضور کی تعلیم کا ذکر آگیا تھا، تعلیم کے ذکر میں طریقہ تعلیم کی بحث آگئی۔ طریقہ تعلیم میں ایک شعبہ تمثیلات کا بھی تھا، یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مثال دیکر بعض مشکل سے مشکل مسائل کو ایسا حل کر دیا جن کا سمجھنا آسان نہ تھا اگرچہ اس قسم کی صدہا مثالیں قرآن اور احادیث میں ملتی ہیں لیکن میں نے ان میں سے چند امثلہ کا ذکر آپ سے کیا تھا۔ اسمیں بحث طویل ہو گئی ان تمام امثلہ کا ذکر تو اس وقت ناممکن ہے مگر ایک دو مثالیں اور سن لیجئے اسکے بعد میں تقریر ختم کر دونگا۔

مومن اور منافق کی مثال

میں نے ابھی آپ سے عرض کیا تھا کہ مومن پر مصائب آتے رہتے ہیں اور منافق یا فاسق وفاجر کو مہلت ملتی رہتی ہے۔ یہ وہ چیز ہے جس سے بعض دفعہ سمجھدار آدمی بھی متاثر ہو جاتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ میں نماز بھی پڑھتا ہوں، عبادت بھی کرتا ہوں لیکن مجھ پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹتے ہیں اور فلاں شخص نافرمانی کرتا ہے لیکن اسکو کوئی مصیبت نہیں پہنچتی اور وہ مزے کرتا پھرتا ہے۔ یہ مسئلہ بھی نہایت اہم ہے طبیعت انسانی یہ چاہتی ہے کہ جب میں نیک کام کر رہا ہوں تو مجھ کو آرام ملنا چاہیئے اور بروں کو تکلیف پہنچنی چاہیئے جب اس کے خلاف دیکھتا ہے تو متاثر ہوتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ اللہ تعالے کے ہاں

بھی وفاداروں کی پرسش نہیں ہے۔ سرکار فرماتے ہیں حوادثات سے متاثر نہیں ہونا چاہیئے مومن کی مثال ایسی ہے جیسے ہری کھیتی۔ اور منافق کی مثال ایسی ہے جیسے صنوبر کا درخت۔ ہری کھیتی کو معمولی ہواؤں کے جھونکے بھی پریشان کرتے رہتے ہیں ہری کھیتی گرتی ہے اور سنبھل جاتی ہے، جب ہوا چلے تو جھک جاتی ہے۔ پھر سیدھی ہو جاتی ہے لیکن صنوبر کا درخت جب گرتا ہے تو جڑ سے اکھڑ کر گر جاتا ہے اور اسکو سنبھلنا نصیب نہیں ہوتا۔ اگرچہ معمولی ہوائیں اس پر اثر انداز نہیں ہوتیں لیکن جب کبھی گرتا ہے تو جڑ ہی گر جاتا ہے۔ اس مثال میں ایک بہت بڑے فلسفے کو حل فرمادیا ہے تاکہ مسلمان ان حوادثات سے متاثر نہ ہو جو روزمرہ پیش آتے رہتے ہیں اور کسی منافق یا فاسق کے عیش سے کوئی اثر قبول نہ کرے۔ کیونکہ منافق کو جب پکڑا جاتا ہے تو ایک دفعہ ہی پکڑا جاتا ہے اور اس کو جڑ سے اکھیڑ کر پھینکدیا جاتا ہے۔ مومن پر اگرچہ متواتر مصائب آتے رہتے ہیں لیکن اس کو قائم رکھا جاتا ہے اور جڑ سے اکھیڑ کر نہیں پھینکا جاتا۔

حضرات! ان تمثیلات میں جو نکات و لطائف ہیں وہ عجیب و غریب ہیں جن کا یہ وقت نہیں ہے۔ اب رات بھی زیادہ آگئی ہے اور میں تھک بھی گیا ہوں پھر انشاءاللہ اگر زندگی رہی تو کسی دوسرے موقع پر عرض کروں گا۔ دعا کیجیئے کہ اللہ تعالےٰ آپکو اور مجکو نیک عمل کی توفیق عطا فرمائے اور خاتمہ بالخیر کرے۔

اللھم صل علی سیدنا ومولٰنا محمد خاتم الانبیاء والمرسلین۔

اللھم اصلح امۃ سیدنا ومولٰنا محمد اللھم ارحم امۃ سیدنا و مولٰنا محمد۔ اللھم فرج عن امۃ سیدنا ومولٰنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم

تمت

جنت کی کنجی

اس کتاب میں مولانا نے بارہ سو پینتیس احادیث کا ترجمہ کیا ہے کتب احادیث میں سے ان تمام احادیث کو منتخب کیا ہے جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعمال حسنہ پر مسلمانوں کو بشارت دی ہے۔ کتاب میں بہت سے عنوان ہیں ہر ایک عنوان کے تحت میں انہی احادیث کو جمع کیا ہے۔ جن سے اس عنوان کا تعلق ہے حدیث کا ترجمہ نہایت سلیس اردو میں ہے عورتوں بچوں اور نوجوانوں کیلئے اس کتاب کا مطالعہ بہت مفید ہے قیمت علاوہ محصول ڈاک عہ۔

دوزخ کا کھٹکا

اس کتاب میں ان تمام احادیث کا صاف اور سلیس اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے جنکا تعلق اعمال سیئہ سے ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان لوگوں کیلئے جو اعمال سیئہ اور خبیثہ کا ارتکاب کرتے ہیں جن الفاظ میں وعید فرمائی ہے اور خدا کے غضب سے ڈرایا ہے ان تمام احادیث کو مختلف عنوانات کے ماتحت جمع کردیا ہے۔ یہ دونوں کتابیں ترغیب اور ترہیب کا ایک بہترین مجموعہ ہیں۔ دوزخ کے کھٹکے میں ۸۸۴ احادیث کا ترجمہ ہے۔ دونوں کتابوں میں دو ہزار سے زاید احادیث کا ترجمہ ہے جنت کی کنجی اور دوزخ کے کھٹکے کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ اردو زبان میں آجتک اتنا بڑا ذخیرہ ترغیب و ترہیب کا سوائے ان دو کتابوں کے نہیں ملیگا۔ دونوں کتابیں اس قابل ہیں کہ اسلامی اسکولوں کے نصاب میں داخل کی جائیں ان دونوں کتابوں کے متعلق دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ جو شخص ان کتابوں کا مطالعہ کرلے وہ اوامر اور نواہی کے بہت بڑے حصے سے واقف ہوسکتا ہے ان کتابونکا مطالعہ کرنیوالا بہترین واعظ بن سکتا ہے ہر حدیث کے نیچے کتاب کا حوالہ بھی دیا گیا ہے اردو اتنی دلچسپ ہے کہ شروع کرنے کے بعد چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ قیمت علاوہ محصول ڈاک ۱۲

پاک زندگی

مولانا کے تین مضامین کا مجموعہ ہے سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو ایسے انوکھے اور اچھوتے انداز میں بیان کیا ہے جسکا اردو زبان میں ملنا مشکل ہے تیسرے مضمون میں درود شریف کے فضائل کا ذکر ہے مطالعہ کرنیوالوں کیلئے بیحد مفید اور نافع ہے قیمت عہ علاوہ محصول

ہر قسم کی مذہبی کتابیں اور قرآن مجید بکفایت ملنے کا پتہ۔ **منیجر دینی بکڈپو بیت السعید کوچہ ناہر خاں دہلی**